شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار

لافتیٰ اِلاّ علی لاسیف اِلاّ ذوالفقار

علیؑ اشجع النّاس

شیرِ خدا علیؑ مولا کی جنگوں پر مشتمل جامع کتاب





تالیف:

پروفیسر مظہر عباس چوہدری

تاکید و تشویق:

حجۃ الاسلام والمسلمین ریاض حسین جعفری

فاضل قم

ادارہ منہاج الصالحین لاہور

شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
لافتیٰ اِلاّ علی لاسیف اِلاّ ذوالفقار

علیؑ اشجع الناسؑ

شیرِ خدا علیؑ مولا کی جنگوں پر مشتمل جامع کتاب

تالیف:
پروفیسر مظہر عباس چودھری

تاکید و تشویق:
حجۃ الاسلام والمسلمین ریاض حسین جعفری
فاضلِ قم

ناشر اِدارہ منہاج الصالحین۔ لاہور
جناح ٹاؤن ٭ ٹھوکر نیاز بیگ ٭ لاہور

طالبِ دعا
سید نذر عباس رضوی

ہو علم کہ تقویٰ کہ شجاعت کہ عدالت
اک وصف میں حیدرؑ کے برابر نہیں کوئی

کتاب	:	علیؑ اشجع الناس
مؤلف	:	پروفیسر مظہر عباس چودھری
پیش کش	:	علامہ ریاض حسین جعفری (ایم اے) فاضل قم
پروف ریڈنگ	:	غلام حبیب - غلام حیدر چودھری
اشاعت	:	ستمبر 2007ء
تعداد	:	1000
کمپوزنگ	:	ادارہ منہاج الصالحین
ہدیہ	:	185 روپے

ملنے کا پتہ
محمد علی بک ایجنسی (اسلامی ثقافتی مرکز)
امام بارگاہ امام صادقؑ C-9/2 اسلام آباد ... 0321-529 [illegible]
امام بارگاہ یادگار حسینؑ ... 0321-529 [illegible]
... امام بارگاہ ... چوک ... 0543-551511 [illegible] 422645

ادارہ منہاج الصالحین ۔ لاہور

الحمد مارکیٹ، فرسٹ فلور، دکان نمبر 20، اُردو بازار - لاہور
فون: 042-7225252 ، 0301-4575120

انتساب

عزیزان علی شہروند، علی مہروند
اور اُن کی والدہ ماجدہ سلمہ آپا
کے
نام
دُعائے صحت و سلامتی کے ساتھ

بارگاہ ایزدی میں دعا گو ہوں کہ اس کتاب شجاعت و شہامت کا ثواب
الامام المظفر، اسد اللہ الحیدر، قاتلِ عمرو و مرحب و عنتر،
فاتح بدر و اُحد و خندق و خیبر
حضرت علی علیہ التحیۃ والسلام کی بارگاہِ اظفر کے توسط اور
معصومینؑ کے وسیلۂ جلیلہ سے
تمام مومنین مرحومین خصوصاً
برادر مرحوم چودھری مظفر علی مغفور کی روح کو پہنچے
اِنا للہ واِنّا الیہ راجعون ، التماس سورۂ فاتحہ

ابوالعلی والحسن مظہر عباس بھنڈر

ترتیب

باب چہارم

عرضِ ناشر

عن انس بن مالك قال:

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: المومن اذامات وترك ورقة واحدة عليها علم ، تكون تلك الورقة يوم القيامة سترا فيما بينه وبين النار ، واعطاه الله تبارك و تعالى بكلِّ حرف مكتوب عليها مدينةً اوسع من الدنيا سبع مرات (بحارالانوار ج١ ص ١٩٨)

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اگر کوئی مومن اس حال میں مرے کہ اس نے علم (دین) کا لکھا ہوا ایک ورق اپنے پیچھے چھوڑا ہو تو قیامت کے دن جہنم اور اس شخص کے درمیان وہ ورق حائل ہو جائے گا اور اُس پر لکھے گئے ہر ہر حرف کے بدلے میں خداوند متعال اسے جنت میں ایک شہر عطا فرمائے گا جو اس دنیا کے شہروں سے سات گنا بڑا ہو گا"۔

لائقِ حمد وثنا ہے وہ ذات کہ جس نے ہماری قلیل کاوشوں کے صلے میں کثیر اجر عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ بھی اُس کا احسانِ عظیم ہے کہ اُس نے ہم خطا کاروں کو علمِ دین سے وابستہ فرمایا اور تعلیم کے بعد تحریر و تصنیف کی توفیق عطا فرمائی۔ پھر اس پر مستزاد طباعت و اشاعت کی ذمہ داریوں کا سزاوار ٹھہرایا۔ یقیناً یہ سب کچھ محمدؐ و آلِ محمدؑ کی تصدیق و توثیق سے ممکن ہوا ہے کہ غیابِ امامؑ کے اس دورِ انتظار میں اپنے اپنے حصے کے

ـے جلا رہے ہیں۔

نیتوں کے حال احوال بھی خداوندِ قدوس سے پوشیدہ نہیں ہے کہ کون کیا کچھ کیوں اور کیسے کر رہا ہے۔ ہم تو بس یہ جانتے ہیں کہ مظہرِ علم و صداقت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ علم حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ زمین پر آیا اور پھر رخصت نہیں ہوا۔ یہ وراثت میں منتقل ہوا اور آثارِ نبوت و رسالت سے منسوب ہر وہ شے جو اہلِ بیتؑ سے مروی نہیں ہے وہ باطل ہے اور حضرت علی علیہ السلام اس اُمت کے عالم (امامؑ) ہیں اور ہم میں سے کوئی بھی عالم (امامؑ) جب دنیا سے اُٹھتا ہے تو اپنے بعد اپنے علم کا وارث چھوڑتا ہے (کمال الدین)۔

اس فرمانِ امامؑ کی روشنی میں یہ امر ظاہر و باہر ہے کہ آج علم کے حقیقی وارث قائمِ آلِ محمدؑ ہیں اور علومِ آلِ محمدؐ سے وابستہ دوسرے سبھی لوگ انہی کے ترجمان اور کارندے ہیں۔

ہم نے اس اُمت کے حقیقی عالم حضرت علی علیہ السلام کی حیات و صفات کے ہر پہلو پر لکھنے کا عزم کر رکھا ہے تا کہ لوگ حقیقی علم سے واقف ہو سکیں اور علومِ باطلہ کی یلغار سے محفوظ رہیں۔ چونکہ علم و شجاعت خلیفۃ اللہ کے دو بنیادی اوصاف ہیں چنانچہ علومِ علویہ کی جزوی جھلکیوں پر مبنی کچھ کتابیں شائع کرنے کے بعد شجاعتِ علیؑ کے بیان کی حامل یہ کتاب "علیؑ میدانِ جنگ میں" پیشِ خدمت ہے، جس کے مؤلف و محقق پروفیسر مظہر عباس چوہدری ہیں' جن کی کئی کتب ادارہ منہاج الصالحین پہلے بھی شائع کر چکا ہے۔ مؤلف موصوف نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے تو حسبِ سابق مقدور بھر کوشش کی ہے کہ یہ تالیف تحقیقی' تاریخی' عقیدتی' ادبی اور لسانی شاہکار کے طور پر سامنے آئے۔ انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے استفادہ کرتے ہوئے کثیر مطالعہ' عمیق نظر' لطیف پیرایۂ اظہار اور وسیع الخیالی کو بروئے کار لا کر یہ شاہکارِ شجاعت تراشا ہے۔ اُن کے تحریر کردہ مسودۂ کتاب کے آغاز میں درج یہ دو قطعات میرے دل میں اُترتے چلے گئے اور کتاب کی منظوری اور کامیابی کی ضمانت محسوس ہوئے' ملاحظہ ہوں:

باوضو ہو کے سرِ صفحۂ قرطاس دعا
آؤ حیدرؑ کی شجاعت کو رقم کرتے ہیں
کھوجتے ہیں سرِ میدان علیؑ کے جوہر
سینۂ سنگ میں ہم نصب قلم کرتے ہیں

○

بعد صدیوں کے شجاعت تری تسلیم کریں
دورِ حاضر کے سبھی لوگ تجھے جانتے ہیں
عظمتِ کعبہ بلند ہے تو نجف بھی ہے بلند
اہلِ عالم تجھے اب تک بھی علیؑ مانتے ہیں

(مظہر عباس چودھری)

مؤلف نے کتاب ہذا کی تبویب یعنی باب بندی میں جو دقّتِ نظر اور وسعتِ تحریر دکھائی ہے وہ بھی قابلِ تعریف و تحسین ہے۔ تقریظ و تمہید اور فیض کی ہیکوں میں لکھے گئے منظوم کلام کے علاوہ چھے مختلف اور منفرد ابواب پر مشتمل یہ کتاب واقعی لاجواب ہے۔ تقریب بین المذاہب کو فروغ دینے اور اہلِ اسلام کے اتحاد و یگانگت کے پیشِ نگاہ اسلام کے دونوں بڑے مکاتب تسنن اور تشیع کا شجاعتِ علیؑ کے باب میں بے مثال اعتراف اور خوش نما امتزاج ''علیؑ میدانِ جنگ میں'' کی صورت میں تحریر کرنا آسان کام نہیں تھا' لیکن میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ ''شجاعت نامۂ علویہ'' مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا محل بنے گا۔

ادارہ منہاج الصالحین مولائے کائنات کی حیات و صفات پر عمدہ تحریر شائع کرنے کے لیے مضطرب ہے۔ دعا کیجیے کہ امامِ زمانہؑ کے زیرِ سرپرستی میں ہم اپنے اس مشن میں کامیاب ہوں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

ریاض حسین جعفری فاضلِ قم
صدر نشین ادارہ منہاج الصالحین لاہور

علیؑ کے ذکر سے ملتی ہے اک توانائی
فتیٰ کوئی بھی نہیں ہے فقط فتیٰ ہے علیؑ
(حسن رضا غدیری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَادِ عَلِيًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ
تَجِدْهُ عَوْنًا لَّكَ فِي النَّوَائِبِ
كُلُّ هَمٍّ وَ غَمٍّ سَيَنْجَلِي
بِعَظَمَتِكَ يَا اَللّٰهُ
بِنُبُوَّتِكَ يَا مُحَمَّدُ
وَبِوِلَايَتِكَ يَا عَلِي
يَاعَلِي يَاعَلِي مَدَد

جب نادِ علیؑ پڑھ کے نکلتا ہوں میں گھر سے
آفت کوئی آتی ہے تو ٹل جاتی ہے سر سے
(جمال لکھنوی)

علیؑ کی تیغ سے تاریخ پوچھیے سب کی
کہا ہے کس نے کہاں لا اِلٰہ الا اللہ

لَا فَتیٰ اِلَّا عَلِی

گفتارِ مؤلف

علیؑ آقا‘ رسولِ معظمؐ کے وہ خلیفۂ بلافصل اور جانشینِ اوّل ہیں جو خلافت کے الوہی وربّانی اور الہامی وقرآنی معیارِ علم وشجاعت کے اعلیٰ ترین مدارج پر فائز ہیں۔ علومِ علویہ کے لدنی موتیوں کو رولتے ہوئے ہم مختلف کتب شائع کر چکے ہیں اور اب جو نظر شجاعتِ حیدریہ کے تابناک جلووں پر پڑی ہے تو آنکھیں چندھیا کر رہ گئی ہیں۔ یوں محسوس ہورہا ہے کہ شجاعت اور علیؑ لازم وملزوم ہیں‘ بلکہ شجاعت وشہامت ہی علیؑ ذوعلم کا دوسرا نام ہے۔ وہ علیؑ جو مسلمِ اوّل بھی ہے اور شاہِ مرداں بھی‘ جس کے وجودِ مسعود سے ملّتِ اسلامیہ کو عظمت وشوکت نصیب ہوئی اور جس کے جاہ وجلال کے بارے میں کہا گیا ہے:

ع از وجودش ملّتِ حق فرگرفت

اُس علیؑ کی اعلیٰ وارفع شجاعت وشہامت کے بارے میں کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ ہم میں یہ سکت کہاں کہ میدانِ جنگ میں فقط رضائے ایزدی اور عروجِ اسلام کے لیے لڑتے ہوئے علیؑ ابن ابی طالبؑ کی کماحقہٗ عکاسی اور نقشہ کشی کرسکیں۔ علیؑ تو اشجع العرب ہے‘ علیؑ تو اشجع الناس ہے‘ علیؑ تو وہ بہادر ہے کہ اُسے پروا ہی نہیں کہ موت اُس پر آگرے یا وہ موت پر جا پڑے۔ علیؑ تو ”لافتیٰ الا علیؑ“ کی ندائے آسمانی کا سزاوار ہے‘ علیؑ تو ضَرْبَتُ عَلِیٍّ یَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَتِ

الثَّقَلَیْن کا حق دار ہے اور علیؑ تو اسداللہ ویداللہ ایسے القابات کا مصداقِ حقیقی واصلی ہے۔

تاریخِ اسلام علیؑ ولی کی بہادری کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ اسلام کا کوئی ایسا مسلک نہیں جو علیؑ کی جوانمردی کا معترف نہ ہو۔ مسلمان تو مسلمان کچھ کفار اور یہود وہنود نیز نصرانی بھی اس شیرِ کردگار کے حملہ ویلغار کے گُن گاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جہاں علیؑ کی شجاعت اسلام کے کرّوفر اور شان وشوکت کا باعث بنی وہاں دشمنانِ اسلام‘ مشرکین‘ منافقین‘ یہود ونصاریٰ سبھی اپنی عصبیت اور نسبیت کے سبب علیؑ دشمنی پر بھی اُتر آئے‘ خصوصاً عرب کے مشرکین اور منافقین نے تو نسل در نسل اس دشمنی کو برقرار رکھا جو آج بھی اکثر وبیشتر ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مآخذ ومنابع حضرت علیؑ کی زمانۂ رسالت میں لڑے جانے والے مختلف غزوات وسریات اور خود مولاؑ کے ظاہری عہدِ خلافت میں لڑی جانے والی جنگوں کی داستانوں سے بھرے پڑے ہیں۔ جن میں سے زیادہ تر عربی زبان میں ہیں یا پھر فارسی میں۔ جب کہ اُردو زبان کا اس ضمن میں سرمایہ بہت کم ہے۔ سیرت امیر المومنینؑ‘ تاریخِ اسلام‘ چودہ ستارے (از کرّاروی و جوادی) کے چند مشمولات کے علاوہ چھوٹی موٹی کچھ کتب بلکہ کتابچے ہی ملتے ہیں۔ ہم نے اس کمی کو بھانپتے ہوئے ”علیؑ میدانِ جنگ میں“ کے نام سے یہ پہلی باقاعدہ اور مبسوط کاوش پیش کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ خدائے متعال سے قبولیت کی دعا کے ساتھ ساتھ اُس کے مومن بندوں کی آراء کے منتظر رہیں گے۔

ہم نے تاریخ وادب کی یکجائی کی کوشش کی ہے اور علماء‘ مقررین‘ ذاکرین کے لیے منثور ومنظوم مواد پیش کیا ہے تاکہ اُنھیں شجاعتِ حیدریہ کے بیان میں آسانی میسر آئے اور کسی قسم کی دقّت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس موقع پر حضرتِ اقبال کے یہ دو شعر حرزِ جاں کی حیثیت رکھتے ہیں:

مسلمِ اوّل شہِ مرداں علیؓ
عشق را سرمایۂ ایماں علیؓ
از رُخِ او فالِ پیغمبرؐ گرفت
ملّتِ حق از شکوہش فر گرفت
(اسرارِ خودی)

کتاب ہذا میں تحقیقی معیار کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اور کتب تاریخ و روایت کی چھان پھٹک کے بعد جو حقائق دستیاب ہوئے ہیں وہی شاملِ کتاب کیے گئے ہیں۔ مسلکِ حقہ شیعہ خیرالبریہ کی متعدد کتب کے ساتھ ساتھ مسلکِ اہلِ سنت کی کتبِ تاریخ (خصوصاً عربی مؤرخ استاد محمد احمد باشمیل کی ہر مشہور غزوہ پر موجود کتب' سیرت النبیؐ شبلی نعمانی' حضرت علیؑ (شیرِ خدا) مؤلفہ محمد علی چراغ' شاہکارِ شجاعت علی المرتضیٰؑ مؤلفہ پروفیسر فتح محمد نسیم سے بھی متفق علیہ روایات اور مسلکی نقطۂ نظر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ایران سے شائع شدہ اور ویب سائٹس پر موجود کئی فارسی کتب سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے' تب جا کر یہ منزل سَر ہوئی ہے۔

جنگ ہائے جمل' صفین اور نہروان کے بارے میں معتدل مزاج اور ان جنگوں کے اوّلین مؤرخ احمد بن داؤد دینوری کی عربی کتاب (اور فارسی میں موجود اُس کے ترجمہ و انتخاب سے) استفادہ کیا ہے کیونکہ یہ جامع کتاب ''اخبار الطوال حضرت علیؑ کی جنگوں کے موضوع پر ایک اہم اور صحیح کتاب سمجھی جاتی ہے۔ روایت میں درایت اور تحقیق میں تدقیق کے پیش نظر ایک اضافی باب ''شانِ ضربت علیؑ'' بھی شامل کیا گیا ہے جس سے کئی ابہام دُور ہوئے ہیں۔ آخری باب شعری محسوسات اور محاکات پر مبنی ہے جس کا اپنا ہی لطف ہے۔

اپنی ان تمام کوششوں اور جدوجہد کے باوجود بھی ہم انتہائی عاجزی کے ساتھ یہ

دعا کرتے ہیں کہ اشجع العرب کے حضور ہماری اس کاوش کو مزید بہتر بنانے کے لیے تعاون کیجیے۔ ادارہ کی خواہش تو یہ ہے کہ ہر جنگ پر علیحدہ کتاب منظرِ عام پر لائی جاسکے جس میں شجاعتِ حیدریہ کو منظوم و منثور ہر دو صورتوں میں پیش کرسکیں۔ دنیا میں کوئی کام بھی ناممکن نہیں۔ ان شاء اللہ ایسا ہو کر رہے گا۔

ع منزلِ ما دُور نیست

الاحقر والمذنب مؤلف عفی اللہ تعالیٰ عنہ
(پروفیسر مظہر عباس چودھری)

❁❁❁

حروفِ شہامت

[نتیجۂ فکر: آقائے مظہر عباس چودھری]

حیدرؑ کی شجاعت پر

فرمایا پیغمبرؐ نے
یہ شیرِ خدا بھی ہے
اور دشمنِ دیں کے لیے
یہ دستِ قضا بھی ہے
حیدرؑ کی شجاعت پر
قربان مری نسلیں

ہیں بدر و اُحد شاہد
خندق بھی گواہی ہے
مولاؑ کی دعا ہی سے
خیبر کی تباہی ہے
حیدرؑ کی شجاعت پر
قربان مری نسلیں

ہیں آج مسلماں ہم
احسان ہے حیدرؑ کا
ممنون ہے ہر مومن
ہم نفسِ پیمبرؐ کا
حیدرؑ کی شجاعت پر
قربان مری نسلیں

❁❁❁

شجاعتِ حیدریہؑ

حیدرؑ کی شجاعت کا
اقرار کریں دشمن
مولاؑ کی شہامت کا
اظہار کریں دشمن
غزوات و سرایا میں
حیدرؑ ہی مظفر ہیں
مولاؑ کے جوانوں میں
اک مالکِ اشترؓ ہیں
سلمانؓ و ابوذرؓ نے
دیکھے ہیں عجب منظر
تھے بدر و اُحد ، خندق
خیبر میں علیؑ اظفر
تاریخ گواہی ہے
وہ شیرِ خدا بھی ہیں
مرحب کے لیے مظہر
وہ دستِ قضا بھی ہیں
اے دہشتِ دوراں تو!
ٹل جا کہ میں خادم ہوں
اشجعِ عرب کا اِک
ادنیٰ سا ملازم ہوں

❁❁❁

یا علیؑ! آپ نے سرِ میداں......

یا علیؑ آپ نے سرِ میداں
معجزے اس قدر دکھائے ہیں
لوگ حیراں ہیں اُن کو سن سن کر
آپ نے وار جو چلائے ہیں

سارے غزوات میں ، سرایا میں
آپ ہی وجہِ ناز و نصرت تھے
آپؑ ہی کافروں کے نرغے میں
اہلِ حق کے لیے سعادت تھے

عمرو ، مرحب ہو یا کہ عنتر ہو
آپ کے نام سے لرزتے تھے
لوگ ڈرتے تھے موت سے لیکن
آپ تو موت پر جھپٹتے تھے

آپؑ بدر و اُحد میں خندق میں
مصطفےٰؐ کے علَم کے حامل تھے
اور جنگِ بنی قریظہ میں
حیّ اخطب کے آپ قاتل تھے

آپ صِفّین اور جمل جیتے
آپ ہی نہروان میں غالب
یا علیؑ! آج اہلِ ایماں بھی
آپؑ ہی سے مدد کے ہیں طالب

بہ اندازِ دیگر:

یا علیؑ آج اہلِ ایماں بھی
آپؑ ہی سے مدد کے ہیں طالب

❀ ❀ ❀

شاہِ ذوالفقار

کلامِ میر انیس اعلی اللہ مقامہ

تھے حافظِ کلامِ خدا شاہِ ذوالفقارؑ
لکھا ہے ہونے لگتے تھے دُلدل پہ جب سوار
دے کر رکاب میں قدمِ پاک کو قرار
قرآن شروع کرتا تھا وہ شیر کردگار
کس کا بغیر مصحفِ ناطق یہ کام تھا
پہنچا اُدھر جو پاؤں تو قرآں تمام تھا

بھیجا ہے اس کو تیری حفاظت کے واسطے
پیدا کیا ہے اس کو ہدایت کے واسطے
کافی ہے اس کا زور حمایت کے واسطے
ہے یہ دلیل تیری رسالتؐ کے واسطے
برپا نشانِ دیں ہو، علَم ذوالفقارؑ ہو
نزدیک ہے کہ وحیٔ خدا آشکار ہو!

موقوف تھا اسی پہ رسالتؐ کا بندوبست
دے گا یہ شیر لشکرِ کفار کو شکست
اب ہوں گے بت پرست ہزاروں خدا پرست
ہوجائیں گے جہاں کے زبردست زیردست
تیرا کوئی نظیر نہ اس کا نظیر ہے
تو بادشاہِ خلق ہے اور یہ وزیر ہے

✿✿✿

علیؑ کی جنگ پر جاری ہے کیوں آہ و فغاں لوگو!
اگرچہ ایک گردن بے گنہ ماری کہاں لوگو!

تمہید

تاریخ من گھڑت اور فرضی قصوں کہانیوں اور داستانوں کا نام ہرگز نہیں بلکہ جستجوئے حقیقت اور اظہارِ صداقت کا دوسرا نام ہے لیکن بدقسمتی سے تاریخ اسلام کا یہ المیہ رہا ہے کہ اسے بادشاہوں، آمروں اور اہلِ تخت و تاج کی جھوٹی مدح سرائی اور قصیدہ گوئی بنا کر رکھ دیا گیا۔ حالات و واقعات اُن کے اسباب و نتائج اور اُن سے حاصل ہونے والے اسباق سبھی جھوٹ کی آمیزش اور چاپلوسی کی نذر ہوگئے۔ یہاں تک کہ دروغ گوئی اور رنگ بازی نے حضرتِ آدمؑ کے زمانے کی تاریخ ہی سے تاریخ کو مسخ کرنا شروع کردیا، جس کا منفی اثر آج تک ہمارے عقائد و نظریات کو مجروح کررہا ہے۔ حضرت آدمؑ کے بیٹوں اور بیٹیوں کی باہم شادیاں، حضرت ابراہیمؑ کو بت پرست و بت گر آذر کا حقیقی بیٹا بتایا جانا، حضرت موسیٰؑ کے بارے میں عجیب و غریب فرضی اور غیر معقول اسرائیلی روایتیں اور پھر نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کے واضح اعلان پر پردہ پوشی اور اس کے بعد بنو عباس کے دورِ حکومت تک بلکہ آج تک صاحبانِ اقتدار کی چاپلوسی اور اہلِ حق کی مخالفت ایسی قباحتیں مُشتے نمونہ از خروارے کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں۔

چونکہ ان مثالوں کی تفصیل کا یہ موقع نہیں چنانچہ ہم خودساختہ تاریخ رقم کرنے والے حکومتی مؤرخوں کے کرتوتوں کے تذکرے کے بجائے سلامِ عقیدت اور ہدیۂ تہنیت

پیش کرتے ہیں اُن عظیم مؤرخوں کو جنھوں نے باطل حکومتوں اور ظالم حکمرانوں کے دورِاستبداد میں بھی حق کا علم بلند رکھا اور جن کے توسط سے آج ہم حقائق سے آشنا ہوئے۔ بعض مؤرخوں مثلاً اعثم کوفی، ابومخنف یعقوبی، مسعودی، طبری، بلاذری وغیرہ نے جزواً حقیقت تک رسائی کا سامان کیا اور مکتبِ اہلِ بیتؑ کے اکثر راویوں اور بعدازاں اُن کی روایات کو محفوظ کرنے والوں مثلاً شیخ بابویہ، شیخ صدوق، شیخ مفید، علامہ مجلسی وغیرھم کے ہم خصوصی طور پر احسان مند ہیں کہ جنھوں نے حق گوئی اور راست بازی کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔

ہم نے تاریخ کے سفر کو انسان کے وجود ہی سے تاریخِ اسلام کے طور پر لیا ہے اور تاریخِ مذاہبِ عالم کو تاریخ اسلام ہی جانا ہے کیونکہ اسلام میں حضرت آدمؑ سے لے کر جناب خاتم الانبیاءؐ تک حقیقی الوہی اور الہامی دین ہے۔ قرآنِ حکیم کا ایک اہم موضوع بھی یہی طویل انسانی اور اسلامی تاریخ ہے۔ اور ہر دور کے کچھ حق پرست مؤرخین بھی لاکھ جبر کے باوجود اس کا تحفظ کرتے ہوئے آرہے ہیں۔ گویا سچی تاریخ کے دو مآخذ ہمارے پاس موجود ہیں جن میں پہلا اور لاریب منبع تاریخ وحیٔ الٰہی (قرآن مجید) ہے اور دوسرا منبع اخبارِ معصومینؑ ہیں۔

اب ہم انسانی یعنی مجموعی اسلامی تاریخ کے بعد محض ملّتِ ابراہیمؑ کی تاریخ کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں۔ قرآن مجید تاریخ انبیاءؑ کے تذکرے میں ارشاد فرماتا ہے:

''جب ابراہیمؑ کے پروردگار نے چند باتوں میں انہیں آزمایا اور وہ اس آزمائش پر پورا اُترے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا: اور میری اولاد میں سے؟ (تو) اللہ (رب العزت) نے فرمایا: میرے اس عہدے پر ظالموں میں سے کوئی فائز نہیں ہوسکتا''۔ (البقرہ:۱۲۴)

یوں اللہ جل شانہٗ نے ملّتِ ابراہیمؑ کی تاریخ کا اصول اور معیار مقرر فرمایا کہ امامت تو انہی کی نسل میں رہے گی مگر اُن کی نسل کے ظالم لوگ اس عظیم منصبِ امامت سے محروم رہیں گے۔ اب اگر ہم رحلتِ رسولؐ کے بعد تاریخ اسلام پر نگاہ دوڑائیں تو حضرت ابراہیمؑ کی ذریت اور فرزندِ ابراہیم حضرت محمدؐ رسول اللہ کی آل خدائی وعدے کے مطابق اس منصبِ جلیلہ وجمیلہ پر فائز رہی مگر ظاہراً دنیادار حکمران خلافتِ رسولؐ پر قابض ہوگئے اور دنیاوی شان وشوکت نیز عیش وعشرت سے حکمرانی کرتے رہے۔ افسوس کہ مؤرخین کی مصلحت اندیشی نے انہیں خلیفہ ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ بنوامیہ اور بنوعباس اپنی تاریخ خود رقم کراتے رہے اور مؤرخوں کو زر و دولت سے نوازتے رہے۔ جس کے نتیجے میں آج تک کے مسلمانوں میں تفرقہ، انتشار اور بغض وعناد کی لہریں جاری وساری ہیں۔

حکومتوں کے جبر وستم نے تاریخ اسلام کو بدلنے اور جھوٹ کا پلندہ بنانے کی ہر ممکن کوششیں کیں لیکن اندھیروں کی کوکھ سے نور بھی پھوٹتا رہا اور محققین حق وصداقت کی کھوج لگاتے رہے۔ آج کا دور علمی ترقی اور حقائق تک رسائی میں آسانی کا دور ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں اور جس طرح دوسرے علوم مثلاً علم الفقہ، علم الکلام، علم الاعتقاد وغیرہ میں آگے ہیں اسی طرح علمِ تاریخ میں بھی پیش رَو بنیں اور دشمنوں کی سازشوں، پروپیگنڈوں اور غلط افواہوں کے تدارک کے لیے استدلال واستنباط سے کام لیتے ہوئے اپنی تاریخ خود رقم کریں۔

ہم مفتخر ہیں کہ ماضی قریب میں جسٹس سید امیر علی، علامہ سید علی نقی اعلی اللہ مقامہٗ مفتی جعفر حسین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور حال میں سید فروغ کاظمی کے سے مؤرخین برصغیر پاک وہند میں جنم لے چکے ہیں جنھوں نے اپنی تاریخ دانی کا خوب لوہا منوایا۔ لیکن چونکہ تاریخ ایک مسلسل عمل کا نام ہے لہٰذا اصولِ تاریخ کی روشنی میں تحقیقِ تاریخ مسلسل جاری

دینی چاہیے کیونکہ یہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

ہیچمدان تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب ہے‘ سو تاریخ دانی میں مہارت کا کوئی دعویٰ نہیں رکھتا۔ البتہ حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری کا حسنِ ظن ہے کہ اس اہم کام پر مامور کیا اور حضرت علی علیہ السلام کی تمام جنگوں کو تحقیقی انداز کے ساتھ ساتھ ادبی اسلوب میں تحریر کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ حضرت کا فرمان تھا کہ علی مولاؑ کا جہاد نامہ اور کتابِ شجاعت اس طرح تحریر کریں کہ مولائے کائنات میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے دکھائی دیں۔ خدا کی قسم یہ قطعاً میرے بس کا روگ نہیں بلکہ ناممکنات میں سے ہے۔ البتہ جو مجھ حقیر سے بن پڑا پیشِ خدمت ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ منظر کشی تو صرف سلمانؓ ہی کر سکتے تھے اور وہ بھی کسی حد تک میں نے اس مشکل سفر کو طے کرنے کے لیے نثر کے ساتھ ساتھ شاعری کا سہارا بھی لیا ہے اور اپنے جذبات و احساسات کو پیش کر کے اشجع العرب‘ اشجع الناسؑ کی بہادری کی عکاسی کرنے کی حسبِ استطاعت کوشش کی ہے۔ دیگر شعراء کا کلام بھی موقع محل کی مناسبت سے استعمال میں لایا گیا ہے جن کے کلام کے ساتھ ناموں کے حوالے بھی دیئے ہیں اور منظوم کلام پر مبنی ایک علیحدہ باب بھی موجود ہے۔ البتہ یہاں مجھے ذاکرین عظام کا کچھ کلام بھی رہ رہ کر یاد آ رہا ہے۔ اللہ علیؑ ولی کے ان سب غلاموں کو اجر عطا فرمائے۔

ہمارے بچپن میں ایک بزرگ ذاکر اللہ یار کوثر شاید اپنا یا پھر اپنے اُستاد کا ایک قصیدہ (جنگِ خیبر کے بیان میں) پڑھا کرتے تھے۔ ابتدائی جملوں کے اُردو ترجمے کی کوشش کر رہا ہوں۔

بولا خوش ہو کر سلمانؓ مبارک نبیوں کے سلطان
حیدرؑ وہ آیا‘ لو حیدرؑ وہ آیا

اسی طرح چند سال قبل وفات پانے والے ذاکر اکبر انجم پڑھا کرتے تھے:

اس سے پہلے جو آئے میداں میں
بھاگنے کے سبھی دھنی آئے
روز چالیسویں جو خیبر میں
اس طرح سے علیؑ ولی آئے
جیسے کوئی زمیندار آ کر
اپنی جاگیر میں ٹہلتا ہے

اس موضوع پر اختر چنیوٹی مرحوم یوں پڑھتے تھے: ؎

دلیر سب تھے پیمبرؐ کے آزمائے ہوئے
اجل کے خوف سے بیٹھے تھے سر جھکائے ہوئے
رسولؐ حق کا علم دوش پر اُٹھائے ہوئے
عجیب شان سے خیبر میں مرتضیٰؑ ٹہلے

اور آج کے ایک جواں سال اور مشہور عام ذاکر و شاعر شوکت رضا شوکت اس طرح گویا ہوتے ہیں: ؎

پایا ہے علیؑ نے عجب اقبال خدا سے
اجمالِ محمدؐ سے تو اجلالِ خدا سے
توحید کی تلوار سے لڑتا رہا لیکن
مانگی ہی نہیں اُس نے کبھی ڈھال خدا سے

یقیناً ذاکرین عظام نے علیؑ ولی کی بہادری کے بیان میں گراں قدر حصہ ڈالا ہے خصوصاً خیبر پر بہت زور دیا گیا۔ ذاکرین کو چاہیے کہ تاریخی روایات کو اپنے جذبات اور محسوسات سے مزید پُر اثر اور دلنشین بنا کر حضرت علی علیہ السلام کی دیگر جنگوں کی عکاسی پر

بھی بھرپور توجہ دیں۔ اور زعمائے قوم کو چاہیے کہ دیگر ایامِ عظمت کی طرح یومِ بدر، یومِ اُحد، یومِ خندق، یومِ خیبر اور غیرہ کا بھی اہتمام کیا کریں تاکہ عوام تاریخِ اسلام، فتوحاتِ اہلِ ایمان اور خصوصاً خوشنودئ خُدا اور مرضئ یزدان کے لیے مصروفِ جہاد رہنے والے شیرِ خدا کے عظیم جنگی و جہادی کارناموں سے بھرپور آگہی حاصل کر سکیں۔

میں اکثر سوچتا ہوں کہ حضرت علی علیہ السلام جب اس دنیا میں تشریف لائے، آپؑ کی جنگوں کا آغاز تو اُسی وقت سے ہوگیا تھا۔ اسداللہ کا اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اژدہے کو پھاڑنا، ابوجہل کے منہ پر تھپڑ رسید کرنا اور پھر غالباً دس سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کو کھجوروں کی گٹھلیوں سے گھائل کرنا، دعوتِ ذی العشیرہ میں علی الاعلان حمایتِ رسولؐ بلکہ حفاظتِ رسولؐ کی ذمہ داری لینا، ہجرت کی شب تلواروں کی چھاؤں میں بسترِ نبیؐ پر سونا سبھی علیؑ کی جنگیں ہیں۔ آج کے دور میں سرد جنگیں بھی ہوتی ہیں البتہ یداللہ کی ہر جنگ گرم (سرگرم) جنگ تھی اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب مواقع، علیؑ اسداللہ کے دشمنانِ خدا سے لڑنے اور دفاعِ اسلام کو یقینی بنانے کے، ہمارے لیے ایک تربیتی نصاب تھا۔

یوں اس عاشقِ خدا و رسولؐ نے جنگِ بدر سے لے کر نہروان تک مردانگی، جواں مردی اور دلیری کے وہ جوہر دکھائے جو محیر العقول اور اہلِ فلک تک میں مشہور و مقبول ہیں اور آخرکار محرابِ مسجد میں ایک بزدل دشمن کے فرستادہ ابن ملجم کے ہاتھوں اپنے خون سے سرِ اقدس پر خضاب کر کے وہ سرخروئی حاصل کی کہ کسے را میسر نہ شد ایں سعادت۔

۱۹ رمضان کی نمازِ فجر میں ہونے والے اس دلگیر سانحہ میں اللہ کے شیر نے فرمایا:

فُزتُ بِرَبِّ الکَعبَہ، کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہوگیا اور ۲۱ رمضان کو ہاتفِ غیبی نے قَد قُتِلَ الاَمِیرُ کہہ کر اس عظیم بہادر اور بے مثل جنگجو کی شہادت کا اعلان کیا۔ جس نے اسلام کی جنگوں اور جہادی معرکوں میں فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑے تھے۔

میر انیس حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے مرثیہ میں رقم طراز ہیں:

سجدے میں شیرِ حق کا دوپارہ ہوا جو سر — اک بار کانپنے لگے مسجد کے بام و در
ابلا لہو کہ گئی محراب خوں سے تر — اِک زلزلہ سا بس ہوا نازل زمین پر
گردوں پہ جبرئیلؑ پکارا غضب ہوا
سجدے میں حق کے قتل امیرِ عرب ہوا

مگر ابھی ایک جنگ علیؑ نے اور بھی لڑنی ہے جس کے لیے شیعیان و پیروانِ علیؑ دست بدعا ہیں کہ:

خدا وہ وقت بھی لائے

کہ پھر علیؑ آئیں
ہر ایک سمت اُجالا ہو نورِ عرفاں کا
ہو بول بالا مقاماتِ آلِ عمرانؑ کا
خصوصی فضل و کرم ہو خدائے رحماں کا
یہ دورِ رجعت یاسینؑ ہی سے ممکن ہے
امیدِ آمدِ گلگونئ بہار میں ہیں
ولائے قائمِ دوراں کے بس خمار میں ہیں
ظہور حضرتِ مہدیؑ کے انتظار میں ہیں
دُعائے فرج سے آمین ہی سے ممکن ہے
طویل ہوگئی غیبت بہت پریشاں ہیں
امامِ وقت کی فرقت میں چشمِ حیراں ہیں
قدم قدم پہ رہینِ عطائے غیراں ہیں
نجات آمدِ عالینؑ ہی سے ممکن ہے

خدایا سیدِ لولاکؐ کی اس اُمت پر
کڑا ہے وقت بہت بے شعورِ سفت پر
چلاؤ پھر سے اسے آئینِ شریعت پر
بچاؤ دہشت و امواتِ ناگہانی سے
رہائی دیجیو ذلت کی زندگانی سے
(مظہر عباس چودھری)

❁❁❁

باب اوّل

اسلام کا فلسفۂ جہاد
اور
جہادِ علیؑ

مشمولات

سید منور عباس رضوی

اسلام کا فلسفۂ جہاد اور جہادِ علیؑ

جہاد کا مفہوم

جہاد دین اسلام کے فروع میں سے ایک اہم فرع ہے۔ یہ ایک وسیع مفہوم کی حامل اصطلاح تھی لیکن بہت سے دیگر الفاظ اور اصطلاحات کی طرح رفتہ رفتہ اس کا مفہوم بھی محدود ہو کر رہ گیا۔

جہاد کے اصل اور لغوی معنی ہیں پوری طاقت سے کوشش کرنا۔ قرآن کی اصطلاح میں دینی نصب العین کے حصول کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دینے کا نام جہاد ہے۔ عربی زبان میں جد و جہد کا لفظ بلیغ کوشش کے لیے استعمال ہوتا ہے اور خود ہماری زبان اُردو میں بھی اس کا یہی مفہوم ہے جب کہ جہاد میں حرفِ زائد ہونے کی وجہ سے معنی مبالغہ آمیز ہو جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ کسی بلند مقصد کے حصول کے لیے نہایت دشواری اور انتہائی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ گویا سعیٔ بلیغ اور سرتوڑ کوشش درکار ہوتی ہے اور اس راستے میں جو چیز رکاوٹ کا باعث بنے اُسے قربان بھی کرنا پڑتا ہے' لہٰذا اس کوشش اور قربانی کو جہاد کا نام دیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی ایک آیت مجیدہ میں اِن رکاوٹوں کی فہرست یوں گنائی گئی ہے:

''کہہ دو کہ اگر تمہارے آباؤ اجداد' تمہارے فرزند' تمہارے بھائی اور تمہاری ازواج' تمہارے افرادِ خاندان اور تمہارے وہ مال جو تم نے جمع کر رکھے ہیں اور وہ تجارت جس کے ماند پڑ جانے کا تمہیں خطرہ ہے اور وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں (اگر یہ سب کچھ یا

ایک شے) تمہیں اللہ اور اس کے رسولؐ یا جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ عزیز ہے تو اس ... کا انتظار کرو جب اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ کن حکم لے آئے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں ...تا۔ یہاں تین باتیں نہایت قابلِ توجہ ہیں:

✽ پہلی بات یہ کہ اللہ اور اس کی رضا مسلمان کا مقصودِ اصلی ہے۔ رسولؐ خدا اس ... کے حصول کا واسطہ ہیں اور جہاد اس مقصد کے حصول کا طریقہ ہے۔ لہٰذا مقصد ...لوب ہوگا تو اس کے حصول کے لیے سعی اور کوشش بھی اسی قدر کی جائے گی یعنی جہاد فی ...ل اللہ بھی اسی طرح محبوب ہوگا جیسے اللہ اور اُس کا رسول اور یہ مقصد محض خواہش سے ...ں بلکہ محبت' طلب اور تڑپ سے حاصل ہوگا۔

✽ دوسری چیز اس آیت سے یہ واضح ہوتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ اور جہاد ...راستے میں رکاوٹ بننے والی یہی اشیاء ہیں جن کا اس آیۂ مبارکہ میں ذکر کر دیا گیا ہے ...یں دُہرانے کی ضرورت نہیں۔ مختصراً جہاد ان تمام چیزوں سے مرغوب و محبوب ہونا ...یے ورنہ اللہ اور اس کے رسول کو محبوب کہنے کا دعویٰ بھی غلط ہے۔

✽ تیسری حقیقت جو اس آیۂ مبارکہ سے واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ جہاد کا مطلب ...تے میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کو عبور کر لینا یا اسے ترک و قربان کر دینا ہے۔

...امِ جہاد

جہاد کی بہت سی قسمیں ہیں جس چیز کو بھی اس کوشش میں لگایا جائے گا اس کا نام ...ہوگا۔ اگر قلب و دماغ کو جہاد میں لگایا جائے تو یہ جہاد بالقلب ہوگا۔ اگر علم و قلم کو لگایا ...ے تو جہاد بالعلم اور جہاد بالقلم ہوگا۔ اور اگر جسم کو لگایا جائے تو جہاد بالجسم ہوگا۔ اگر یہ ... مال سے کی جائے تو جہاد بالمال ہے اور اگر جان کی بازی لگا دی جائے تو جہاد ...ں ہے۔ جان کے علاوہ اگر ساری چیزوں مثلاً تجارت' مسکن' وطن کو مال تصور کیا جائے ...ل اولاد' کنبہ اور اپنی ذات کو نفس تو جہاد دو بڑی قسموں میں تقسیم ہوگا۔ یعنی جہاد بالمال

اور جہاد بالنفس۔ قرآن پاک نے بھی بار بار ان دو جہادوں کا ذکر کیا ہے: جاھدوا باموالکم وانفسکم۔

یہاں چونکہ ہمارا موضوع جہاد بالنفس ہے اور ہم جانتے ہیں کہ جان بہرحال مال سے عزیز تر ہے۔ چنانچہ جہاد بالنفس بھی جہاد بالمال سے افضل تر ہے۔ جو راہِ خدا میں مال نہ دے سکے وہ جان بھلا کیا دے گا؟ گویا جہاد بالنفس جہاد کی بلند ترین اور آخری منزل ہے۔ جہاد بالنفس کی بھی بہت سی قسمیں ہیں اور اس کا مطلب صرف جان قربان کر دینا ہی نہیں بلکہ اسلامی مقاصد کے حصول کے لیے ہمیشہ سربکف رہ کر سرتوڑ کوشش کرتے رہنا اور خوشنودی و رضائے خدا کے لیے اپنی زندگی سے بے پروا ہو کر اسلام کی سربلندی کے لیے جُٹے رہنا اس کا حقیقی مفہوم ہے ـــــ ورنہ:

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تعلیماتِ اسلامی کا سب سے بڑا ماخذ کلامِ الٰہی اپنی ایک آیۂ مبارکہ میں جہاد کی مختلف قسموں کو یوں جمع فرماتا ہے:

''یہ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کی راہ میں جو پیاس، تھکن بھوک کی مصیبت جھیلیں اور جس مقام کو روند کر اہلِ کفر کو غصّے میں ڈال دیں اور دشمن سے جو مقصد حاصل کرلیں تو ان سے ہر ایک چیز کے بدلے ان کے لیے عمل صالح لکھوائے گا۔ اللہ یقیناً محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا اور وہ جو چھوٹا بڑا انفاق کریں اور جو میدان قطع کریں ان کے عوض بھی عمل صالح لکھا جائے گا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے عمل کا بہترین بدلہ دے''۔

مذکورہ بالا سبھی قسمیں جانی جہاد کی ہیں۔ انہیں صرف زندہ شخص ہی ادا کرسکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس راہ پر چلتے ہوئے مجاہد کی جان چلی جائے اور وہ مرتبۂ شہادت پر

جائے۔ البتہ جہاد کا مقصد محض جان دینا ہی نہیں اعلائے کلمۃ الحق ہے۔ خواہ یہ کام ی جان لے کر ہو یا اپنی جان دے کر یا دونوں کو باقی رکھ کر یا پھر دونوں کو ختم کر کے۔

ل و جنگ

انہی سرتوڑ کوششوں میں سے ایک بڑی کوشش قتال اور جنگ بھی ہے اور مذکورہ بالا ت میں اسی کے تمام اجزاء کا بیان ہے۔ گویا قتال و جنگ جہاد کا اہم ترین پہلو بلکہ فردِ ہے۔ اسی لیے جہاد کا لفظ خصوصاً جنگ و قتال کے لیے بولا جانے لگا۔ وجہ یہ ہے کہ طرح شہید کا لفظ مقتول فی سبیل اللہ کے معنی میں اس لیے بولتے ہیں کہ فی سبیل اللہ ہونا سب سے بڑی شہادت یعنی عملی گواہی ہے۔ اسی طرح جہاد کو جنگ و قتال کے معنی استعمال کیا جاتا ہے کہ یہ جدوجہد اور سعی و کوشش کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

برائے دفاع

اسلام کا یہ موقف ہرگز نہیں کہ اسلام قبول کر کے ہر شخص کسی نہ کسی کافر سے لڑنا ع کردے اور نہ ہی اجتماعی طور پر کوئی ایسی پابندی اور ذمہ داری مسلمانوں پر قبولیتِ م سے عائد ہوتی ہے مگر اُس صورت میں کہ جب یہ ناگزیر ہوجائے اور انسانیت کے رین منصب کو حاصل کرنے کے لیے اس کوششِ بلند اور سعیٔ عظمیٰ کی نوبت آ جائے۔ جنگ یہ ہے کہ انسان میں دو طرح کی فطرتیں ودیعت کی گئی ہیں: ایک فطرتِ سلیمہ وسری فطرتِ سقیمہ۔ فطرتِ سلیمہ رکھنے والے حضرات جب معقولیت کی راہ اختیار تے ہیں تو فطرتِ سقیمہ رکھنے والے فطرتاً خطرہ محسوس کرتے ہیں اور خود ہی معقولیت الی گروہ پر جھپٹ پڑتے ہیں اور یوں معقولوں سے نامعقولوں کی جنگ شروع ہو جاتی معقولیت پسند نامعقولیت پسندوں سے ٹکر لینے پر مجبور تو ہوجاتے ہیں لیکن پھر بھی ی اقدار اور اخلاقی روایات کا دامن نہیں چھوڑتے۔ خیر و شر کی اس جنگ میں حق اور

باطل کا آمنا سامنا ہوتا ہے۔ انسانیت اور بربریت کا مقابلہ ہوتا ہے۔ چراغ اور شرار بالترتیب معقولیت اور نامعقولیت کے نمائندے بن کر میدانِ جنگ میں اُترتے ہیں۔ بقول اقبال: ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

اہلِ حق کا ناحق حملہ آوروں کے حملے کا معقولیت اور انسانیت سے جواب دینا ایسا حق ہے جس سے کوئی بھی معقول انسان انکار نہیں کرسکتا اور یوں مدافعانہ جنگ نہ صرف جائز قرار پاتی ہے بلکہ انتہائی ضروری ہوجاتی ہے۔ جس کے لیے نہ نکلنا بجائے خود ایک نامعقولیت اور جرم ہے۔ اسلام میں مدافعانہ اور جارحانہ جنگ و جہاد کی تقسیم قطعاً نہیں بلکہ یہ جنگ و جہاد شروع سے آخر تک مدافعت ہے جبکہ اہلِ کفر کا جارحانہ اقدام شروع سے آخر تک جارحیت ہے۔ یوں جہاد کفر کی جارحانہ کارروائیوں کے خلاف وہ مدافعانہ کوشش ہے جو ہر مومن پر بہرحال فرض ہے اور اس فرض کی ادائیگی میں ذرّہ برابر غفلت قابلِ قبول نہیں اور بروقت اقدام نہایت ضروری ہے۔

مختصراً اسلام میں مدافعت اور جارحیت دونوں ایسی صورتیں ہیں جو ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں اور جہاد یا جنگ و قتال محض ایک ہی مثبت حقیقت کا نام ہے اور یہ بھی ذہنِ عالی میں رہے کہ اُمت مسلمہ کا وجود امر بالمعروف نیز نہی عن المنکر کا بھی متقاضی ہے اور بسا اوقات جہاد کے لیے نہ اُٹھنا زمین پر فتنے اور فساد کا باعث بھی بنتا ہے۔ یوں جنگ امن کے لیے ناگزیر ہوجاتی ہے۔

جنگ اور اپنی طاقت کا استعمال ایک ایسی فطرت ہے جو زندگی کا حاصل ہے۔ دوا بیماری کے خلاف، تعلیم و تربیت جہالت و ناشائستگی کے خلاف، لباس و خوراک عریانیت اور بھوک پیاس کے خلاف جنگ ہیں۔ یعنی زندگی کے تمام مثبت کام اس کے منفی پہلوؤں کے خلاف جنگ ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ پوری کائنات نفی و اثبات اور ایجاب و سلب کی جنگ

تیجہ ہے۔ بالفاظِ دیگر اپنا بچاؤ اور تحفظ (اہلِ حق کے لیے) ہر مرحلے پر ایک فطری حق اور اس حق کا دوسرا نام جنگ ہے۔ تحفظ کی یہ صورت کبھی خاموش جنگ ہوتی ہے اور ی کھلی جنگ۔ اگر یہ جنگ فطرتِ سلیمہ کے مطابق ہے تو ایک فطری امر ہے اور اگر رتِ سلیمہ کے مطابق ہے تو اس سے بچنا بھی ایک جنگ ہے۔

جنگ کے دو رُخ ہیں جو جنگ کے مقصد اور نتیجے کے مطابق متعین ہوتے ہیں۔ ر اس کا مقصد قوم، ملک، نسل، انتقام یا زن، زر، زمین کا حصول ہے تو یقیناً اس سے بدتر کوئی م نہیں لیکن اگر اس کا مقصد خوشنودیٔ خدا، حق کی سربلندی، انسانیت کا فروغ اور اخلاقی وں کی حمایت ہو تو اس سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔ ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

"امکان بھر قوت اور پلے ہوئے گھوڑے میسر کرو جس کے ذریعے
اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمن کو خوفزدہ رکھو"۔

ی جنگوں اور غیر اسلامی جنگوں میں امتیاز

- اسلامی جہاد ایک بلند ترین نصب العین کے حصول کی سرتوڑ کوشش کا نام ہے۔ جب کہ غیر اسلامی جنگوں کا کوئی بلند مقصد نہیں ہوتا۔ غیر مسلم صرف ہوسِ ملک گیری، قومی برتری اور مفتوحہ علاقوں میں اضافہ کرکے لوگوں کو غلام بنانا چاہتے ہیں۔
- اسلامی جہاد کے تمام تر قوانین آدمیت کے احترام، شر اور فساد کے خاتمے، ترکِ تعدی و انتقام اور احتیاط و تقویٰ پر مشتمل ہیں۔ جب کہ غیر اسلامی جنگوں میں بوڑھے، بچے، عورتیں، بیمار سبھی بلالحاظ موت کے گھاٹ اُتار دیے جاتے ہیں اور غلبہ حاصل کرلینے کے بعد انتقام کی آگ اور بھڑک اُٹھتی ہے۔

ی آدابِ جنگ

- دشمنوں سے صرف اتنا بدلہ لیا جاسکتا ہے جتنا ظلم انہوں نے کیا ہو۔

- اگر صبر اور درگزر سے کام لیا جائے تو بہتر ہے۔
- کسی قوم کی دشمنی میں دائرۂ عدل سے باہر نہیں نکلنا چاہیے کیونکہ یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔
- اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
- خدا کے نافرمانوں سے اللہ کا نام لے کر فی سبیل اللہ جہاد کرنا چاہیے۔
- بدعہدی اور خیانت سے بچنا لازمی ہے۔
- لاشوں کا مثلہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔
- راہگیروں اور گوشہ نشینوں کو چھیڑنا منع ہے۔
- پھل دار درختوں کو کاٹنے کی ممانعت ہے۔
- عمارات کو گرانے کی اجازت نہیں۔
- عورتوں' بچوں' بوڑھوں' مریضوں اور غیر محارب آدمیوں سے سروکار نہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے خصوصی احکامات بھی ہیں جو فتحِ مکہ سے ماخوذ ہیں۔

اسلام سے پہلے فقط لوٹ مار اور خون ریزی کے لیے جنگ کی جاتی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مالِ غنیمت کی محبت دلوں سے نکال دی اور عورتوں' بچوں' بوڑھوں وغیرہ کے قتل سے منع فرمایا۔ آپؐ نے ہتھیار پھینک دینے والوں اور بھاگنے والوں کے تعاقب سے بھی روکا اور زخمیوں نیز قیدیوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

اسلامی جنگوں کی اجازت' وجوہات' نتائج اور اعداد وشمار

عہدِ نبویؐ میں قریش' یہود' منافقینِ اسلام اور اہلِ اسلام کے تین بڑے دشمن اور مفسد گروہ تھے جو علی الاعلان اور درپردہ ہر حال میں مخالفتِ اسلام اور مخالفتِ خدا و رسولؐ پر کمربستہ رہتے تھے' لہٰذا مجبوراً مسلمانوں کو ان سے جنگ (جہاد) کی اجازت دی گئی۔ پھر بھی جو جنگیں ہوئیں ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ قریش سے غزوۂ بدر' غزوۂ اُحد'

...زوۂ اَحزاب اور غزوۂ حنین لڑے گئے۔ یہود سے ہونے والی جنگوں میں غزوۂ بنوقینقاع' ...زوۂ بنونضیر' غزوۂ بنوقریظہ اور غزوۂ خیبر ہیں۔ ان میں سے غزوۂ بنوقینقاع اور غزوۂ بنونضیر ...ں مطلق خونریزی نہیں ہوئی اور مفتوحین نے بخوشی جلاوطنی منظور کرلی۔ رومیوں سے سریہ ...وتہ اور غزوۂ تبوک صرف دو معرکے ہوئے۔

مخالفین نے مسلمانوں کو ظالم و جابر ثابت کرنے کے لیے غزوات کی تعداد کو بڑھا ...ھا کر پیش کیا ہے حالانکہ مذکورہ بالا جنگوں کے علاوہ کسی جنگ کی کوئی حقیقت نہ تھی اور ...ورہ غزوات میں بھی کچھ جنگیں محض اسلامی دستوں کے بھیجے جانے پر مشتمل تھیں اور اُن ...بھیجنے کے مقاصد بھی غیر جنگی تھے۔ غزوۂ تبوک میں بھی کوئی لڑائی پیش نہیں آئی اسی ...ح غزوۂ سویق' حمراالاسد' غزوۂ بدر دوم' دومۃ الجندل' بنولحیان' غابہ ذات الرقاع وغیرہ ...بھی حضورؐ نے بنفسِ نفیس شرکت تو فرمائی مگر بغیر کسی لڑائی کے مسلمانوں کو ساتھ لے کر ...ں آگئے۔ سریات میں بھی چند ایک کے علاوہ کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ اس لیے ان کو بھی ...وں میں شامل کرنا مناسب نہیں۔ جو دستے تبلیغِ اسلام' تکمیلِ صلح' بت شکنی' رہزنوں ...تعاقب' جاسوسی' مخبری اور اس طرح کے دوسرے مقاصد کے لیے بھیجے گئے ان کا شمار ...جنگوں میں کرنا سخت ناانصافی اور مؤرخین کی غلط فہمی ہے۔

شیعہ اور سنی ہر دو مکاتبِ فکر کے صاحبِ نظر وفکر علما دشمنانِ اسلام کے اس ...ے کو غلط قرار دیتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ یہ ایک عظیم غلط فہمی ہے۔ حقیقی ...م تلوار سے ہرگز نہیں پھیل سکتا اور نہ ہی پھیل سکا۔ اتمامِ حجت کے لیے تمام غزوات ...مقتولین اور زخمیوں کی تعداد بھی ملاحظہ کیجیے دگرنہ جبر وتشدد کو اختیار کیا جاتا تو قیدیوں ...مقتولین کی تعداد بہت زیادہ ہوتی۔

...مسلمہ ہے کہ تمام غزوات میں مخالفین کے کُل قیدی ۶۵۶۴ اور کُل مقتول ۷۵۹ ...اور مسلمانوں کے کُل ۲۵۹ شہید اور صرف ایک ضعیف قیدی ہوئے۔

❁ ❁ ❁

جہاد گروہِ دانشمندانِ ایران کی نظر میں

اسلام میں جہاد اور دفاع

مسئلۂ جہاد کو اسلامی دستور میں ایک خصوصی حیثیت حاصل ہے۔ درحقیقت اس قسم کی شرائط کی عدم موجودگی میں ایک ترقی پذیر اور جامع نظام کی تکمیل ناممکن ہے۔ بعض ناآگاہ لوگوں کی جانب سے کی گئی غلط تعبیرات کے نتیجے کے طور پر اسلامی تعلیمات میں جہاد کی شمولیت کے خلاف بے حد معاندانہ پروپیگنڈا کیا گیا ہے اور دشمنانِ اسلام کو یہ کہنے کا موقع میسر آ گیا کہ اسلام تلوار اور طاقت کا دین ہے۔ حد یہ ہے کہ بعض معروف دانشور بھی اس بارے میں غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہیں۔ چنانچہ میکڈانلڈ نے اپنے دائرۃ المعارف میں بڑے وثوق کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ تلوار اور طاقت کے ذریعے اسلام ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔

البتہ جب جہاد کی حقیقت اور مقصد واضح ہو جائے تو پھر یہی نہیں کہ ان اعتراضات کا کھوکھلا پن عیاں ہو جاتا ہے بلکہ اسلامی تعلیمات کی گہرائی، پاکیزگی، تاثیر اور مختلف حالات میں بنی نوع انسان کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے ہم قارئین کی توجہ مندرجہ ذیل نکات کی جانب مبذول کرواتے ہیں۔

اسلام کی امن پسند پالیسی ناگزیر جنگ لڑنے میں مانع نہیں

جہاد کے لغوی معنی سعی اور کوشش کے ہیں۔ اسلامی مآخذ میں بھی یہ لفظ روحانی اور دنیاوی مقاصد کے حصول کی خاطر ہر قسم کی ذہنی، جسمانی، مالی اور اخلاقی کاوش کے معنوں

میں استعمال ہوتا ہے۔ تاہم اصطلاح میں اس کے معنی اسلامی نظام کی حفاظت اور ترقی کی خاطر مسلح جدوجہد کے ہیں۔ اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ وہ کون سے مواقع ہوتے ہیں جب اس طرح کی جدوجہد ضروری ہو جاتی ہے۔

ایسے شرپسند عناصر کے خلاف جنگ ضروری ہو جاتی ہے جو انصاف اور صداقت پر مبنی نظام کو اپنے مفادات کے لیے خطرہ سمجھتے ہیں اور اسے مٹانے پر تل جائیں۔ جب تک ایسے عناصر دنیا میں موجود ہیں سچائی اور انصاف کے حامیوں کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنے مقاصد اور ہستی کا دفاع کریں۔

دراصل اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں اور سماجی انصاف پر ایمان رکھنے والوں پر جنگ ان کی مرضی کے خلاف جبراً مسلط کر دی جاتی ہے۔ اسلام کے لیے ایسی صورتِ حال کو نظرانداز کرنا ممکن نہیں۔ البتہ اسلام کی امن پسندانہ روح اور جارحیت و مقاومت نیز ناانصافی سے اجتناب برتنے والوں سے معاملہ کرتے ہوئے طاقت کے استعمال سے احتراز قرآن مجید کے متعدد مندرجات سے واضح ہے:

> ”جو لوگ دین کی بنا پر تم سے نہیں لڑتے اور جنہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تمہیں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا۔ بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تمہیں فقط یہ حکم دیتا ہے کہ جو لوگ تمہارے خلاف دین کی بنا پر لڑے اور جنہوں نے تمہیں گھروں سے نکالا اور جنہوں نے تمہیں نکالنے میں دوسروں کی مدد کی تم اُن سے دوستانہ تعلقات نہ رکھو اور جو لوگ ان سے دوستی پیدا کرتے ہیں، وہ انصاف کرنے والے نہیں ہیں“۔

ایک اور مقام پر قرآنِ مجید صاف فرماتا ہے کہ اگر دشمن ہتھیار ڈال دیں اور صلح

جوئی کا عندیہ ظاہر کریں تو مسلمانوں کو ان سے مخاصمت کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

"اگر وہ تم سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں اور تم سے جنگ کرنے سے اجتناب برتیں اور تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان کے خلاف جارحیت کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں چھوڑی"۔

ایک اور آیت میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت فرمائی گئی ہے:

"اگر دشمن صلح کی جانب مائل ہوں تو تم بھی صلح کی جانب مائل ہوجاؤ"۔

دنیا میں شاید کوئی اور ایسا مذہب نہیں ہے جس نے ایسے واشگاف الفاظ میں اپنے صلح جویانہ ارادوں کا اظہار کیا ہو۔ تاہم اسلام کی امن پسندی کا یہ مطلب نہیں لینا چاہیے کہ اگر کچھ لوگ بنی نوع انسان کی کثیر تعداد کو نوآبادیاتی نظام میں جکڑ لیں یا بت پرستی پر مجبور کریں تو مسلمانوں کو ان کے خلاف کارروائی کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا یا یہ کہ اگر خود مسلمانوں پر حملہ ہوجائے تو وہ امن پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاموش تماشائی بن کر اپنی قوم کی تباہی و بربادی کا منظر دیکھتے رہیں (لیکن افسوس کہ آج دنیا بھر کے مسلمان یہی کچھ کررہے ہیں۔)

جہاد فی سبیل اللہ اور اس کے مقاصد

اسلامی مآخذ میں عموماً جہاد کا لفظ فی سبیل اللہ کے الفاظ کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نفسانی خواہشات کی تکمیل، مملکت میں توسیع، خسروانہ عزائم، مالِ غنیمت کی دستیابی اور ایسے ہی دوسرے مقاصد کے لیے جہاد کرنا بے معنی ہے۔ جہاد کا مقصد ہر حالت میں خوشنودیٔ خدا ہونا چاہیے اور اس میں ذاتی مادّی اور خودغرضانہ مفادات

کی ملاوٹ قطعی طور پر ناجائز نہیں ہے۔

اسلامی جہاد کے مقاصد کا خلاصہ مع مخالفوں کے اعتراضات کے جوابات

صحیح نظام کے وجود کا دفاع

اسلامی جہاد کا اہم ترین مقصد حق و انصاف کے الٰہی نظام کا دفاع اور اس کے نمایاں خدوخال کی نگہداشت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اکثر و بیشتر جنگیں اسی مقصد کے لیے لڑی گئیں۔ قرآن مجید بالصراحت فرماتا ہے:

"جن لوگوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا گیا انہیں لڑنے کی اجازت دی گئی ہے کیوں کہ اُن کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے اور یقیناً اللہ اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے، وہ جنہیں ان کے گھروں سے بلاجواز نکال دیا گیا، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا معبود ہے اور اگر اللہ بعض لوگوں کو دوسروں کے ذریعے پسپا نہ کردیتا تو بلاشبہ خانقاہیں اور یہودیوں کے معبد اور مجوسیوں کے خلاف اور مسجدیں جہاں اکثر اللہ کا نام لیا جاتا ہے ویران ہوگئی ہوتیں"۔

لہٰذا جب کبھی مسلمانوں کی ملّی حکومت آزادی اور سالمیت کو خطرہ لاحق ہوجائے ان پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ دشمنوں کے مقابلے میں صف آرا ہوجائیں اور آخری دم تک اپنا دفاع کریں۔ یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ اس آیتِ مبارکہ میں تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کا ذکر کیا گیا ہے جو بجائے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔ البتہ اس حقیقت کو بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اسلام بت پرستی کو قطعاً برداشت نہیں کرتا۔ وہ تو بت پرستی کو کوئی مذہب ہی نہیں سمجھتا اور نہ ہی بت خانوں کو عبادت خانوں کا رتبہ دیتا ہے۔ اسی کی نگاہ میں بت پرستی محض وہم، جھوٹ، فکری گراوٹ اور ایک ایسی بیماری ہے

جس کا جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے بت خانوں کو برباد کردینے کی اجازت دی ہے۔

◆ مخالف عناصر سے جنگ

ایک نئے نظریئے سے ایک آسمانی نظام کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اسے تبلیغ کی آزادی میسر ہو اور فطری انداز سے وعظ و نصیحت کے ذریعے پھیل سکے۔ اگر چند عناصر مثلاً بت پرست اس نئے نظریے کو اپنے ناجائز مفادات کے لیے خطرہ سمجھتے ہوئے اس کی مخالفت پر اُٹھ کھڑے ہوں اور اس کی اشاعت کو روکنے اور لوگوں کو گمراہی میں مبتلا رکھنے کی کوشش کریں اور اس کشمکش کا کوئی پُرامن حل ممکن نہ ہو تو اسلام مسلمانوں کو ایسے عناصر کے خلاف جنگ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

تاریخ اسلام کے ابتدائی دور کی کچھ جنگیں جن کی جانب مذکورہ بالا قرآنی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے اس نوعیت کی تھیں۔ چنانچہ اسلامی جہاد کا ایک اور مقصد تبلیغ کی آزادی اور حقیقی نظام کا فطری پھیلاؤ ہے۔

◆ ناانصافی اور فساد سے مبارزہ

اسلام ناانصافی اور فتنہ و فساد کا جانی دشمن ہے اور ان سے کوئی سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں' لہٰذا جب ان برائیوں کے سدباب کا کوئی پُرامن راستہ باقی نہ رہے تو وہ ان کے خاتمے اور بے کس لوگوں کو مکہ کے سودخور ظالموں کے چنگل سے نجات دلانے کے لیے جہاد کی اجازت دیتا ہے۔ بلاشبہ اسلام نے ابتداء میں جو لڑائیاں لڑیں ان کی ایک نوعیت یہ بھی تھی۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"ان بے کس مردوں' عورتوں اور بچوں کی خاطر فی سبیل اللہ جہاد

کیوں نہیں کرتے ہو جن پر تشدد کیا گیا ہے اور جو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں: یاپروردگار! ہمیں اس مسکن سے نجات دلا جس کے باشندے ظالم و جابر ہیں اور اپنی رحمت سے ہمارے لیے اپنی طرف سے ایک محافظ اور معاون بھیج"۔

◆ جہاد کے لیے آمادگی

جب تک بین الاقوامی تعلقات میں جبر اور قوت کا راج ہے اور اسلامی معاشرے کے دشمنوں کے حملے کا امکان موجود ہے اسلام مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے دفاع کے لیے پوری طرح تیار رہیں۔ قرآن مجید نے اس بارے میں واضح ہدایات دی ہیں اور ایک مختصر لیکن جامع جملے میں اس موضوع پر بھی کچھ فرما دیا ہے:

"اور تم ان (دشمنوں) سے مقابلہ کرنے کے لیے جس قدر قوت فراہم کرسکتے ہو' کرو"۔

گو جنگی ساز و سامان کی فراہمی کے اخراجات کو بہت کم پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور انہیں غیر ترقیاتی تصور کیا جاتا ہے لیکن اسلام بوقتِ ضرورت نہ صرف یہ کہ ان اخراجات کو ضروری خیال کرتا ہے بلکہ انہیں مالی جہاد کا نام دیتا ہے ـــــ تاہم فوجی تیاریوں اور جنگی ساز و سامان کی فراہمی کے ذریعے دنیا سے جنگ اور جارحیت کا قلع قمع کرنا ممکن نہیں۔ بلاشبہ یہ تیاریاں ضروری ہیں اور ان کا دفاعی پہلو بھی ہے لیکن یہی تیاریاں بعض اوقات جنگ کے امکانات کو وسیع تر کردیتی ہیں۔ اس بنا پر اسلام یہ تجویز کرتا ہے کہ دائمی امن کے حصول کے لیے بنیادی ذریعہ ایمان اور اخلاق کو مضبوط کرنا ہے۔

"اے ایمان والو! تم سب امن میں داخل ہو جاؤ"۔

اس سے مراد یہ ہے کہ صلح اور امن سے مستفید ہونے کا واحد راستہ یہی ہے کہ سب لوگ ایمان' نیکی اور اللہ کی حاکمیت (اعلیٰ) کے اقرار کی مملکت میں داخل ہو جائیں ـــــ

یہی وہ مملکت ہے جس میں داخل ہونے والے ہر شخص پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے مفادات کی طرح دوسروں کے مفادات کا بھی خیال رکھے۔ اور جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے وہ دوسروں کے لیے بھی کرے اور جس شے کو اپنے لیے پسند کرتا ہو اُسے دوسروں کے لیے بھی ناپسند کرے۔ یہی وہ مقام ہے جس پر اللہ کی راہ میں اور اسی ذات پاک کی خاطر بربادی اور ایثار کو بہترین انسانی فضائل سمجھا جاتا ہے۔

دشمن سے معاملہ کرتے ہوئے انسانی قواعد وضوابط کی پابندی

اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی شخص کا دشمن ہونا اس امر کی کافی دلیل ہے کہ اس کے ساتھ ہر قسم کی زیادتی اور غیرانسانی سلوک روا رکھا جائے۔ تاہم اسلام اپنی مفصل، عادلانہ اور پائیدار تعلیمات کے ذریعے اس بارے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا کہ انسان کو دشمن سے تصادم کے سلسلے میں انسانی حُسنِ عمل کے قواعد وضوابط کی حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان قواعد سے معمولی سا انحراف بھی اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی خلاف ورزی کے مترادف ہے۔

اسلامی لشکر اور مجاہدین کے میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں مندرجہ ذیل واضح ہدایات دیا کرتے تھے جن سے اسلام کے صلح جویانہ مزاج اور آنحضرتؐ کی بے مثال بصیرت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے:

"اللہ کا نام لے کر بڑھو اور اُسی سے مدد طلب کرو۔ اُسی کی خاطر اُس کے احکام کے مطابق جنگ کرو"۔

اسلام جنگ کے غیراسلامی طریقوں مثلاً شب خون، جراثیمی جنگ، مویشیوں، فصلوں اور باغات کو نذرِ آتش کرنے اور غیرمسلح افراد کو قتل کرنے یا تکلیف پہنچانے کی ممانعت کرتا ہے۔ جنگ کے اسلامی قواعد وضوابط میں بار بار ہدایت کی گئی ہے کہ مسلمان پہلا تیر ہرگز نہ چلائیں اور نہ ہی حملے میں پہل کریں۔ دوسرے الفاظ میں جب تک اُن پر

حملہ نہ کیا جائے وہ دشمن پر حملہ نہ کریں اور جارحانہ کے بجائے مدافعانہ جنگ لڑیں۔

حضرت علیؑ کا طریقِ جنگ

روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ امیرالمومنین امام علی علیہ السلام ہدایات دیا کرتے تھے کہ اس امر کی کوشش کرنی چاہیے کہ جنگ دوپہر سے پہلے شروع نہ ہو اور اگر ممکن ہو تو اسے سہ پہر تک ملتوی کر دیا جائے۔ مراد یہ تھی کہ جنگ کے آغاز کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو سورج ڈوب جائے۔ چونکہ مغرب کے بعد جنگ عموماً بند کر دی جاتی ہے یوں کم سے کم کشت وخون ہو۔

پیشوایانِ اسلام نے جنگی قیدیوں سے سلوک کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں یہ اس امر کا ایک اور بین ثبوت ہیں کہ اسلام کی رو سے دشمن کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے انسانیت کے مطابق حسنِ سلوک کی تاکید کی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے انہیں وہی خوراک دی جائے جو مسلمان خود استعمال کرتے ہوں۔

❁ ❁ ❁

ترویجِ جہاد مع کمالِ علیؑ

یہ پیمبرؐ کی عنایت وہ خدا کا افضال
سمجھے وہ حور کا آغوش زمینِ مقتل

شاخ سے نیزہ کی فردوس کے میوے توڑے
مِل گیا چھاؤں میں تلواروں کی جنت کا محل

دوشِ احمد پہ قدم رکھ کے بتوں کو توڑا
اور دی خانۂ کعبہ میں اذاں پہلے پہل

بت پرستی کو زمانہ سے مٹایا تو نے
ٹھوکروں ہی میں رہا جب سے سرِ لات وہُبل

(سید علی حیدر نظم طباطبائی)

معیارِ جہاد

رسولؐ خدا کا ارشاد گرامی ہے: ”تمام خیر وخوبی تلوار کے سائے میں ہے اور لوگ تلوار کے ذریعے ہی سیدھے رہتے ہیں“۔

”اور جنت اور جہنم کی چابیاں تلواریں ہیں“۔

”جہاد ابوابِ جنت میں سے ایک باب ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنے خاص دوستوں کے لیے کھولا ہے“۔

حضرت اباعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: ”واجبات میں سے سب سے افضل جہاد ہے“۔

ایک اعرابی رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپؐ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: اپنے والد کو قتل کرے گا؟ اس اعرابی نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ رسولؐ خدا لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے گفتگو شروع کر دی۔ اس اعرابی نے دوبارہ یہ کلمات دہرائے: میں آپؐ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ رسولؐ خدا نے دوبارہ وہی فرمایا۔ اس اعرابی نے دوبارہ اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ پس رسولؐ خدا نے دوبارہ لوگوں کی طرف رخ کیا اور ان سے گفتگو شروع کر دی۔ پھر اعرابی نے وہی کلمات دہرائے تو آپؐ نے فرمایا: اپنے والد کو قتل کرے گا۔ اس اعرابی نے عرض کیا: ہاں۔ پس آپؐ نے اس سے بیعت لے لی اور فرمایا: اب تو خدا کے اس فرمان کے تحت (اسلام میں) داخل ہوا ہے۔ (سورۂ توبہ آیت ۱۴)

”ان سے (بے خوف وخطر لڑو) خدا تمہارے ہاتھوں سے ان کی سزا کرے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر فتح عطا کرے گا اور ایمان داروں کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا اور ان مومنین کے دل کی کدورتیں جو (کفار سے) پہنچی ہیں دفع کر دے گا“۔

علیؑ کی تلوار کی تعریف قرآن میں

"اور ہم نے لوہے کو نازل کیا جس کے ذریعے سے سخت لڑائی اور لوگوں کے بہت سے نفع کی باتیں ہیں اور پنہاں ہے کہ اللہ اور اس کے انبیاءؑ کی مدد کون کرتا ہے' اللہ قوی وعزیز ہے"۔

تاریخ طبری میں ہے:

"ذوالفقار جنگِ اُحد میں حضرت علیؑ کے واسطے آسمان سے نازل ہوئی اور اس کی مدح میں جبرئیلؑ نے لافتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار کی ندا بلند کی تھی"۔

مولانا ولی اللہ فرنگی محلی لکھنوی کے مطابق:

"بعض علما نے حدید سے مراد اس شمشیر کو لیا ہے جس کا نام ذوالفقار ہے جو حضرت رسول کریمؐ نے حضرت علیؑ کو مرحمت فرمائی تھی تاکہ وہ اس سے دشمنوں سے جنگ کریں"۔ (تفسیر معدن الجواہر)

❁❁❁

علیؑ کے گھوڑے کی تعریف قرآن میں

"مجھے دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی قسم! مجھے اُن کے پاؤں سے اُڑتی ہوئی چنگاریوں کی قسم! جنھوں نے صبح کے وقت حملہ کیا' غبار اُڑایا اور دشمن کی صفوں میں گھس گئے"۔

تاریخ طبری' حبیب السیر اور معارج النبوۃ میں ہے کہ یہ آیات حضرت علیؑ کے ذات السلاسل کو فتح کرنے کے موقع پر نازل ہوئیں۔ پیغمبرؐ اسلام فتح کی خبر سن کر خوش علیؑ کی پیشوائی کو باہر نکلے۔ جب حضرت علی پر نظر پڑی تو فوراً گھوڑے سے اُتر اور فرمایا:

"اے علیؑ! اگر مجھے اُمت کے گمراہ ہونے کا خوف نہ ہوتا تو میں تمہارے بارے میں وہ بات کہتا جس سے لوگ تمہاری خاکِ پا کو بطورِ خاکِ شفا لے جاتے"۔

❁❁❁

باب دوم

شجاعتِ علی کرم اللہ وجہہ

اہلِ سنت کے نقطۂ نظر سے

مشمولات

- علیؑ معاہدہ صلح امن کے راقم
- حیدرؑ صفدر فاتحِ خیبر
- اب علَم حیدرِ کرّار کو ملتا ہے
- ذوالفقارِ علیؑ کا کیا کہنا!
- حضرت علیؑ کا مرحب سے محاربہ
- خیبر شکن علیؑ
- فتح مکہ اور حضرت علیؑ
- علیؑ کا معرکۂ حنین و طائف و طَے
- غزوۂ تبوک اور علیؑ بمثلِ ہارونِ موسیٰؑ
- حضرت علیؑ کی غزوات و سرایا میں مجموعی کارکردگی
- علیؑ، ممتازِ مغازی
- علیؑ، اسلامی لشکروں کے سپہ سالار
- امام برحق کا معیارِ شجاعت
- علیؑ حق ہے
- اقبال اور زورِ حیدری و کرّاری

حضرت علیؑ کی پرورش اور تربیت

جنابِ ابوطالبؑ مکہ کے سرداروں میں خاصے مال دار اور مقبول تھے۔ تجارت
ان کو نیک نامی اور ایک خاص مقام حاصل تھا۔ وہ اپنے خاندان کی ہاشمی وجاہت
کفالت کرتے رہے۔ ان میں سامی النسل عرب ہونے کے باعث ایک خاص
ان اور روایتی رکھ رکھاؤ موجود تھا' لہٰذا اُنھوں نے اپنی اولاد کی پرورش میں بھی
نہ چھوڑی...... گمان غالب ہے کہ حضرت علیؑ نے بچپن میں پوری ہاشمی شان و
سے زندگی گزاری۔ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت بھی اس معیار کے مطابق ہوئی کہ
ہاشم کی موروثی روایت تھی۔ آپؑ نے بچپن میں تمام معصوم مشاغل میں حصہ لیا
ب بچپن سے جوانی (لڑکپن' نوجوانی) میں داخل ہوئے تو اس وقت عام ہاشمیوں
نہوں نے بھی محنت' طاقت اور مہارت کے مشاغل اختیار کیے۔ انہوں نے کشتی'
نیزہ بازی اور اسی وضع کے (دوسرے) فنون میں باقاعدہ دلچسپی لی۔ پھر جب
شانۂ نبویؐ کی سرپرستی حاصل کی تو آہستہ آہستہ محسوس کرنا شروع کردیا کہ قوت
ہونا بھی ایک ضروری امر ہے...... پھر انہیں اپنے عہدِ شباب میں مسلمانوں کی
ت کے تقاضوں کا شدت کے ساتھ احساس ہونے لگا۔

ائے اسلام میں مسلمانوں کو جن مشکلوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا اور جس
چھپ کر عبادات کرنا پڑیں' اس حوالے سے بھی ان میں زندگی کے بارے
انہ رویہ پیدا ہونے لگا۔ باطناً اسلام کی وادیٔ امن و سکون اور فضائے عافیت
کے ساتھ ساتھ ظاہراً تمام کفار حتیٰ کہ رشتہ داروں اور اہلِ قرابت کی شدید

دشمنی کا سامنا کرنا پڑتا۔

اہلِ مکہ اور کفارِ قریش نے بنی ہاشم کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ شعب ابی طالب میں محصور اور مقید رہنے پر مجبور کر رکھا تھا تو یہ مسلمانوں پر بڑا کٹھن اور مشکل وقت تھا جس میں انہیں شدید آزمائشوں اور مشکلوں کو برداشت کرنا پڑا۔ البتہ دوسری طرف نبی اکرمؐ اور آپؐ کے جانثاروں کا یہاں جبری قیام اُنھیں اہلِ قبیلہ سے لاتعلقی نیز کئی طرح کی محرومیوں اور کمیوں کی صورت سے آشنا کرانے کے سلسلہ میں ایک نعمت ثابت ہوا اور یوں مسلمان آلام و مصائب کے خوگر بن گئے نیز ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر بدرجۂ اتم قربت' اُلفت اور محبت کے جذبوں سے روشناس ہوئے۔ اِن دوران میں تمام محصور مسلمانوں میں سے نوجوان' توانا اور مستعد حضرت علیؑ ہی تھے۔ وہ ہر طرح کا کام کرنے میں ہمیشہ پہل کرتے تھے۔ نوجوانی کی ترنگ' جذبۂ خدمت کی اُمنگ اور ایثار و قربانی کی نیت سے حضرت علیؑ محنت و مشقت اور طاقت و توانائی والے ہر کام کے کرنے میں ایک طرح کی مسرت محسوس کرتے تھے۔ اس پر مستزاد وہ کسی امر کی بجا آوری کے لیے ہر طرح کی مشکل کو برداشت کرسکتے تھے۔ مشکل کے وقت وہ نہ صرف بدخواہ دشمن کا مقابلہ کرسکتے تھے بلکہ دشمن پر غالب آنے کی اہلیت و قدرت بھی رکھتے تھے۔

اللہ کے رسولؐ کی سرپرستی و نگہبانی اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت حمزہؓ ایسے بزرگوں کی ہمہ وقت معیت اور موانست آپؑ کے لیے بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھانے کے لیے اچھی مثال تھی۔

شیرِ خدا کو بہادری اور شجاعت کے ساتھ ساتھ کئی اور اوصاف اپنے والدِ محترم جناب ابوطالبؑ سے ورثہ میں بھی ملے تھے۔ جناب ابوطالبؑ خود بڑے خطیب' شاعر' معاملہ فہم اور نقطہ رَس انسان تھے۔ اُن میں ایک اچھے تاجر کے اوصاف بھی بدرجہ اتم موجود تھے اور ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ بہادری اور شجاعت میں بھی بے مثال تھے۔ یہی وجہ

…نھوں نے ایک موقع پر جناب رسولِ خدا سے کہا تھا: اے بھتیجے! تمھیں پوری آزادی …تم اپنے دین کی تبلیغ اور ترویج کرتے رہو' کوئی دشمن تمہارا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ یہ …ب ابوطالبؑ کے اوصاف ہی کی وراثت تھی کہ حضرت علیؑ نے عبداللہ بن ابی کو اس کے …کہہ دیا تھا: ''اے عبداللہ! تمہاری باتوں میں نفاق اور منافقت ہے' تمہاری زبان پر …اور ہے اور دل میں کچھ اور''۔

جناب ابوطالبؑ نہایت مہمان نواز' فیاض اور انصاف پسند ہاشمی تھے' دوسروں کے …کچھ کر کے وہ خوشی محسوس کرتے تھے۔ آپ محنت و مشقت کی زندگی کے دلدادہ تھے اور …یہی اوصاف حضرت علیؑ میں موجود تھے۔ آپؑ بھی (اپنے والدِ محترم کی طرح) …ک' نڈر اور حق کی بات کہہ دینے میں کوئی عار محسوس نہ کرنے والے تھے اور اس کے …ساتھ ہر طرح کے امور و فرائض کی ذمہ داری بڑی دانش مندی سے محسوس کرتے

…ت کی شب اور حضرت علیؑ

حضرت علیؑ مزاجاً اور طبعاً محنتی' ایماندار' ہمدرد' مخلص' راست باز' ذمہ دار' بہادر اور …وف انسان تھے۔ وہ مشکلات سے ہرگز نہیں گھبراتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہجرت کی …جب اللہ کے نبیؐ نے مکہ سے مدینہ جانا چاہا تو پورے اعتماد و وثوق کے ساتھ حضرت کو …بستر پر سلا گئے۔ اس وقت حضرت علیؑ کی عمر بائیس تیئس سال سے زیادہ نہ تھی لیکن …ی جرأت اور جسمانی طاقت اُن میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ کسی حملہ یا نرغہ میں …جانے پر وہ اپنا دفاع کرنے کی بھرپور ہمت اور طاقت رکھتے تھے۔ چنانچہ جب کفار …میں لگے ہوئے تھے اور اپنی تلواریں لیے دروازے پر کھڑے تھے۔ اسد اللہ اس …وقت میں بھی حضور نبی کریمؐ کے بستر پر آنحضرتؐ کی سبز چادر اوڑھے بے خوف و …سے تھے اور پھر جب صبح کفارِ قریش سے سامنا ہوا تو انہوں نے کسی قسم کی کمزوری

ظاہر کیے بغیر کفار کو برانگیختہ کردینے والا جواب دیا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔

حد تو یہ ہے کہ علیؑ ان بپھرے ہوئے دشمنوں کی خون آشام تلواروں کے سائے میں تین دن مزید مکہ میں رہے اور اس دوران میں مکہ کے لوگوں (کافروں) کی جو امانتیں نبی اکرمؐ کے پاس رکھی ہوئی تھیں وہ اہلِ امانت کے سپرد کیں اور پھر مدینہ کی جانب ہجرت کا قصد کیا۔ اس وقت بھی علیؑ کڑی آزمائش سے گزر رہے تھے۔ اُن کے ہمراہ حضرت اُم ایمنؑ اُن کے لڑکے، ضعیف و بے سہارا مومنین اور کم سن بچوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ اس مختصر قافلے کے ساتھ علیؑ صرف رات کے وقت سفر طے کرتے اور صبح کے وقت پوشیدہ ہوجاتے۔ مسلسل سفر کرنے کے سبب آپؑ کے پاؤں پھٹ گئے۔ کئی دنوں کی مسافت کے بعد جب علیؑ مدینہ میں قبا کے مقام پر پہنچے تو سرورِ عالمؐ نے آگے بڑھ کر اُنھیں گلے سے لگا لیا۔ علیؑ کے متورم پاؤں دیکھ کر حضورؐ کو ترس آ گیا اور آپؐ آبدیدہ ہوگئے۔ پھر اپنا لعابِ مبارک علیؑ کے پاؤں پر لگایا جس سے پائے علیؑ بالکل اچھے ہوگئے۔

مدینہ میں ابتدائی حفاظتی اقدام

سرورِ کائناتؐ نے مدینہ پہنچ کر ایک عالمی قومیت کا تصور دیا اور کفارِ مکہ کے ظلم وستم سے اس قومیت کو تحفظ دینے کی ہر ممکن کوشش کی۔ آپؐ کفارِ مکہ آئندہ ہونے والی جنگی کارروائیوں سے بے خبر نہ تھے۔ کفار تو ہجرتِ حبشہ میں بھی مسلمانوں کا تعاقب کر چکے تھے اور اب ہجرتِ مدینہ سے تو قطعاً درگزر نہیں کر سکتے تھے۔ ایک طرف مکہ میں ابوسفیان مسلمانوں پر کاری ضربیں لگانے کے منصوبے بنا رہا تھا تو دوسری طرف مسلمان حفاظتی تیاریوں میں مصروف تھے اور حضور نبی اکرمؐ کی ہدایت و نگرانی میں کسی بھی متوقع حملے سے بچنے کے لیے کئی طرح کے اقدامات کیے جا رہے تھے۔ اس موقع پر مسلمانوں کی فوجی تنظیم و تربیت پر توجہ دی اور عسکری انتظامات کرنا شروع کر دیئے گئے تھے۔ حضرت علیؑ بھی اس عسکری تربیت دینے اور لینے میں مصروف رہے۔ یوں ہجرت مدینہ کے چند ماہ بعد تک

ان اپنا دفاع کرنے کی اہلیت پیدا کر چکے تھے۔ مدینہ کے یہودیوں کو ساتھ ملانے اور ں کو ساتھ ملانے کی کوششیں بھی کی گئیں۔ اسی اثناء میں قریش کے ایک طاقتور فرد رز بن جابر فہری نے مدینہ کی بیرونی چراگاہ پر حملہ کر کے کچھ مویشی قبضہ میں لے لیے تو سلمانوں نے اس چھوٹی سی کارروائی کو بھی محسوس کیا اور حضورؐ کی ہدایت کے مطابق اس ن کا تعاقب کیا مگر وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔

م جہاد اور دفاعی کوششیں

یہ وہ عہد تھا جب مسلمان تاریخی اور عملی حیثیت سے اُبھر رہے تھے۔ اللہ رب زت نے اُن کی عزت کے تحفظ اور آبرو میں اضافے کے لیے جہاد اور قتال کا حکم افرما دیا کہ:

> ’’جن مسلمانوں سے جنگ کی جائے انہیں بھی جنگ کی اجازت دی جاتی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم کیے گئے۔ اللہ ان کی مدد کی قدرت رکھتا ہے۔ ان کو صرف اس جرم میں کہ یہ اللہ کو اپنا رب مانتے ہیں ان کے دیس سے نکالا گیا‘‘۔

اس امرِ ربانی کے ساتھ ہی نبی معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو ت مرحمت فرما دی کہ اللہ کے راستے میں اللہ کے نافرمانوں سے جہاد کرو اور بدعہدی انت نہ کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ’’کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل سے باہر نہ لے جائے۔ عدل کرنا ہوگا کیونکہ یہی تقویٰ سے قریب تر ہے‘‘۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں قیام کے آغاز ہی میں د کے ساتھ امن وسلامتی کا معاہدہ (میثاقِ مدینہ) فرمایا۔ اب مسلمانوں کو صرف کفار کی ب سے خطرہ تھا کہ کسی روز اچانک حملہ آور نہ ہوجائیں۔ اس خطرے کے سبب اہل

اسلام پر دن کا چین اور راتوں کی نیندیں حرام تھیں۔ مسلمان شب خون کے ڈر سے ہتھیار باندھ کر سوتے اور دستوں کی صورت میں حفاظتی گشت کیا کرتے تھے۔ ان حفاظتی سرگرمیوں میں حضرت علیؑ کی خدمات پیش پیش تھیں۔

علیؑ لوا بردارِ نبیؐ

مکہ کے ایک رئیس کرز بن جابر فہری کے مذکورہ قبل حملے (شب خون) اور چراگاہ کے نگران حضرت ذر کو قتل کر کے اُونٹ اور بکریاں ہکا کر لے جانے کی اطلاع پر پیغمبر اکرمؐ نے دو سو مسلمانوں کے ساتھ اس کا تعاقب کیا اور اس غزوہ میں اپنا پرچم (لوائے نبویؐ) حضرت علیؑ کے ہاتھ میں دیا۔ لوا وہ جھنڈا ہوتا تھا جو نیزے کے ساتھ باندھ لیا جاتا تھا اور یہ بھی روایت تھی کہ لوا با اعتماد شخص کو عطا کیا جاتا تھا۔ گویا اسلام کے سب سے پہلے غزوے میں لوائے نبویؐ کو لہرانے اور اس کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری رسولِ مکرمؐ نے حضرت علیؑ کو عطا کی۔ دشمن کا تعاقب کیا گیا' لیکن وہ بھاگ گیا۔ اس دوران میں پرچمِ اسلام علیؑ کے ہاتھ میں لہراتا اور بلندیوں کو چھوتا رہا۔

غزوۂ بدر میں کردارِ علیؑ

کرز بن جابر فہری کی اس مخاصمانہ شرارت سے مسلمانوں پر واضح ہو گیا تھا کہ قریش مکہ مسلمانوں کو مدینہ میں بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ عبداللہ بن ابی کی منافقانہ چالیں بھی کھل کر سامنے آ چکی تھیں۔ نیز مسلمانوں نے قریش کے تجارتی راستوں کی ناکہ بندی اور مزاحمتی کارروائیوں سے جس قوت کا اظہار کیا تھا اس سے کفارِ مکہ سخت ناراض تھے۔ ابوسفیان کے قافلے کے تعاقب نے انہیں اور بھی آتش پا کر دیا' لہٰذا کفارِ قریش نے جلد ہی مدینہ پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اس مقصد سے مکہ میں بھاری رقم جمع کی گئی۔

...ب بردار

جب مسلمانوں کو قریش کے حملے کی پیشگی اطلاعیں ملنے لگیں اور حملے کا یقین ہو گیا ...ور نبی کریمؐ اپنے ساتھیوں سمیت مدافعت کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ اس مدنی ...کے آگے آگے دو سیاہ پرچم تھے۔ مہاجرین کا پرچم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا جس کا ...اب تھا۔ انصار کا علم سعد بن معاذ بلند کیے ہوئے تھے اور رایت مصعب بن عمیر نے ...ر کیا تھا۔

...کم سامان لشکرِ اسلام روزہ سے تھا۔ سواری کے لیے ۷۰ اُونٹ اور صرف دو ...ے تھے۔ تین تین آدمی ایک ایک اُونٹ پر بیٹھتے تھے۔ حضرت علیؑ' ابولبابہ اور زید بن ...حضور نبی کریمؐ کے شریکِ مرکب تھے جو حضورِ رسالتؐ میں بار بار خود پیدل چلنے اور ...رت کو سوار رہنے کی درخواست کر رہے تھے لیکن آپؐ نے فرمایا:

''نہ تم پیادہ روی میں مجھ سے زیادہ طاقت ور ہو اور نہ میں ثواب حاصل کرنے ...ے نیاز ہوں''۔

کفارِ قریش کا لشکر ۱۶ رمضان المبارک کو بدر کے میدان میں پہنچا۔ حضرت علیؑ اس ...فر خود بھی دشمن کی پیش قدمی اور حرکات و سکنات کے بارے میں معلومات حاصل ...رہے تھے۔ اس وقت مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے آنحضرتؐ نے حضرت ...ہمراہ زبیر اور سعد کو روانہ فرمایا۔ یوں کفار اور اُن کے جنگی ارادوں کے بارے میں ...ومات حاصل ہو گئیں۔

میدانِ بدر مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل دور یمن اور شام کی تجارتی شاہراہ پر ...وی شکل کا میدان ہے جو چاروں جانب سے ٹیلوں اور پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ ...کر سالارِ اعظمؐ نے جنگ کے لیے موزوں ترین مقام کا انتخاب فرمایا۔ اس وادی ...ے پانی کے جتنے چشمے تھے ان پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ مسلمان لشکریوں کی تعداد

دشمنوں پر وار کرتے تھے۔

"علیؑ شیرِ خدا نے صفوں کی صفیں اُلٹ دیں اور ذوالفقارِ حیدری نے چمک چمک کر اعلائے اسلام کے خرمنِ ہستی کو جلا دیا اور مشرکین کے پاؤں اُکھڑ گئے...... اس طرح مسلمان منصور و مظفر ٹھہرے۔

اس معرکہ میں مجاہدِ اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفسِ نفیس بھی شمولیت فرما رہے تھے۔ اس موقع پر حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

گھمسان کا رَن پڑا تو اکثر شجاع اور دلیر، جن میں مَیں بھی شامل تھا مدافعانہ لڑائی لڑ رہے تھے۔ حضوؐر سب سے زیادہ قوت سے مشرکوں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ جب ہمیں خطرات گھیر لیتے تو ہم آپؐ کی پناہ میں آ جاتے۔ آپؐ ہم سب سے زیادہ دشمن کے قریب ہوتے تھے"۔

اس جنگ میں سبھی متکبر اور بڑے بڑے کفار فی النار ہوئے لیکن صرف چند مہاجر اور آٹھ انصار شہید ہوئے۔ دشمن کے تقریباً ۷۰ آدمی واصلِ جہنم ہوئے اور اتنے ہی قیدی بنا لیے گئے۔ مقتولین میں گیارہ وہ اشخاص بھی شامل تھے جو مکہ میں حضوؐر کے قتل کی سازش میں شریک رہے۔ مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مالِ غنیمت بھی لگا۔ اس میں سے ایک زرہ، ایک اُونٹ اور ایک تلوار علیؑ (مشکل کشا) کو ملی۔

مختصراً جنگِ بدر میں حضرت علیؑ مسلمانوں کے ہراول دستے میں سب سے زیادہ جوان، طاقتور اور بہادر تھے۔ آپؑ نے گھمسان کے رَن میں قوتِ ایمانی کے وہ جوہر دکھائے کہ ان کی کہیں اور مثال نہیں ملتی۔

غزوۂ بنی سلیم اور علی علم بردارِ اسلام

مسلمان ابھی غزوۂ بدر سے فارغ ہو کر مدینہ میں پہنچے ہی تھے کہ چھ سات روز

[سل]یم اور بنی غطفان کے لوگ مسلمانوں کے خلاف مجتمع ہو گئے۔ یہ اجتماع مدینہ منورہ [سے تقری]باً چھیانوے میل دُور "الکدر" کے مقام پر ہوا۔ (کچھ ماہ بعد) جب دشمنانِ اسلام [کے] اکٹھ کی خبر مسلمانوں کو ہوئی اور مقابلے کی تیاری کی خبر ملی تو رسولؐ خدا نے ان قبائل [کی سر]کوبی ضروری جانی۔ آپؐ نے دو سو مجاہدین کو ساتھ لیا اور ۱۴ محرم سن ۳ ہجری کو الکدر کی [طرف] روانہ ہوئے۔

اس لشکرِ اسلام کا پرچم حضرت علیؑ اٹھائے ہوئے تھے۔ حضرت علیؑ کی علم برداری [میں چن]د دنوں بعد یہ لشکر الکدر کے مقام پر پہنچا تو مسلمانوں کی یلغار کی خبر پا کر کفار کا یہ [اجتماع] منتشر ہو گیا۔ اسلامی لشکر نے دشمنوں کے قریباً پانچ سو اُونٹوں پر قبضہ کر لیا۔ اس مالِ [غنیم]ت میں سے خمس نکال کر ہر ایک کو دو دو اُونٹ ملے۔ الکدر کے مقام پر تین یوم کے [قیام] کے بعد یہ لشکر حضرت علیؑ کی علم برداری میں واپس مدینہ پہنچ گیا۔

اس طرح کے دیگر چھوٹے چھوٹے غزوات میں بھی حضرت علیؑ بڑھ چڑھ کر حصّہ [لیتے] رہے نیز مدینہ منورہ پر کسی طرف سے اچانک حملے کے پیش نظر ہمہ وقت نگرانی د[حفاظ]ت کے لیے مستعد رہتے تھے۔

[غزو]ۂ اُحد میں حضرت علیؑ کے کارنامے

کفارِ قریش نے جنگِ بدر میں ہونے والی شکست و ہزیمت کا بدلہ لینے کے لیے [مسلم]انوں کو بھاری نقصان پہنچانے کی قسمیں کھا رکھی تھیں، لہٰذا کچھ ہی عرصہ میں اُنھوں [نے مد]ینہ پر شدید حملہ کی تیاریاں کر لیں۔ یوں ابوسفیان بن حرب کفارِ مکہ کی تین ہزار افراد [کی] فوج کو لے کر مدینہ کی جانب نکل کھڑا ہوا۔ اس لشکر میں سات سو زرہ پوش، دو سو [سوا]ر اور سترہ رجز خوان عورتیں بھی شامل تھیں۔ ڈھول، گانے بجانے کے آلات، [شرا]ب اور فاحشہ عورتیں ہمراہ لیے یہ لشکر ۵ شوال سن ۳ ہجری کو روانہ ہوا اور کچھ دنوں بعد [مدینہ] کے بالمقابل وادئ ذی الحلیفہ میں اُترنے لگا۔

اس لشکر کی آمد کی خبر سن کر حضور نبی معظمؐ کی سربراہی میں مسلمان مجاہد بھی مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ آپؐ نے مسلمانوں کو صبر واستقامت سے کام لینے کی تلقین فرمائی۔ مسلمان صف بستہ اللہ کے رسولؐ کے ہمراہ تھے۔ ابتداء میں اسلامی لشکر کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی لیکن ثانوی مرحلے پر عبداللہ بن ابی منافق نے اپنے تین سو آدمی الگ کر لیے۔ بہر حال اللہ کے نبی کا یہ لشکر کئی زرہ پوش افراد بھی اپنے اندر لیے ہوئے تھا۔ سپہ سالار اعظم خود بھی پوری طرح مسلح تھے۔ اوس کا علَم اسید بن حضیر کے ہاتھ میں تھا' خزرج کا علَم خباب بن منذر کے ہاتھ میں اور مہاجرین کا علَم حضرت علیؑ ابن ابی طالب کے ہاتھ میں تھا۔ یہ تینوں علَم نیزوں پر نصب کیے گئے تھے جنھیں اللہ کے نبی نے خود بنوایا اور تفویض فرمایا تھا۔

میدانِ اُحد میں پہنچتے ہی رسولؐ خدا نے بہترین جنگی بصیرت کے ساتھ لشکرِ اسلام کی صف بندی فرمائی۔ پہاڑی پر پچاس تیراندازوں کا ایک اہم دستہ متعین فرمایا اور اُسے ثابت قدم رہنے کی تاکید فرمائی۔ عسکری ہدایات کے بعد آپؐ نے ایک تلوار اُٹھائی اور فرمایا: ''کون ہے جو اس تلوار کو اس کا حق ادا کرنے کے لیے لے لے؟'' مختصراً تلوار ابودجانہ کو ملی (شجاعتِ علیؑ میں اس جملے کے لکھنے کی کوئی تک نظر نہیں آئی۔ مؤلف)

علیؑ وحمزہؓ کے ہاتھوں کفار کے علَم برداروں کا حشر

جب فریقین میدانِ اُحد میں صف آرا ہوئے تو کفارِ مکہ کے کمانڈر ابوسفیان نے لشکرِ اسلام میں سے اوس وخزرج کو پکار کر کہا کہ تم لوگ ہم جد برادران کے درمیان سے ہٹ جاؤ' ہمیں خود براہِ راست نبرد آزما ہونے دو۔ اس پر اوس وخزرج کے سربراہوں نے اُسے دھتکار دیا۔ پھر لشکرِ کفار میں سے طلحہ بن ابی طلحہ پرچم لہراتے ہوئے نکلا اور مسلمانوں میں سے کسی کو اپنے مقابلے کے لیے للکارا۔ اسلامی لشکر میں سے معمولی توقف کے بعد حضرت علیؑ میدان میں نکلے اور اس نابجار کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آپؑ نے اپنی تلوار کے وار

اس کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ طلحہ زمین پر گر پڑا اور اس کا ستر کھل گیا۔ اگرچہ اس کمزوری اور کسمپرسی کی حالت میں طلحہ کا قتل نہایت آسان ہوگیا تھا لیکن غیرتِ اسد اللّٰہی نے یہ گوارا نہ کیا اور اس کا کام تمام کیے بغیر اسے اسی حالت میں چھوڑ کر پلٹ گئے۔ کفار میں سے عثمان بن ابی طلحہ نے جھنڈا اُٹھایا تو اسے حضرت حمزہؓ نے گرا دیا اور اس کا بازو کاٹ دیا۔ پھر اسی جھنڈے کو ابوطلحہ بن ابی طلحہ نے اُٹھایا تو سعد بن ابی وقاص نے اسے قتل کر دیا۔ دوبارہ طلحہ بن ابی طلحہ نے پرچم اٹھایا تو حضرت علیؑ نے اسے قتل کر دیا۔ علیٰ ہذا القیاس کفار میں سے کئی سورما جھنڈا اُٹھاتے اور مسلمانوں کو للکارتے رہے لیکن مسلمانوں میں سے کوئی نہ کوئی ان کا کام تمام کرتا رہا۔ جب رطاق بن شرجی نے پرچم سنبھالا تو اسے بھی حضرت علیؑ نے قتل کر دیا۔ پھر ایک حبشی غلام صواب نے پرچم لہرایا تو حضرت علیؑ نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ اسے بھی فی النار کر دیا۔ اس کے بعد علَمِ کفر زمین پر ہی پڑا رہا اور کسی کو علَم اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ جب تمام علَم بردار واصلِ جہنم ہو گئے تو کافر منتشر ہونے لگے۔ مسلمانوں نے شدید حملے کیے تو کفار دُور بھاگتے گئے۔

اس کیفیت کو دیکھ کر مسلمان سمجھے کہ دشمن پسپا ہو گیا ہے اور وہ مالِ غنیمت میں لگ گئے۔ تیراندازوں نے بھی اپنے مقام کو چھوڑ دیا۔ اس موقع پر کفار نے پلٹ کر تابڑ توڑ حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچا۔ باوجود اس نازک صورتِ حال کے رسولؐ خدا ثابت قدمی کے ساتھ اپنے مقام پر قائم رہے۔ جب اس جنگ میں آپؐ سے مشابہ صحابی حضرت مصعب بن عمیر شہید ہوئے تو لوگوں نے شہادتِ رسولؐ کی افواہ اُڑا دی۔ اس افواہ پر مسلمانوں میں بد دلی پھیل گئی۔ جلد ہی یہ افواہ جھوٹ ثابت ہوئی۔ رسولؐ خدا بذاتِ خود جنگ آزما تھے۔ دشمن کی جانب سے کئی پتھر آپؐ کے قریب آ آ کر گر رہے تھے۔ ایک پتھر آپؐ کو لگا تو آپؐ گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔

اس نازک ترین موقع پر حضرت علیؑ نے حضورؐ کو اپنے ہاتھوں پر تھام لیا۔ آنحضرتؐ

سیدھے کھڑے ہوگئے البتہ پتھر لگنے سے آپؐ کے نیچے کے چار دندانِ مبارک شہید ہوگئے۔ آپؐ کا سرِاقدس بھی زخمی ہو چکا تھا۔ مسلمان خواتین جو زخمیوں کی مرہم پٹی اور پانی وغیرہ کا انتظام کر رہی تھیں انہیں جب حضورؐ کی اس حالت کی خبر ہوئی تو وہ میدان میں آ گئیں۔ حضرت فاطمہؑ آپؐ کے زخم دھونے لگیں اور حضرت علیؑ پانی ڈالتے رہے۔

بہرحال جنگ کا نقشہ بدل چکا تھا۔ حضورؐ کے قتل کی افواہ کے باعث مسلمانوں میں جو سراسیمگی پھیلی اس کے بہت سے منفی اثرات بھی ہوئے۔ وہ آپس میں بھی لڑنے جھگڑنے لگے، لیکن جب حضورؐ کی خیر و عافیت اور سلامتی کا علم ہوا تو مسلمانوں نے واپس جاتے ہوئے کفار کا تعاقب کیا مگر وہ اپنی کامیابی کی خوشی میں دُور نکل گئے تھے۔ اس جنگ میں مسلمان شہداء کی تعداد ۷۰ اور مشرکین مقتولین کی تعداد ۲۳ تھی۔

اس جنگ میں بدستور تیراندازی کرتے ہوئے حضورؐ کی کمان کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ مسلمانوں کو دبانے کے بعد جب کفار کا لشکر مکہ کی طرف واپس جا رہا تھا تو ابوسفیان نے اور اس کے ساتھیوں نے اپنا پیچھا کرنے والے مسلمانوں کو پکار کر کہا تھا: آئندہ سال پھر بدر میں تم سے جنگ ہوگی۔ حضورؐ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ انہیں کہہ دو: ہمارے تمہارے درمیان پھر یہیں جنگ ہوگی۔

بعدازاں حضورؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: ''جا کر کفارِ مکہ کا حال دیکھو کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور اب ان کا کیا ارادہ ہے؟ اگر وہ گھوڑوں کو پیدل چھوڑ کر اُونٹوں کو پیدل ہانک رہے ہیں تو مدینہ کا قصد کر رہے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر اُنھوں نے مدینہ کا رخ کیا تو میں وہیں پہنچ کر ان سے جنگ کروں گا''۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ رسولِؐ خدا کے ارشاد کے مطابق میں کفارِ مکہ کے تعاقب میں نکلا کہ دیکھوں وہ کیا کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے گھوڑوں کو کوتل کر رکھا تھا اور اُونٹوں پر سوار ہو کر مکہ کی طرف جا رہے تھے۔ آپؐ نے دیر تک کفار کا

...ادری رکھا۔

اس جنگ میں مسلمانوں کو دشمن کی طرف سے جس قتل و زخم کا نشانہ بننا پڑا اس کے ... اللہ کے رسولؐ نے مسلمانوں کو ایک بار پھر جہاد کی تلقین فرمائی اور ڈھارس بندھائی ...ین اور متاسف ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم لوگ پکے مومن رہے تو آخر فتح ... تمہاری ہوگی۔

... علَم بردارِ حمراء الاسد

حضرات حمزہؓ و علیؑ اور دیگر اصحابِ وفادار نے غزوۂ اُحد میں انتہائی بہادری اور ... کا مظاہرہ کیا۔ حضرت علیؑ کا کردار اس جنگ میں بے مثال تھا۔ آپؑ نے جرأت ... بے پناہ جوہر دکھائے اور رسولِؐ پاک کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ مسلمان ابھی غزوۂ ... سے لوٹے ہی تھے کہ قریش کی طرف سے مدینہ پر دوبارہ حملے کا اندیشہ ہوا کہ وہ اُحد ...نے والے مسلمانوں پر ایک اور ضرب لگانا چاہتے ہیں۔ اس صورتِ حال سے باخبر ... پر نبی اکرمؐ مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ میل دُور حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے۔ اس ...یں بھی لوائے نبویؐ اٹھانے والے حضرت علیؑ ہی تھے۔ یہاں مسلمانوں کا وہی اُحد ... تین دن قیام پذیر رہا۔ راتوں کو پانچ سو مشعلیں روشن کی جاتی تھیں تا کہ دُور سے ...نظر آتی رہے اور اس روشنی کو دیکھ کر اور آوازوں کو سن کر دشمن کو مسلمان لشکر کی ...ی اور عزائم کا پتا چلتا رہے۔ چنانچہ دشمن یہاں سے کچھ ہی فاصلے پر مقیم ہونے کے ... مدینہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کرسکا۔ پس اللہ نے اپنے رسول کے دشمنوں کو ذلیل ... کر دیا۔

...ی غزوۂ بنی نضیر میں علَم برداری

یہود کے ایک قبیلے بنو نضیر نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے مضبوط قلعے بنا لیے

تھے۔ یہ قلعے مدینہ سے چند ہی میل کے فاصلے پر تھے اور یہود کے عزائم اچھے نہ تھے۔ انہیں اپنے وعدوں کی پاسداری کا خیال بھی نہ رہا تھا اور یہ بھی زعم تھا کہ مدینہ کے منافقین اور مکہ کے کفار بھی اب اُن کے مددگار ہوں گے۔ چنانچہ حفاظتِ خوداختیاری اور سیاسی پیش بندی کے لیے اس خطرے سے پہلے ہی نمٹ لیں۔

ربیع الاول ۴ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کو ساتھ لیے قبیلہ بنی نضیر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس غزوہ میں بھی لشکرِ اسلام کا علم حضرت علیؑ کے سپرد کیا گیا۔ جب مسلمان (حضرت علیؑ کی علم برداری میں) بنی نضیر کے میدان میں پہنچ گئے تو دشمنوں نے قلعہ پر چڑھ کر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کر دی۔ مسلمانوں نے ان (امن دشمنوں) کے خلاف جوابی کارروائی کی۔ اُن کا شدید محاصرہ کرلیا' اس کے ساتھ ہی اردگرد کے کھجوروں کے باغات کو بھی کٹوایا۔ پندرہ دن تک یہ محاصرہ جاری رہا اور بالآخر یہود نے اپنے سازوسامان کے ساتھ وہاں سے جلاوطن ہونا قبول کرلیا۔ یوں وہ چھ سو اُونٹوں پر اپنا سامان لاد کر وہاں سے چل دیئے۔ ان کے چھوڑے ہوئے سامان' زرہوں اور اسلحہ پر قبضہ کرلیا گیا جس میں پچاس زرہیں' پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں ملیں۔ وہاں سے ملنے والی دولت مہاجرین میں اس نقطۂ نظر سے تقسیم کر دی گئی کہ وہ خودکفیل ہوسکیں اور انصار ان کی مزید ذمہ داری اٹھانے سے سبکدوش ہوجائیں۔

اس غزوہ میں اگرچہ شدید جنگ و جدل کا موقع نہ آیا لیکن محاصرے کے دوران میں بنونضیر کے بہادر تیرانداز غزوک کو حضرت علیؑ ہی نے جہنم واصل کیا۔ بنونضیر کے کچھ لوگ خیبر میں جاکر آباد ہوگئے۔

حیدر کی شجاعت پر خندق بھی گواہی ہے

غزوۂ خندق یعنی جنگِ احزاب کا واقعہ ماہ شوال سن ۵ ہجری میں پیش آیا۔ بنونضیر کی جلاوطنی نے یہ رنگ دکھایا کہ انہوں نے قریش مکہ سے سازباز کر کے انہیں ساتھ ملا لیا۔

مسلمان دشمنی کی انتہا پر تھے' یوں انہیں مسلمانوں کے خون سے پیاس بجھانے کا ...ل رہا تھا۔ اس جنگ میں یہود و قریش نے ایک باقاعدہ معاہدے کے تحت ...ں۔ وہ یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو مدینہ سے نکال باہر کیا ... چنانچہ کفارِ قریش مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہودیوں' قریشیوں اور ...ں کی مشترکہ فوج کی تعداد دس ہزار تھی جبکہ مقابلے میں صرف تین ہزار مسلمان تھے۔ ...ں نے دشمنوں کے عزائم کی خبر پا کر اب کی بار مدینہ ہی میں رہ کر مقابلہ کرنے کا ...یا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے مدینہ کے اطراف میں خندق کھود لی گئی۔ ...ن مجاہدوں نے قریب قریب ۴۰۷ گز لمبی اور ساڑھے دس فٹ گہری اور ساڑھے تیرہ ...وڑی خندق کھود کر مدینہ کو محفوظ کرلیا تھا۔

...تلِ عمرو و نوفل

جب دشمنانِ اسلام مدینہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے ایک نئی ہی صورتِ حال ... لیکن انہوں نے مدینہ کے قریب پہنچ کر اجتماع کرلیا۔ مسلمان خندق کے اُس پار اپنا ... کرتے رہے اور دشمنوں کی فوج محاصرہ پر ڈٹی رہی۔ قریش لشکری گھوڑوں پر سوار ہوکر ... کو پار کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ایک مقام سے خندق کی چوڑائی قدرے کم تھی۔ ...ریش وہاں سے خندق عبور کر کے ایک پہاڑی ولدل میں پھنس گئے۔ حضرت علیؑ ...وں کی ایک جماعت لے کر حملہ آور ہوئے اور کفار نے خندق پار کر کے جس ...ے پر قبضہ کرلیا تھا اُسے واپس لے لیا۔ خندق پار کرنے والوں میں ایک شخص عمرو بن ...ی تھا جسے ہزار آدمیوں کے مقابلے میں طاقتور سمجھا جاتا تھا۔ عمرو نے خندق پار ...نے کے بعد کہا کہ ایک کا مقابلہ ایک سے ہونا چاہیے۔ لہٰذا عمرو کے مقابلے میں ...علیؑ مقابلے کے لیے نکلے۔ عمرو حضرت علیؑ سے عمر میں بڑا تھا۔ اُس نے حضرتؑ کو ...ی لیا اور کہنے لگا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں لڑنا چاہتا کیونکہ میں نے تمہیں بچپن میں

اپنے ہاتھوں سے کھلایا ہے۔ لیکن شیرِ خدا نے فرمایا: میں تو تم سے لڑنا چاہتا ہوں۔ اس پر عمرو نے حضرت علیؑ کے سر پر تلوار کا وار کیا جس سے حضرت کے سر پر معمولی زخم آیا۔ جواباً شیرِ خدا نے وار کیا تو عمرو کی ایک ٹانگ کٹ گئی۔ وہ لڑکھڑا کر رہ گیا۔ وہ نہایت ہی ماہر اور تجربہ کار تھا۔ اُس ملعون نے اپنی کٹی ہوئی ٹانگ اُٹھا کر حضرتؑ پر دے ماری مگر حضرت علیؑ اس کے اس وار سے بھی بچ گئے اور پھر جوابی وار کر کے اسے واصلِ جہنم کر دیا۔ روایت میں ہے کہ اس دشمنِ اسلام کی عمر نوے سال تھی اور اس کی لاش دس ہزار درہم کی پیش کش پر مسلمانوں سے حاصل کی گئی۔

عمرو کے ساتھ نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ بھی خندق پار کر چکا تھا جسے مسلمان مجاہدوں نے پتھر مار مار کر گھائل کر دیا تھا۔ اس نے پکار کر کہا: اے جماعتِ عرب! اس نیم جانی سے قتل کر دینا بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے خندق میں اُتر کر اس کو بھی فی النار کر دیا۔ جنگِ خندق میں کفار نے تقریباً ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ کیے رکھا اور فریقین کے درمیان تیر بارانی ہوتی رہی۔ بحمد للہ مسلمانوں کے پاس ایک سال سے زیادہ مدت کے لیے غذائی ذخیرہ موجود تھا۔ لیکن کفار کا ذخیرۂ رسد ختم ہو رہا تھا اور وہ محاصرے سے تنگ آ چکے تھے۔ اُدھر موسم برسات بھی شروع ہو گیا اور اللہ کے حکم سے ٹھنڈی ہوائیں بھی اُنھیں تباہ کرنے لگیں تو وہ مزید انتظار نہ کر سکے اور اپنا ہر طرح کا غرور و تکبر بھول کر ویران صحراؤں میں غلطاں ہو گئے۔ مگر طوفانِ باد و باراں نے پھر بھی اُن کا پیچھا نہ چھوڑا۔ یوں مسلمان ہر طرح کے نقصان سے محفوظ رہے۔ صرف چھے مجاہدین شہید ہوئے جبکہ تین مشرکین قتل ہوئے ان میں سے دو کو حضرت علیؑ ہی نے فی النار والسقر کیا۔

علیؑ، غزوۂ بنی قریظہ میں

بنو قریظہ نامی یہودی قبیلہ مدینہ کے پاس ہی آباد تھا۔ اس نے میثاقِ مدینہ میں شامل ہونے کے باوجود عہد شکنی کو معمول بنا لیا تھا۔ کفار کی جماعتوں کے ساتھ مل جانا اور

...ے جنگ میں کافروں کی اعانت کرنا اُن کا وتیرہ تھا۔ جب جنگِ خندق سے ...ی تو مسلمانوں کے لیے ایک مسئلہ بن جانے والے اِن دشمنوں کی خبر لینے کا ... وہ اسلام دشمنی کے ساتھ حضورؐ کی شان میں گستاخی بھی کرنے لگے تھے۔ حضورؐ ...ظہ کی طرف پیش قدمی کا اعلان فرما دیا تو حضرت علیؑ سب سے پہلے مہاجرین و ... ایک جماعت اپنے ہمراہ لیے بنو قریظہ کے قلعہ کے پاس پہنچ گئے اور وہاں پر جا کر ... جھنڈا گاڑ دیا۔ حضرت علیؑ نے اُن کے شانِ رسالتؐ میں توہین آمیز کلام کے ...یں اطلاع کرنے کی غرض سے واپس پہنچنا چاہا کہ راستے ہی میں حضورؐ سے ملاقات ...حضرت علیؑ نے حضورؐ کو ان لوگوں کے پاس جانے سے منع کرنے کی کوشش کی لیکن ...ے فرمایا کہ وہ لوگ مجھے دیکھ کر کوئی بات نہیں کر سکیں گے۔

مختصراً بنو قریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا جو پچیس یوم تک جاری رہا۔ یہود نے ...ازہ کر لیا تھا کہ اب ان سب کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں پہلے تو انہوں نے ...م کی حکم عدولی کا سوچا لیکن پھر حضورؐ تک یہ عندیہ پہنچایا کہ اُن کا معاملہ اور فیصلہ ... سعد بن معاذ پر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت سعد بن معاذ نے یہ فیصلہ سنایا کہ ان میں ...ص جنگ کے قابل ہے عہد شکنی کی سزا میں اُسے قتل کرا دیا جائے۔ ان کے متعلقین ...ی بنا لیا جائے اور ساز و سامان مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس فیصلہ پر عمل ...ہوا۔ اس غزوہ میں بھی حضرت علیؑ ہی کو امتیازی شان حاصل ہوئی۔

...ات و سرایا میں حیدرؑ ہی مظفر ہیں

۵ اور ۶ ہجری کے دوران میں مسلمان کئی غزوات و سرایا میں مصروف رہے۔ ان ...رت علیؑ بہترین کردار ادا کرتے رہے۔ شعبان ۶ ہجری میں رسولؐ خدا نے حضرت ... ابی طالبؑ کو ایک سو مجاہدین کی سرداری دے کر بنی سعد بن بکر کی طرف روانہ ...لوگ مسلمانوں کے خلاف خیبر کے یہودیوں کی مدد کے لیے جمع ہوئے تھے۔ ان

کی خبر لینے کے لیے حضرت علیؑ پہنچے اور بڑی منصوبہ بندی سے چھاپا مارا تو وہ لوگ ڈر کر بھاگ گئے۔ ان کے ساتھ وہاں کے چرواہے بھی ڈر کر فرار ہوگئے۔ اس طرح مسلمانوں کے ہاتھ بہت سے جانور لگے۔ ان میں پانچ سو اُونٹ اور دو سو بکریاں بھی شامل تھیں۔ حضرت علیؑ اہلِ اسلام کے لیے یہ سب کچھ لے کر واپس مدینہ پہنچ گئے۔

علیؑ معاہدۂ صلح و امن کے راقم

سن ۶ ہجری میں حضور نبی کریمؐ اپنے پندرہ سو ساتھیوں کے ساتھ حج و عمرہ کے لیے مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اس قافلۂ رسولؐ کے پاس صرف سفری حفاظتی ہتھیار تھے۔ جب اہلِ قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس قافلے کو روکنے کی قسمیں کھائیں۔ عین ممکن تھا کہ آپؐ کے مکہ پہنچنے پر اہلِ قریش فساد برپا کرتے' لہٰذا فریقین کی خواہش پر ایک معاہدۂ امن طے پایا۔ جب اسے تحریری صورت دینے کا وقت آیا تو حضورؐ نے حضرت علیؑ سے معاہدہ تحریر کرنے کے لیے کہا۔ عربوں کے رواج کے مطابق معاہدہ فریقین کے معروف اشخاص کے ناموں کے ساتھ ہی تحریر کیا گیا۔ اس معاہدے کے تحت فریقین نے دس سال تک جنگ نہ کرنے کا عہد کیا۔ معاہدہ کے آخر میں تحریر تھا: ''یہ معاہدہ علیؑ بن ابی طالب نے تحریر کیا ہے''۔

حیدرؑ صفدرؑ فاتحِ خیبر

مدینہ منورہ سے شام کی جانب چھیانوے میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس ریگستانی علاقے میں یہودیوں نے اپنی حفاظت کے لیے کئی قلعے بنا رکھے تھے۔ خیبر کے یہودی بہت جنگجو اور بہادر لوگ تھے۔ مدینہ سے بھاگ کر آنے والے یہودی قبائل نے بھی خیبر ہی میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ یہودی لڑائی کے وقت قلعوں کا استعمال کرنا خوب جانتے تھے۔ ان کے قلعوں کی تعداد سات یا اس سے زائد بتائی جاتی ہے جن کے ساتھ کئی ذیلی قلعے بھی موجود تھے۔ خیبر کے یہودی مکاری اور دھوکہ بازی میں بھی بہت مشہور تھے۔

یں مسلمانوں کے لیے اردگرد کے دشمنوں سے چھٹکارا حاصل کرنا بہت ضروری تھا لہٰذا رسولِ اسلام نے مسلمانوں کو خیبر کی طرف جہاد پر جانے کے لیے بلایا۔

۷ ہجری میں سولہ سو مجاہدین کی فوج خیبر کی طرف روانہ ہوئی جس میں گھڑسوار بھی شامل تھے۔ حضرت علیؑ پیش پیش تھے۔ مدینہ سے خیبر کا پانچ دن کا فاصلہ اس لشکرِ اسلام نے تین دن میں طے کر لیا۔ خیبر کے یہودیوں نے فوراً اپنے مال اموال اور اہل و عیال قلعہ کتیبہ میں جمع کر لیا۔ مسلمانوں نے شب خون مارنے اور دشمن کی چالوں سے بچنے کے لیے گردو نواح سے کھجور کے چار سو درخت کاٹ دیئے۔ اسی روز سخت جنگ ہوئی۔ قلعہ یہود نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے اور اس طرح لشکرِ یہود اور لشکرِ اسلام میں سات دن تک مسلسل لڑائی ہوتی رہی لیکن یہود کا سب سے بڑا قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

علم حیدرِ کرّار کو ملتا ہے

غزوۂ خیبر کی ابتداء میں اسلامی لشکر کے علم بردار خباب بن منذر اور سعد بن عبادہ تھے۔ لشکرِ خیبر میں حضرت علیؑ بھی شریک تھے لیکن آپؑ دو ایک دن تک آشوبِ چشم میں مبتلا تھے۔ ایک صبح حضور نبی اکرمؐ نے آپؑ کو بلا بھیجا اور آپؑ کی آنکھوں پر اپنا لعابِ دہن لگا کر لوائے نبوی آپ کے سپرد فرما دیا۔ اس کے ساتھ رسولؐ اسلام نے دعا بھی فرمائی: ''اے میرے خالق و مالک! علیؑ کو گرمی اور سردی سے محفوظ رکھنا''۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: مجھے اس کے بعد کبھی عارضۂ چشم لاحق ہوا اور نہ گرمی و سردی کی پروا رہی۔ حضرت علیؑ نے رسولؐ خدا سے سفید رنگ کا علم لیتے ہوئے فرمایا: ''میں ان یہودیوں سے جنگ کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ وہ ہم جیسے ہو جائیں (یعنی اسلام قبول کر لیں)''۔

حضور نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''اے علیؑ! اپنا کام نہایت متانت و وقار سے شروع کرو' اس طرح کہ دشمن کے میدان میں اُتر کر پہلے اسلام پیش کرو'

اگر وہ تمہاری دعوتِ اسلام قبول نہ کریں تو پھر ان سے جنگ کرو۔ خدا کی قسم! اگر حق تعالیٰ تمہارے ذریعے ایک شخص کو بھی ہدایت فرما دے تو یہ تمہارے حق میں سرخ اُونٹوں سے بھی کہیں بہتر ہوگا"۔

حضرت علیؑ روانہ ہوئے۔ قلعے کے نیچے پہنچ کر اپنا جھنڈا گاڑا تو قلعہ کے یہودی ان کے مقابلے کو نکلے۔ ان میں سے سب سے پہلے باہر آنے والا مشہور بہادر مرحب کا بھائی حارث تھا۔ حضرت علیؑ نے اُسے جلد ہی قتل کر دیا تو باقی یہودی قلعۂ ناعم میں منتقل ہو گئے۔

اب مقابلہ کے لیے خود مرحب نکلا۔ اس نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں اور اس کے پاس دو تلواریں تھیں۔ دو عمامے باندھ رکھے تھے اور عماموں پر ایک خود اور پتھر باندھے ہوئے تھا۔ ہاتھ میں نیزہ تھا اور تلواریں پہلوؤں میں حمائل تھیں۔ مرحب نے حضرتؑ پر حملہ کیا۔ آپؑ کے ہاتھ سے ڈھال نیچے گر گئی تو آپؑ نے فوراً قلعہ کے پاس کے ایک دروازے کو اکھاڑ کر ہاتھ میں پکڑ لیا اور اسے اپنے بچاؤ کے لیے بطور ڈھال استعمال کرنے لگے۔ اس طرح آپ دروازہ ہاتھ میں لیے برابر دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے یہ قلعہ آپؑ کے ہاتھ پر فتح فرما دیا۔

علیؑ نے مرحب پر وار کیا' جسے اس نے ڈھال پر روکا مگر حضرت علیؑ کی تلوار کا بھرپور وار اس کی ڈھال پر پڑا تو اس کے پرخچے اُڑ گئے۔ اس کی خود والے پتھر اور دو عماموں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے' اس کا شانہ (بھی) کٹ گیا۔ اس نے اپنی تلوار اپنے دانتوں میں پکڑ لی' مگر اس میں مزید مقابلہ کی ہمت نہ رہی اور واصلِ جہنم ہو گیا۔

حضرت علیؑ کے ہاتھ پر پہلے قلعہ ناعم فتح ہوا پھر قلعہ قموص فتح ہوا۔ مسلمانوں اور یہودیوں میں برابر جنگ کے شعلے بھڑکتے رہے اور مسلمان پیہم قلعے فتح کرتے چلے گئے یہاں تک کہ انہوں نے (حضرت علیؑ کی قیادت میں) تمام قلعے فتح کر لیے۔

اس غزوہ میں ۹۳ یہودی قتل ہوئے اور ۱۵ مسلمان شہید ہوئے۔ علاقے سے مسلمانوں کو بہت سا مال' اجناس اور مویشیوں کے لیے ذخیرہ میسر آیا۔ بہت سا جنگی سامان اور تورات کے کئی نایاب نسخے بھی ملے۔ لیکن یہودیوں کے مطالبہ پر یہ نسخے انہیں واپس کر دیے گئے۔

ذوالفقارِ علیؑ کا کیا کہنا

حضرت علیؑ اگرچہ جس جنگ میں بھی شامل ہوئے جرأت و بہادری اور طاقت و ہمت کے جوہر دکھائے لیکن غزوۂ خیبر میں آپؑ کی شجاعت اپنے عروجِ کمال پر نظر آتی ہے۔ حضرت علیؑ سے پہلے قلعہ کو فتح کرنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق نے بھی ایک بھرپور حملہ کیا لیکن دشمنوں نے جوابی کارروائی کر کے انہیں قلعہ کی دیوار پر چڑھنے نہ دیا۔ پھر حضرت عمر حملہ آور ہوئے لیکن دشمن نے اُن کے حملے کو بھی روک لیا۔ لیکن ان کے بعد جب علی ابن ابی طالبؑ نے نہایت زوردار حملہ کیا تو کامیاب و کامران ہوئے۔ جلد ہی انہوں نے دشمن کی صفوں کو چیر ڈالا۔ اس کامیابی پر حضرت علیؑ خود بھی فرطِ جذبات اور شیدا ایزدی سے بول اُٹھے:

"میں علی شیرِ خدا ہوں میں اللہ کے دشمنوں کا خاتمہ کردوں گا"۔

حضرت علیؑ کا مرحب سے محاربہ

مرحب سے حضرت علیؑ کا مقابلہ و محاربہ بڑا دلچسپ اور پُرشکوہ ہے۔ مرحب عربوں کا ایک بہت بڑا جنگجو اور تلوار زنی و نیزہ بازی کا ماہر اور دھنی تھا۔ اس پر مستزاد اس نے خود کو دہری آہنی زرہوں سے ڈھانپ رکھا تھا۔ ادھر حضرت علیؑ کی خود اور آہنی ڈھال چمک رہی تھی اور ان کے ہاتھ میں پیغمبر اکرمؐ کی تلوار ذوالفقار تھی۔ حضرت علیؑ اس وقت جواں اور مضبوط جسم و جان کے مالک تھے اور اس سے بڑھ کر انہیں اپنے اللہ پر کامل ایمان اور بھروسہ تھا۔ ان کے مقابل مرحب یہودی کے ذہن میں اپنی طاقت کا گھمنڈ سمایا ہوا تھا۔

وہ تھا بھی طویل القامت اور ہر طرح سے مسلح اور اُسے کسی نے کبھی شکست سے ہمکنار نہیں کیا تھا۔ وہ اسی فخر و غرور میں سرمست تھا۔

اُس نے حضرت علیؑ سے دوبدو جنگ کے دوران میں وار کرنے میں پہل کی لیکن حضرتؑ اس ملعون کے قوی و شدید وار سے اپنی ذہانت و مہارت کے سبب محفوظ رہے۔ اور پھر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ذوالفقار مرحب کے سر پر دے ماری۔ اس کاری ضرب سے مرحب کا سر دو ٹکڑے ہو کر شانوں سے لڑھک گیا اور اس ملعون کا غرور خاک میں مل گیا۔ اس مقابلے میں حضرت کی آہنی ڈھال ٹوٹ گئی تو آپؑ نے قلعے کے دروازے کو اُکھاڑ کر اپنی ڈھال بنا لیا۔ یہ دروازہ بہت بھاری تھا اور لوہے کی میخوں سے جڑا ہوا تھا۔ اس دروازے کو اُکھاڑنا اور پھر ایک ہاتھ میں اُٹھا کر بطورِ ڈھال اسے استعمال کرنا کسی بھی سورما کی طاقت و قوت سے باہر تھا۔ اللہ کے شیر نے یہ بھی ممکن کر دکھایا۔ اس منظر کو دیکھ کر اور مرحب کے سر کو دو پارہ ہوتا دیکھ کر یہودی بھاگ کھڑے ہوئے۔ جو تلوار کی زد میں آ گئے جہنم رسید ہوئے اور جو پکڑے گئے انہیں قیدی بنا لیا گیا۔

خیبر شکن علیؑ

اسلامی جنگوں میں غزوۂ خیبر کئی اعتبار سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور بہت ہی تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ یہودیوں نے خیبر کو ایک مضبوط قلعہ نما بستی کا روپ دے رکھا۔ یہاں متعدد فوجی قلعے تھے اور پھر ہر قلعے کے ساتھ کئی ضمنی حفاظتی قلعے بھی موجود تھے۔ ان قلعوں کے اندر وافر اسلحہ اور جنگی ساز و سامان بھی موجود تھا۔ خیبر کے یہودی تھے بھی بہت مضبوط اور منظم۔ یہی نہیں خیبر میں مدینہ کے گرد و نواح کے یہودیوں نے بھی آباد کاری کر لی تھی اور خیبر کے مقامی یہودیوں کے ساتھ اُن کے ملنے سے یہودیوں کی قوت دو چند ہو گئی۔ مدینہ میں بھی کفار کے بعد یہودی ہی مسلمانوں کے لیے بہت بڑا خطرہ تھے۔ چنانچہ وادیٔ خیبر پر غلبہ اور تسلط حاصل کرنا مسلمانوں کے لیے ناگزیر تھا۔ اس مہم کی کامیابی

ا حیدر کرّار کے سر ہے جنہوں نے اپنی بے مثال جرأت، قوت اور شجاعت سے نیز خدا سے والہانہ عشق کا نمونہ پیش کرتے ہوئے ان دشمنانِ خدا و رسولؐ کے قلعوں کو فتح اور یوں خیبر شکن کے خطاب سے نوازے گئے۔

مکہ اور حضرت علیؑ

فتح مکہ میں بھی حضرت علیؑ کا کردار مسلمہ ہے۔ کفارِ قریش آپؑ کی شجاعت اور ی کے کارناموں کو دیکھ کر اور سن کر بہت خائف ہو چکے تھے۔ جب مکی سردار یان صلح حدیبیہ کی مدت بڑھانے اور معاہدے میں مزید استحکام کے لیے رسولؐ اللہ کی ت میں حاضر ہوا تو اُس نے حضرت علیؑ سے بھی سفارش کروانے کی کوشش کی مگر تؑ نے فرمایا:

اے ابوسفیان! تم پر افسوس ہے واللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک رمایا ہے اس لیے ہماری مجال نہیں کہ آپؐ کے سامنے لب کشائی کر سکیں۔ ابوسفیان ضرت فاطمہؑ سے بھی سفارش کروانے کی کوشش کی مگر مایوس ہوا تو صورتِ حال کی ی کے لیے حضرت علیؑ سے کہنے لگا: اے ابوالحسنؑ! میں دیکھ رہا ہوں کہ معاملہ ہمارے شدت اختیار کر چکا ہے۔ پس آپؑ ہی مجھے نصیحت کریں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

اس پر حضرتؑ نے جواب میں فرمایا: "واللہ میں خود کوئی ایسی تدبیر نہیں جانتا جو بچا سکے۔ لیکن تم ہی ان کے سردار ہو اس لیے کھڑے ہو جاؤ اور باہم لوگوں میں صلح کا اعلان کر دو۔ پھر اپنے شہر کو لوٹ جاؤ"۔ پس اس کے بعد ابوسفیان مسجد میں پہنچا علان کرنے لگا: اے لوگو! میں آپس میں صلح کا اعلان کرتا ہوں۔ اس کے بعد ابوسفیان اُونٹ پر بیٹھ کر مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن اس دوران میں مسلمان حضورؐ کی قیادت پر چڑھائی کے لیے ایک جرار لشکر کی تیاری میں مصروف رہے اور پھر اسلامی لشکر مکہ رف روانہ ہو گیا۔

اسی اثناء میں بنواسد کے حلیف حاطب بن ابی بلتعہ بدری نے قریش کو ایک خفیہ خط لکھا۔ اس خط میں مکہ پر مسلمانوں کی یلغار کی خبر دی گئی تھی۔ سارہ نامی ایک عورت یہ خط خفیہ طور پر مکہ پہنچانے پر مامور تھی جس نے اس خط کو اپنے بالوں کی مینڈھیوں میں چھپا رکھا تھا۔ حضورؐ کو بذریعہ وحی اس خط سے آگاہی ہوئی تو حضرت علیؑ اور زبیر بن العوامؓ کو اس کے پیچھے روانہ فرمایا۔ نیز فرمایا کہ تم جا کر اس عورت کو تلاش کرو اور اس خط کو حاصل کر کے اسے جانے دو۔ علی و زبیر نے اسے تلاش کر کے اُونٹ سے اُترنے کو کہا اور کجاوہ کی تلاشی لی لیکن وہاں سے مطلوبہ خط حاصل نہ کر سکے۔ اس کی ہوشیاری و چالاکی پر حضرت علیؑ نے فرمایا: میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ رسولؐ خدا نے ہمیں جھوٹی خبر نہیں دی ہے اور نہ ہم نے جھوٹ بولا ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم وہ چھپا ہوا خط نکال کر ہمیں دے دو۔ چنانچہ اس نے اپنی مینڈھیوں کو کھول کر خط آپؑ کے حوالے کر دیا۔

مکہ پر یلغار کا بنیادی مقصد اسلام کی فردی قوت کا مظاہرہ اور دشمن کو خائف و مرعوب کرنا تھا۔ حضور نبی کریمؐ کو جب خدشہ ہوا کہ مسلمان قریش پر حملہ نہ کر دیں تو آپ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ حضرت سعد سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس بن سعد بن عبادہ کو دے دو۔ حضرت علیؑ نے فوری طور پر اس حکم پر عمل کیا۔ اس کے ساتھ ہی رسولِ رحمتؐ نے جملہ سردارانِ لشکر کو حکم دیا کہ جنگ سے باز رہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر رسولؐ خدا نے چونکہ سب اہلِ مکہ کو معاف فرما دیا تھا اور انہیں آزاد کر کے چھوڑ دیا تھا اس لیے انہیں طلقاء یعنی چھوڑے ہوئے بھی کہا جانے لگا۔ اسی لیے حضرت علیؑ نے امیر معاویہ سے فرمایا تھا کہ مکہ والے فتح کے حوالے سے ایک طرح مالِ غنیمت کا درجہ رکھتے تھے لیکن انہیں طلقاء قرار دے دیا گیا یعنی چھوڑ دیا گیا۔ پس آقا اور آزاد کردہ غلام برابر نہیں ہوتے۔

علیؑ کا مگارِ حنین و طائف و طے

مکہ سے واپسی پر رسولؐ خدا نے لشکرِ اسلام کو وادیٔ حنین کی طرف بڑھنے کا حکم

دیا۔ حنین مکہ سے تین دن کے فاصلے پر ہے۔ لشکرِ اسلامی کی روانگی کی خبر پا کر اہلِ حنین جنگ کی تیاری کرنے لگے تھے۔ اس سلسلے میں قبیلہ ہوازن، ثقیف اور بنونضیر نے اتحاد کر کے بڑی جمعیت بنالی تھی۔ بعد میں ان لوگوں کے ساتھ بنوسعد بن بکر بن جشم کے لوگ بھی آ کر شامل ہو گئے۔ اس طرح لشکرِ کفار کی تعداد ۲۰ ہزار کے قریب قریب تھی اور ان میں سے سب سے بہتر تیرانداز قبیلہ ہوازن کے لوگ تھے۔ ان کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کا لشکر ۱۲ ہزار افراد پر مشتمل تھا جن میں سے ۱۰ ہزار مدینہ سے مکہ آنے والے اور ۲ ہزار وہ لوگ تھے جو فتح مکہ پر اسلام لے آئے تھے۔ اس موقع پر مہاجرین کا علَم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا۔

دشمن حنین کے مقام پر تنگ وادیوں میں چھپ گئے تھے لہٰذا جب مسلمان وادیٔ حنین میں داخل ہوئے تو اُن پر اطراف و جوانب سے حملہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے جوابی حملہ کر کے دشمن کو بھاری نقصان پہنچایا لیکن جنگِ اُحد کے لشکر کی طرح لوگوں نے مالِ غنیمت لوٹنا شروع کر دیا۔ اس اثناء میں دشمن نے ایک بار شدید حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا اور پسپا ہونا پڑا۔ اس افراتفری اور پسپائی کے عالم میں بھی حضرت علیؑ اور حضورؐ کے دیگر قریبی ساتھی ثابت قدم رہے۔ اللہ کے رسولؐ نے مسلمانوں کو دوبارہ جنگ کے لیے بلایا اور گھمسان کا رَن پڑا۔ اب دشمن شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ قبیلۂ ہوازن کے سردار اور سپہ سالار مالک بن عوف نے اسلام قبول کر لیا۔ مالِ غنیمت انہیں ہی تفویض کر دیا گیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے بہت سے مردوں اور عورتوں کو اسیر بھی بنالیا تھا۔

غزوۂ حنین کے بعد اسی سال غزوۂ طائف ہوا۔ اس کے بعد حضورؐ مدینہ منورہ پہنچے اور چند قبائل اور افراد کی جانب چھوٹی چھوٹی مہمیں بھجوانے کا اہتمام کیا۔ اس مقصد کے لیے مجاہدین کے چھوٹے چھوٹے دستے بنائے گئے اور پھر انہیں روانہ کیا گیا۔ قبیلہ طے کے لوگ فلس نامی ایک بت کی پوجا کیا کرتے تھے اور نجد کے ایک حصّے میں آباد تھے۔ حضور

نبی کریمؐ بت پرستی کے خاتمے کے لیے آئے تھے' لہٰذا ۹ ہجری ربیع الآخر کے مہینے میں حضرت علیؑ کو ایک چھوٹا سا دستہ دے کر فلس کی تہدیم کے لیے روانہ فرمایا۔ اس فوج کشی میں حضرت علیؑ کی کمان میں ڈیڑھ سو انصار بھیجے گئے تھے جو ایک سو شتر سواروں اور پچاس گھڑسواروں پر مشتمل تھے۔ حضرت علیؑ کے ساتھ اس موقع پر ایک بڑا سیاہ پرچم اور ایک چھوٹا سفید پرچم تھا۔ حضرتؑ نے فوج کشی سے پہلے ہی اس علاقے کے بارے میں بہت زیادہ معلومات حاصل کر رکھی تھیں۔ اس لیے فجر کے وقت ہی پوری بستی کو گھیرے میں لے لیا گیا اور اس کے فوراً بعد فلس کو توڑ پھوڑ کر نیست و نابود کر دیا گیا۔ اپنے سب سے بڑے بت کے منہدم ہو جانے پر وہاں کے لوگوں نے اپنے آپ کو حضرت علیؑ کے سپرد کر دیا۔ بے شمار مردوں اور عورتوں کو اسیر بھی بنا لیا گیا۔ یہاں سے چاندی کے زیورات اور مویشی بھی بطور مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ اسیروں میں حاتم طائی کی بیٹی سفانہ بھی شامل تھی۔ حضورؐ نے قیدیوں کے مدینہ پہنچنے پر اس کے ساتھ بہتر اور باعزت سلوک کیا جس سے وہ مسلمان ہوگئی۔ سفانہ کا بھائی عدی جو پہلے بھاگ گیا تھا وہ بھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوگیا۔ حضورؐ نے حاتم طائی کے قبیلے سے حاصل ہونے والا سارا مال واپس کر دیا اور اس کے اسیروں کو بحفاظت واپس بھیجنے کا اہتمام فرمایا۔ یوں قبیلہ طے کے ایک پرانے بت خانے میں تعلیماتِ اسلام کو پھیلانے کا سہرا حضرت علیؑ کے سر رہا۔ رقم ہے کہ اس فوج کشی میں حضرت علیؑ کو تین تلواریں' رسوب' مخزم اور سیف یمانی اور تین زرہیں مالِ غنیمت میں سے حصہ کے طور پر ملیں۔

غزوۂ تبوک اور علیؑ بمثل ہارونِ موسیٰؑ، جانشینِ محمدؐ

غزوۂ تبوک رجب ۹ ہجری میں واقع ہوا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری غزوہ ہے۔ اس غزوہ کی وجہ یہ تھی کہ شاہ روم نے شام میں بہت زیادہ فوج کر لی تھی اور مسلمانوں کے لیے بہت بڑا خطرہ بن گیا تھا۔ حضورؐ نے اس خطرے سے نمٹنے کے لیے

شدید گرمی اور قحط کی حالت میں ہونے کے باوجود لوگوں کو دعوتِ جہاد دی اور انہیں ان کی منزل بتائی۔ یہ بہت کٹھن اور مشکل دور تھا' اس کے علی الرغم مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس موقع پر حضور نبی اکرمؐ نے اپنے غیاب میں اپنے خاندان کی حفاظت و خبرگیری حضرت علیؑ کے سپرد فرمائی اور انہیں مدینۂ منورہ ہی میں چھوڑ گئے۔ چونکہ تبوک کی سمت جہاد کے لیے بڑھنے کا اعلان نہایت کٹھن' دشوار اور نامساعد حالات میں ہوا تھا اس لیے کچھ منافقین نے اس جہاد پر جانے کے لیے حیلے بہانے اور عذر پیش کرنے شروع کر دیے جن میں سے عبداللہ بن ابی پیش پیش تھا اور اس اعلانِ جہاد کو بے موقع کارروائی قرار دے رہا تھا۔ اس توہینِ رسولؐ کے ساتھ ساتھ منافقین نے حضرت علیؑ کی شان میں بھی گستاخی پر مبنی کلمات کہے اور انہیں مدینہ میں چھوڑ جانے کے حوالے سے پروپیگنڈہ کیا۔ یہاں تک کہ حضرت علیؑ کی اس پروپیگنڈہ پر یہ حالت ہوگئی کہ آپؑ نے مدینہ میں رہنا عذاب سمجھنا شروع کر دیا۔ منافقین نے یہاں تک بکواس کی کہ حضرت علیؑ کا جنگ میں جانا ایک بوجھ تھا' اس لیے حضورؐ انہیں ساتھ نہیں لے کر گئے۔ حضرت علیؑ ان باتوں پر اس قدر رنجیدہ ہوئے کہ جلد ہی جنگی ہتھیار باندھ کر تبوک کی جانب روانہ ہوئے اور مدینہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر جرف کے مقام پر آنحضورؐ سے آملے۔

حضورؐ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے آپؑ کی پریشانی کو بھانپ لیا اور آپؑ کو منافقوں کی طرف سے ملنے والی اذیت کو دُور کرنے کے لیے فرمایا:

> ''اے علیؑ! وہ لوگ سراسر جھوٹ بولتے ہیں۔ میں نے تمہیں اپنے خاندان کی خبرگیری کے لیے چھوڑا ہے۔ پس واپس چلے جاؤ اور میرے اور اپنے خاندان کی نگرانی کرنے میں میری نیابت کرو''۔

رسولِ خدا نے مزید فرمایا:

> ''اے علیؑ! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے ایسے ہی قوتِ

بازو بنو جیسے ہارونؑ موسیٰؑ کے تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرے
بعد کوئی نبی نہیں آنے والا''۔

یوں حضرت علیؑ کی رنجیدگی کا ازالہ اور تسلی و تشفی کا سامان ہوا ___ تبوک پہنچ کر لشکرِ اسلام بیس دن تک مقیم رہا لیکن دشمن سے مقابلے کی نوبت نہ آئی لہٰذا رسولِ خداؐ اسلامی لشکر کو ہمراہ لیے واپس مدینہ پہنچ گئے۔

حضرت علیؑ کی غزوات و سرایا میں مجموعی کارکردگی

حضور نبی کریمؐ کی زندگی میں ۲۷ غزوات اور ۴۷ سرایا وقوع پذیر ہوئے۔ سرایا چونکہ ایسی مہم کشی کو کہتے ہیں جس میں رسول اکرمؐ نے بذاتِ خود شرکت نہ فرمائی بلکہ مختلف صحابہ کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ تمام غزوات' جن میں سے اٹھارہ میں تلوار کا استعمال نہ ہوا اور نو میں تلوار کا استعمال ہوا۔ میں حضرت علیؑ کا کردار نہایت فعال تھا۔ آپؑ نے ان غزوات میں بہت پُر جوش حصّہ لیا۔ ان میں سے اکثر غزوات میں لوائے نبوی حضرت علیؑ کے ہاتھ میں رہا۔ کئی غزوات میں آپ مہاجرین کے علَم بردار ٹھہرے اور یوں اسلام کی زبروست خدمت انجام دی۔

علیؑ ممتازِ مغازی

مغازی الرسول میں حضرت علی علیہ السلام کا کردار اور عمل مجاہدین کے مقابلے میں سب سے زیادہ اعلیٰ اور ممتاز رہا۔ ہر جنگ میں حضرت علیؑ شمع رسالت کے سب سے قریب رہنے والے پروانے تھے۔ غزواتِ نبویؐ میں جب چند مواقع پر لشکرِ اسلام کو نقصان اُٹھانا پڑا اور پسپائی سے دوچار ہونا پڑا' تو اس نازک صورتِ حال میں بھی جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے علی اُن سب ہی سے ممتاز دکھائی دیتے ہیں۔ آپؑ خانوادۂ رسولؐ میں سے تھے۔ حضرت حمزہؓ کی زندگی میں آپؑ اُن کے شانہ بشانہ رہے اور غزوۂ اُحد میں اُن کی شہادت کے بعد بھی لشکرِ اسلام میں آپؑ کا رتبہ سب مجاہدین سے ممتاز نظر آتا

ہے۔ کئی جنگوں کے آغاز میں فرداً فرداً محاربہ ہوتا تھا' حضرت علیؑ نے ان دوبدو محاربوں میں اپنے مدِ مقابل پر ہمیشہ فتح حاصل کی۔ یہ ابتدائی محاربہ کسی جنگ کا خلاصہ ہوتا ہے اور سے حضرت علیؑ ہی جیت کر لشکرِ اسلام کی فتح کو یقینی بنا دیتے تھے۔

مختصر یہ کہ لشکرِ اسلام کے اس سب سے بڑے مجاہد اور سپہ سالار نے سب سے زیادہ دشمنانِ دین کو قتل کیا۔ اُن میں ایسے سورما بھی شامل تھے جو ہزار ہزار افراد کے برابر تھے۔

حضرت علیؑ اسلامی لشکروں کے سپہ سالار

کسی جنگ میں علَم عموماً سب سے بہادر' شجاع اور قوی و تجربہ کار جنگجو کو دیا جاتا ہے اور وہ علَم بردار ہی سپہ سالار کہلاتا ہے۔ اس کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ہر حال میں علَم کو بلند رکھے اور اس کی حفاظت کرے نیز دشمن پر کاری ضربیں لگائے۔ حضرت علیؑ کو حضور نبی اکرمؐ نے اکثر و بیشتر غزوات میں خود اپنے دستِ مبارک سے علَم دیا اور حضرت علیؑ ہمہ وقت علَم برداری اور سپہ سالاری کی لاج رکھنے میں کامیاب رہے' اور کامیاب کیوں نہ ہوتے وہ اللہ کے شیر اور اللہ کا ہاتھ تھے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کارکشا و کارساز
(اقبال)

❁ ❁ ❁

امامِ برحقؑ کا معیارِ شجاعت

[اولیائے اہل سنت کی نظر میں]

کفارِ خارجی را باور مکن اگرچہ
قال الرسول گوید کذب است قال وقیلش

"علیؑ کے دشمن کی باتوں کا یقین نہ کرو چاہے وہ یہ کہے کہ رسولؐ اللہ نے یہ فرمایا ہے' یہ سمجھو کہ وہ بالکل جھوٹا ہے"۔

شیرِ خداست حیدرؑ نسبت کجا توان کرد
باآں کہ روزِ ہیجا بودند چوں شغالش

"علیؑ خدا کے شیر ہیں' آپؑ کا اُن لوگوں سے کیا مقابلہ جو میدانِ جنگ میں گیدڑ بنے ہوئے تھے (یعنی بھاگنا چاہتے تھے)"۔

(نظام الدین اولیاءؒ)

امامِ حق کسے باشد کہ روزِ غزوۃ الخندق
بکشت آں عمرو کافر را کہ تادیں برملا باشد

"امام برحق وہ ہے جس نے جنگِ خندق میں عمرو ابن عبدود کو جہنم واصل کیا (کُلِ ایمان کا لقب پایا) اور دین کو برملا فرمایا"۔

امامِ حق کسے باشد کہ گر صف آید از عنتر
نہ اندیشد سرموئے چو در عینِ غزا باشد

"امام برحق وہ ہے کہ اگر عین جہاد میں عنتر ایک ہجوم کے ساتھ آ جائے تو بال برابر ہراساں نہ ہو"۔

امامِ حق کسے باشد کہ برکند او درِ خیبر
نبی گفتش کہ یاحیدرؑ نگہ بانت خدا باشد

امام برحق وہی ہے کہ جس نے قلعۂ خیبر کا (بھاری) دروازہ توڑ دیا اور جسے خیبر کی طرف جاتے ہوئے رسولؐ خدا نے کہا: یاعلیؑ! جاؤ خدا تمہارا نگہبان ہے"۔ (خواجہ غریب نواز)

علیؑ حق ہے

۲۰ مارچ ۱۸۸۹ء کو سرسید کا سید حسین بلگرامی کے نام خط

"میں تو اُن صفات کو جو ذاتِ نبویؐ میں جمع تھیں دو حصوں پر تقسیم کرتا ہوں: ایک سلطنت اور ایک قدوسیت۔ اوّل کی خلافت حضرت عمر کو ملی' دوسری کی خلافت حضرت علی و آئمہ واہلِ بیتؑ کو مگر یہ کہہ دینا تو آسان ہے مگر کس کو جرأت ہے کہ اس کو لکھے۔ حضرت عثمان نے سب چیزوں کو غارت کر دیا۔ حضرت ابوبکر تو صرف برائے نام بزرگ آدمی تھے۔ بس میری رائے میں ان بزرگوں کی نسبت کچھ لکھنا اور مؤرخانہ تحریروں کا زیرِ مشق بنانا نہایت نامناسب ہے۔ جو ہوا سو ہوا' جو گزرا سو گزرا"۔ (مخطوط سرسید' ص ۱۳۹)

سید ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہرحال غلط ہوتا ہے' خواہ وہ کسی نے کیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازی سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے"۔ (خلافت وملوکیت)

اقبال اور زورِ حیدری و کرّاری

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر   حریمِ کبریا سے آشنا کر
جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے   اسے بازوئے حیدرؓ بھی عطا کر

خدا نے اُس کو دیا ہے شکوہِ سلطانی
کہ جس کے فقر میں ہے حیدری و کرّاری

تیری خاک میں ہو اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدریؑ

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسداللّٰہی

امارت کیا شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زورِ حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی

بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدرِ کرّار بھی ہے

میرے لیے ہے فقط زورِ حیدریؑ کافی
ترے نصیب افلاطوں کی تیزیٔ ادراک

ہے یقین مُردہ تو ہے سنگ بھی بدتر
ہو یقیں زندہ تو پھر حیدرِ کرّار ہے تو

تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے
شہرِ قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے
کاٹ کر رکھ دیئے کفّار کے لشکر کس نے

کہیں یہ رحمۃ اللعالمینؐ ہے
کہیں مولا علیؑ خیبرشکن عشق

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے
وہی فطرت اسداللّٰہی وہی مرحبی وہی عنتری

باب سوم

علیؑ اشجع العرب

ازراہِ تتبع غزوات و سرایا میں حضرت علیؑ کا مثالی کردار

مشمولات

- عہدِ نبویؐ کے غزوات
- غزوۂ بدر
- حضرت علیؑ بدر کی پیش بندی میں
- حضرت علیؑ کا قریش کے سقوں کو گرفتار کرنا
- علیؑ رایت بردارِ بدر
- علیؑ فاتح بدر
- جنگِ مغلوبہ اور کردارِ علیؑ
- غزوۂ اُحد
- علیؑ رایت بردارِ اُحد
- چمکی حیدرؑ کی تلوار
- جس نے علَم بردارانِ قریش کو تہِ تیغ کیا وہ علیؑ تھے
- علیؑ محافظِ نبیؐ
- یا علیؑ ! انہیں روکو
- لافتیٰ الا علیؑ
- غزوۂ بنی نضیر اور شجاعتِ علیؑ
- علیؑ علم بردارِ اسلام
- غزوۂ احزاب (جنگِ خندق)

- اشجع العرب بمقابلہ عمادِ عرب
- بوقتِ جنگ علیؑ لباسِ نبیؐ میں
- کُلِ ایمان کُلِ کفر کے مقابلے میں
- علیؑ کی ضربت عبادتِ ثقلین سے افضل ہے
- علیؑ سپہ سالارِ غزوۂ بنی قریظہ
- خدا کی قسم! قلعہ فتح کر کے رہوں گا
- علی قاتلِ حیّی
- غزوۂ خیبر
- اس سے پہلے جو آئے میدان میں......
- حیدرؑ کرّار و غیر فرّار کی آمد
- علیؑ فاتحِ خیبر
- رزم ہائے علیؑ کے ذکرِ مزید کی کاوش

علیؑ اشجع العرب

(ازراہِ تشیّع غزوات و سرایا میں حضرت علیؑ کا مثالی کردار)

''حضرت علیؑ نے تبوک کے علاوہ تمام جنگوں میں پورے جوش و دلولہ سے حصّہ لیا اور اپنی خداداد قوت سے دشمنوں کے پرے اُلٹے مگر کسی مرحلہ پر نہ کسی بھاگنے والے کا پیچھا کیا نہ کسی زخمی پر ہاتھ ڈالا اور نہ کسی کی پردہ دری کی' اور تاریخ میں ایسی مثالیں چھوڑ گئے جنہیں ہمیشہ اسلام کی اصول پرستی' صلح پسندی اور امن دوستی کے ثبوت میں پیش کیا جاتا رہے گا''۔ (علامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہٗ)

بھلا جو مؤرخ رسولؐ کی فضیلت یا حقانیت کو وثوق و اطمینان کے ساتھ بیان نہ کرنا چاہتا ہو وہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے کسی کارنامہ بلکہ ان کے سوا دوسرے کچھ مسلمان سپاہیوں کی بھی جانبازی اور بہادری کا بیان کس طرح سے پسند کرسکتا ہے''۔ (علامہ سید علی نقی اعلی اللہ مقامہٗ)

علامہ سید محسن امین عاملی کہتے ہیں کہ سیرتِ حلبیہ میں غزوات کی تعداد ستائیس

بتائی گئی ہے اور تفصیل جو بتاتی ہے اس میں اٹھائیس ہوتے ہیں۔ اس ترتیب سے غزوۂ بدر چوتھا قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح کہ ① بواط ② عشیرہ ③ سفوان ④ بدر الکبریٰ (اعیان الشیعہ، ج ۲، ص ۱۵۰)۔ ان کے درمیان میں تین چار سریوں کا ذکر ملتا ہے اور یوں مجموعی طور پر بدر کا نمبر جنگی کارروائیوں میں تقریباً ساتواں پڑ جاتا ہے۔ (تاریخِ اسلام، ص ۱۶۶)

جہاد بدر و اُحد ہو کہ خندق و خیبر
خدا کا شیرؑ سدا کامیاب آیا ہے

فتحِ اسلام پہ جس وقت کہیں بات ہوئی
لبِ تاریخ پہ حیدرؑ ہی کا نام آیا ہے

جہادِ حق میں علمدار اس کو کہتے ہیں
کہ جس کو لَافتیٰ اِلَّا علی خطاب آئے

علیؑ جو غزوۂ خیبر سے کامیاب آئے
رموزِ نادِ علیؑ مثلِ انقلاب آئے

اُکھاڑ کر درِ خیبر علیؑ نے بتلایا
زمانے والو یہ دو انگلیوں کی طاقت ہے

قوتِ حیدرِ کرّار وہاں ملتی ہے
آہنی در بھی جہاں کاغذی در ہوجائے

مرحب کو جس نے پل میں تہِ تیغ کردیا
اسلام کو اسی کی شجاعت پہ ناز ہے

کوثرؔ یہ بات غزوۂ خیبر بتا گیا
دینِ خدا ہے نادِ علیؑ کے حصار میں
(کوثر زیدی)

❁ ❁ ❁

پتھر پہ علم دین کا گاڑا کس نے
للکار کے مرحب کو پچھاڑا کس نے
اصحابِ پیمبرؐ سبھی موجود تھے لیکن
بولو! درِ خیبر کو اُکھاڑا کس نے

عہدِ نبویؐ کے غزوات

ظلم کی انتہا دیکھیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت کے تیرہ سال بعد تک مشرکین کے مظالم سہتے سہتے جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو کفار ومشرکین نے وہاں پر بھی آپ کا پیچھا نہ چھوڑا' بلکہ اپنے منصوبوں کی ناکامی پر اور بھی پیچ وتاب کھاتے ہوئے فتنہ وشورش کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کو دربدر کرنے کے بعد جب اُنھوں نے دیکھا کہ اسلام کی خوشبو مدینہ ومضافاتِ مدینہ میں پھیل رہی ہے تو وہ اسلام کی توسیع وترقی کو روکنے کے لیے جنگ وجدل پر اُتر آئے اور اپنی طاغوتی طاقت سے دینِ خدا کو کچلنے کا تہیہ کرلیا۔ اِدھر رسول اکرمؐ قریش کی شرانگیزیوں کے باوجود بھی رزم وپیکار سے اجتناب چاہتے تھے' لہٰذا قبائل یہود سے صلح وامن کا تحریری معاہدہ کیا گیا اور قریش کی زیادتیوں کو نظرانداز کرتے رہے۔ آپؐ نے مسلمانوں کو جنگ اور لڑنے بھڑنے کی اُس وقت تک قطعاً اجازت نہ دی جب تک کہ قریش و یہود نے آپؐ پر جنگ مسلط نہ کردی اور آپؐ کو اپنے دفاع کے لیے مجبور نہ کردیا۔ چنانچہ تقاضائے فطرت کے مطابق وہ موقع بھی آن پہنچا کہ قدرت نے کفار کے بڑھتے ہوئے ظلم وتشدد کو روکنے کے لیے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت عطا کردی۔ ارشاد رب العزت ہے:

"جن مسلمانوں کے خلاف کافر لڑا کرتے ہیں اب انہیں بھی جنگ کی اجازت ہے۔ اس بنا پر کہ ان پر مظالم ہوئے اور یقیناً اللہ تو اُن کی مدد پر قادر ہے"۔

مؤرخین کا کہنا ہے کہ ان حالات میں اگر یہ اجازت نہ ملتی اور کفار کے خلاف

جنگ نہ کیا جاتا تو اُن کی ملّی بقا خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ اگرچہ اسلام امن وسلامتی و آشتی کا پیامبر ہے' لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دشمنوں کی چیرہ دستیوں اور فتنہ انگیزیوں کو دیکھتے ہوئے بھی خاموش رہا جائے اور انہیں اپنی من مانی کارروائیاں کرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا جائے۔ اللہ رب العزت نے مظلوم اور ستم رسیدہ لوگوں کو یہ حق دیا کہ وہ دشمن کی بڑھتی ہوئی جارحیت کے انسداد اور اپنے جان و مال کے تحفظ کے لیے جدوجہد کریں۔ مسلمان تو اس وقت انتہائے مظلومیت پر تھے اور اُن سے جینے کا حق چھین لیا گیا تھا' لہٰذا اُن کے لیے جنگ کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ ویسے بھی جنگ کا موردِ الزام وہی ٹھہرتا ہے جو دوسرے پر جنگ مسلط کرتا ہے' انسانی حقوق کو پامال کرتا ہے' چیرہ دستی کرتا ہے اور کمزور و ناتواں لوگوں کو اپنے ظلم کا نشانہ بناتا ہے۔ اپنے حقوق کا تحفظ کرنے' فتنہ وفساد کے انسداد اور اعتقاد وعمل کی آزادی کے لیے دشمن سے ٹکرانا ہرگز موردِ الزام قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اسلام بنیادی طور پر حرب و پیکار سے متنفر اور خونریزی کے مخالف ہے اور تمام عالم کے لیے امن وسلامتی کا مظہر ہے جیسا کہ لفظ اسلام ہی سے ظاہر ہے جو "سلم" سے مشتق ہے جس کے معنی امن وسلامتی اور صلح کے ہیں۔ رنگ ونسل اور اعتقاد کے اختلاف کی بنا پر فوج کشی اور صف آرائی اسلام میں قطعاً مذموم ہے۔ اسلام تو صرف دو صورتوں میں جنگ کی اجازت دیتا ہے۔

① یہ کہ دشمن مسلمانوں کے استیصال کے لیے مرکزِ اسلام پر حملہ آور ہوا ہو اور جنگ کے بغیر جان و مال اور ناموس کا تحفظ ممکن نہ ہو۔

② یہ کہ دشمن جنگی تیاریوں[1] میں مصروف ہو اور ڈھیل دینے کی صورت میں اس کی عسکری قوت اور مادی وسائل کے بڑھ جانے کا خدشہ ہو۔

پیغمبرؐ اسلام نے بھی انہی دو صورتوں میں علمِ جنگ بلند کیا اور مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ حیاتِ ملّی اور حفاظتِ خوداختیاری کے قیام و بقا کے لیے دشمن سے لڑیں۔ مسلمان

اگرچہ ابتداء میں کمزور تھے لیکن وہ اپنی بے سروسامانی کے باوجود دشمن کی حشر سامانیوں سے ٹکرا گئے۔ کبھی بدر کے کنوؤں پر، کبھی اُحد کی پہاڑیوں میں اور کبھی مدینہ میں رہ کر اپنی مدافعت اور حفاظت کے لیے کوششیں کیں۔ ان مقامات کے محل وقوع سے صاف ظاہر ہورہا ہے کہ ہمیشہ دارالکفر کے رہنے والوں نے دارالسلام کے باسیوں پر جنگ مسلط کی۔ پیش قدمی دشمن ہی کی طرف سے ہوئی البتہ مسلمان اس پیش قدمی کو روکنے کے لیے صف آرا ہوگئے۔ محض خیبر ایک ایسا مقام ہے جو اسلام کے مرکز سے دُور تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ وہی لوگ تھے جو اپنی عہد شکنی کے نتیجے میں مدینے سے نکالے گئے تھے اور اب ایک بڑے لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے پر تول رہے تھے۔ وہ اپنے اڑوس پڑوس کے قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملا کر مضبوط فوجی اتحاد قائم کر چکے تھے۔ اگر پیغمبرؐ اسلام اُن کی پیش قدمی کو نہ روکتے تو وہ مسلمانوں پر شدید حملہ کرتے اور دشمنوں کے اس سیلاب کو روکنا ممکن نہ رہتا۔

ماسلام کے فلسفۂ جہاد، اخلاقی حدود، شرائطِ جدل اور جنگی ہدایات وغیرہ کا تذکرہ ابتداء میں کیا جاچکا ہے البتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے کچھ بعد کچھ جارحانہ جنگیں بھی لڑی گئیں جن میں اخلاقی حدود اور اسلامی شرائطِ جہاد کو نظر انداز کردیا گیا اور کچھ لوگوں نے حق کا معیار قہر و غلبہ کو قرار دے کر ان جنگوں کو بھی اسلامی جہاد میں شامل کرلیا ہے اور قتل و خونریزی کے ذریعے ہونے والی کامیابی کو حق و صداقت کی فتح کا نام دیا ہے۔ حالانکہ اسلام نے ایسے اقدامات سے سخت منع کیا ہے۔ دراصل یہ جنگیں اسلامی تعلیمات کے زیر اثر قطعاً نہیں لڑی گئیں اور نہ ان سے کوئی اسلامی مفاد حاصل ہوا۔ اسلام تو لا اکراہ فی الدین کا پرچارک مذہب ہے۔ نیز قرآن میں جہاں جہاں بھی آیاتِ جہاد نازل ہوئی ہیں وہ محض ایسے مواقع کے لیے ہیں جہاں دشمنِ اسلام کو قوت و طاقت سے دبانے اور مسلمانوں کی جمعیت کو کچلنے کے لیے لشکر کشی کرتا ہے۔

اسلام کی طرف سے نہ جارحانہ اقدام کی اجازت ہے اور نہ زبردستی اپنے عقائد

…نے کی۔ کچھ ملک گیر کشور کشائیاں کرنے والے مسلمان شہنشاہ ضرور ایسی کارروائیوں کے ذمہ دار تھے لیکن یہ اُن کا ذاتی فعل تھا لیکن اُن کی یہ ہوسِ ملک گیری اسلام کے پھیلاؤ کے بجائے اپنی سلطنت کے پھیلاؤ کے لیے تھی لہٰذا یہ کہنا ہرگز ہرگز غلط ہے کہ اسلام تلوار اور دباؤ کا مرہونِ منت ہے۔ حقیقی اسلام کے پھیلاؤ کی ضمانت کو ائمہ معصومینؑ کے طریقۂ عمل میں مضمر ہے۔ آئندہ صفحات میں اسلام کے دفاعی پہلو اور ان جنگوں کے فاتح اور علم بردار حضرت علیؑ کی بے مثال کارکردگی اور بے نظیر شجاعت پر روشنی ڈالنے کا اہتمام کیا گیا ہے جس کی ابتداء ہم حضرت علامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہٗ کے اس بیان سے کرتے ہیں:

> ''حضرت علی علیہ السلام نے تبوک کے علاوہ تمام جنگوں میں پورے جوش و ولولہ سے حصّہ لیا اور اپنی خداداد قوت سے دشمنوں کے پرے اُلٹے مگر کسی مرحلہ پر نہ کسی بھاگنے والے کا پیچھا کیا نہ کسی زخمی پر ہاتھ ڈالا اور نہ کسی کی پردہ دری کی اور تاریخ میں ایسی مثالیں چھوڑ گئے جنہیں ہمیشہ اسلام کی اصول پرستی، صلح پسندی اور امن دوستی کے ثبوت میں پیش کیا جاتا رہے گا''۔

❁ ❁ ❁

غزوۂ بدر

۲ھ

کفارِ قریش نے مکہ میں مسلمانوں کا جینا دوبھر کردیا تو وہ مدینہ ہجرت کر گئے لیکن ہجرت کے بعد قریش انصارِ مدینہ کو بھی اپنا دشمن سمجھنے لگے اور پیغمبر اکرمؐ کی حمایت وحفاظت نیز اسلام کی روز افزوں ترقی کا سامان کرنے پر انصارِ مدینہ پر فردِ جرم عائد کردی۔ وہ مکہ کے بعد مدینہ میں ایک نئے دین کو پھلتا پھولتا دیکھ کر آتش زیرپا ہوگئے اور اپنے آداب و رسوم اور معاشرتی روایات کے تحفظ کے لیے اس نئے دین کو بیخ وبُن سے اُکھاڑ پھینکنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اُن کی خواہش تھی کہ یا یہ دین ختم ہوجائے یا اس کے ماننے والے اس سے دستبردار ہوجائیں۔ قرآن مجید نے اُن کے اس قبیح عزم وخواہش کی عکاسی یوں کی ہے:

"یہ کفار ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا بس چلے تو تمہیں دین سے پھیر دیں"۔

ادھر یہودِ مدینہ بھی پیغمبر اکرمؐ سے دفاعی تعاون کا معاہدہ کرلینے کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑھتی ہوئی طاقت کو اپنے لیے خطرہ خیال کرتے ہوئے قریش سے رابطے کرنے لگے۔ یوں یہود وکفار نے باہم گٹھ جوڑ کر کے ایک مشترکہ محاذ بنالیا اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنے لگے۔ فتنہ وفساد کو ہوا دینے کے لیے کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہوں پر حملہ کر کے اہلِ مدینہ کے مویشی ہنکا لیے تو آنحضرتؐ نے وادیٔ سفوان تک اس کا پیچھا کیا لیکن وہ ہاتھ سے نکل گیا۔ اس طرح کی فتنہ انگیزیوں کے

ں کے لیے حضورؐ نے عبداللہ بن جحش کو چند لشکریوں کے ہمراہ نخلہ کی طرف روانہ کیا، ف اور مکہ کے درمیان واقع ہے۔ نخلہ میں ان کے ورود کے وقت قریش کا ایک ائف سے آتے ہوئے وہیں فروکش ہوا تو عبداللہ کے ہمراہیوں میں سے ایک نے فلے کے ایک شخص کو تیر مار کر ہلاک کردیا اور دو کو گرفتار کرلیا گیا۔ عبداللہ وغیرہ ان یوں اور تجارتی قافلہ کے مال ومتاع کو سمیٹ کر مدینہ پہنچ گئے۔ آنحضرتؐ نے عبداللہ کو سرزنش کی کیونکہ ماہِ رجب کی آخری تاریخ کو یہ واقعہ ہوا تھا اور اس مہینے میں جنگ منع ہے۔ آپؐ نے قیدیوں کو آزاد کردیا اور قافلے کا لوٹا ہوا مال بھی واپس کردیا۔

پیغمبر اکرمؐ کی اجازت کے بغیر عبداللہ بن جحش سے سرزد ہونے والے اس انفرادی ر بھی قریش نے جنگ چھیڑنے کا بہانہ ڈھونڈ لیا اور اپنے مقتول (عمرو بن الحضرمی) صاص کا ڈھنڈورا پیٹ کر جنگی تیاریاں کرنے لگے۔ ابوسفیان کی مکہ واپسی پر مسلمانوں لہ کرنے کا فیصلہ ہوا۔ ابوسفیان تجارتی قافلے کے ہمراہ شام سے مکہ واپس آرہا تھا اور ے مدینہ سے گزرنا تھا۔ اُس نے قریش کو غلط اور شرانگیز پیغام بھیجا کہ مسلمان دھاوا بول مارا تجارتی مال لوٹنا چاہتے ہیں لہٰذا تم جنگی ہتھیاروں کے ساتھ نکل کھڑے ہو۔ قریش لے ہی جنگ کے لیے آمادہ تھے، فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اُدھر ابوسفیان نے عام راستے کے بجائے ساحلِ سمندر کا راستہ اختیار کیا اور ریعہ جدہ مکہ پہنچ گیا۔ کچھ لوگوں نے کہا اب جنگ کی کیا ضرورت ہے مگر ابوجہل نہ مانا۔ ں کی ہٹ دھرمی سے صاف ظاہر تھا کہ قریش قافلہ کے بچاؤ کے بجائے ہر حالت میں مانوں پر جنگ مسلط کرنا چاہتے تھے۔ ادھر ابوسفیان کے قافلے اور ابوجہل کی کمان میں نے والے مسلح لشکر کی اطلاع مسلمانوں کو بھی پہنچ چکی تھی۔ چونکہ مسلمان تعداد میں کم اور سامان تھے اس لیے وہ مسلح قافلے کے بجائے ابوجہل سے مڈبھیڑ ہوجانے کو بہتر تے تھے۔ اس کی شہادت قرآن کی زبانی سنیے:

جب اللہ نے تمہیں اطلاع دی کہ کفارِ مکہ کے دو گروہوں میں سے

ایک سے تمہارا سامنا ہوگا اور تم لوگ یہ چاہتے تھے کہ جو قوت و
طاقت نہیں رکھتا وہ تمہارے حصّہ میں آئے"۔

اموی ہوا خواہوں نے تو مؤرخین سے یہ تک لکھوا ڈالا کہ پیغمبرؐ ابوسفیان کے قافلے کو لوٹنے نکلے تھے مگر اچانک کاروانِ تجارت کے بجائے لشکرِ قریش سے سامنا ہوگیا اور جنگ چھڑ گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مسلمانوں کی نظریں مال و دولت پر تھیں اور وہ قافلہ کو لوٹنے کی خواہش رکھتے تھے مگر رسولِؐ خدا کو بھی اس میں شریک کرلینا ستم ظریفی کی انتہا ہے۔

بخاری کی ایک روایت ہے:

"رسولِؐ خدا تو قریش کے تجارتی قافلے کے ارادے سے نکلے تھے
مگر اللہ تعالیٰ نے اچانک ان کا اور ان کے دشمنوں کا سامنا کرا
دیا"۔ (ج ۳، ص ۴)

جب کہ اس کے برعکس حقیقت کی ترجمانی قرآنِ مبین نے کی ہے۔ واقعاتِ بدر کے سلسلے میں ارشاد ہے:

"جس طرح تمہارے پروردگار نے تمہیں حق کے ساتھ گھر سے باہر
بھیجا، اس حالت میں کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جنگ سے ناگواری
محسوس کر رہا تھا اور حق کے ظاہر ہونے کے بعد حق کے بارے میں
تم سے جھگڑ رہا تھا۔ گویا ان کی آنکھوں کے سامنے انہیں موت کی
طرف دھکیلا جا رہا ہے"۔

اس تصریحِ قرآن کی روشنی میں یقیناً رسولِؐ خدا ابوسفیان کے قافلے کے لیے نہیں بلکہ لشکرِ قریش کے سامنے صف آرا ہونے کے لیے نکلے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمان بھی مزید وضاحت کے لیے پیش ہے:

"پیغمبرِ اکرمؐ بدر کے بارے میں پوچھا کرتے تھے جب ہمیں معلوم
ہوا کہ مشرکین آگے بڑھ آئے ہیں تو رسولِ اکرمؐ بدر کی جانب روانہ
ہوئے۔ بدر ایک کنویں کا نام ہے جہاں ہم مشرکینِ قریش سے پہلے
پہنچ گئے"۔ (طبری، ج ۲، ص ۱۳۳)

مختصراً کفر و اسلام کا پہلا معرکہ رونما ہونے والا تھا۔ حضور نبی اکرمؐ نے مسلمانوں کا عندیہ معلوم کرنا چاہا کہ وہ کہاں تک عزم و ثبات کے ساتھ دشمن کا دفاع کر سکتے ہیں۔ آپ کے استفسار پر لوگوں نے مختلف جوابات دیئے۔ حضرات شیخین کے جواب پر حضورؐ نے منہ پھیر لیا (صحیح مسلم)۔ مقداد بن اسود نے پیغمبرؐ کے چہرے پر تکدر کے آثار دیکھے تو عرض کیا:

"یارسولؐ اللہ! ہم بنی اسرائیل نہیں ہیں کہ جنہوں نے حضرت موسیٰؑ
سے کہا تھا: تم جاؤ اور تمہارا خدا اور تمہی دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے
ہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو رسالت سے سرفراز کیا
ہے ہم آگے آگے پیچھے اور دائیں بائیں رہ کر لڑیں گے، یہاں تک
کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتح و نصرت عطا کرے"۔

اس جواب پر پیغمبرِ اکرمؐ شاد ہوئے اور مقداد کے حق میں دعا فرمائی۔ پھر انصار کی طرف رخ کر کے اُن کی رائے معلوم کی تو سعد بن معاذ انصاری نے بڑی گرمجوشی سے عرض کیا:

"یارسولؐ اللہ! ہم آپؐ پر ایمان لائے اور اطاعت کا عہد کیا لہٰذا ہم
آپؐ کے ساتھ ہیں۔ اگر آپؐ سمندر میں کودیں گے تو ہم آپؐ
کے ساتھ کودیں گے اور کوئی چیز ہماری راہ میں حائل نہیں ہوگی۔
آپؐ اللہ کا نام لے کر اُٹھ کھڑے ہوں۔ ہم میں سے کوئی ایک
شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا"۔

پیغمبرِ اکرمؐ اس جواب پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

"خدا کی قسم! اب میں دشمن کے گر کر مرنے کی جگہوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں"۔

حضرت علیؑ بدر کی پیش بندی میں

پیغمبرِ اکرمؐ ۷۷ مہاجرین اور بقیہ انصار کے ۳۱۳ ہمراہیوں کی ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور بدر نامی چاہ سے کچھ فاصلے پر پڑاؤ ڈالا۔ دشمن کے اچانک حملے یا شب خون مارنے کے اندیشے کے پیش نظر آپؐ نے پیش بندی کرتے ہوئے حضرت علیؑ، سعد بن ابی وقاص اور زبیر ابن عوام کو حکم دیا کہ آگے بڑھ کر دشمن کے ٹھکانے کا پتہ لگائیں اور دیکھیں کہ وہ کتنے فاصلے پر موجود ہے۔ یہ تینوں دشمن کی تلاش میں چاہ بدر تک پہنچ گئے۔ وہاں پر چند اشخاص کو دیکھا جو انہیں دیکھتے ہی بھاگ اُٹھے۔

حضرت علیؑ کا قریش کے سقّوں کو گرفتار کرنا

حضرت علیؑ نے ان بھگوڑوں کا تعاقب کیا اور ان میں سے دو غلاموں کو پکڑ لیا اور انہیں اپنے ساتھ لے کر دربارِ رسولؐ میں حاضر کر دیا۔ رسول اکرمؐ نماز میں مصروف تھے۔ صحابہ انہیں دیکھتے ہی ان کے اردگرد جمع ہو گئے اور لگے پوچھنے کہ تم کون ہو؟ کیا ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم قریش کے سقے ہیں' ہمیں پانی لانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ قریش کا نام سنتے ہی صحابہ کے تیور بگڑ گئے اور انہیں مار پیٹ کے یہ کہلوانے کی کوشش کرنے لگے کہ وہ قریش کے غلام نہیں بلکہ ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ انہوں نے ڈر کے مارے کہہ دیا ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ پیغمبرِ اکرمؐ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

"یہ عجیب بات ہے کہ وہ سچ بولتے ہیں اور تم انہیں پیٹتے ہو اور جھوٹ بولتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہو۔ یہ قریش ہی کے بھیجے ہوئے آدمی ہیں"۔

پھر حضورؐ نے خود اُن سے پوچھ گچھ کی تو انہوں نے ابوسفیان اور اس کے قافلے سے لاعلمی کا اظہار کیا اور بتایا کہ قریش کا لشکر یہاں سے تین میل کے فاصلے پر موجود ہے۔ حضورؐ نے لشکر کی تعداد معلوم کی تو کہنے لگے: ہمیں لشکر کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں البتہ کبھی نو اور کبھی دس اُونٹ نحر کیے جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "پھر ان کی تعداد نو سو سے لے کر ایک ہزار تک ہے"۔ پھر آپؐ نے اُن سے ان کے سرکردہ افراد کے نام دریافت کیے تو انہوں نے قریش کے چند سرداروں کے نام لیے۔ آپؐ نے فرمایا: "مکہ تو نے اپنے جگر پاروں کو میدان میں لا اُنڈیلا ہے"۔

لشکرِ قریش وادیٔ بدر کے آخری کنارے پر ریت کے ایک ٹیلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ قریباً ایک ہزار لشکری' سات سو اُونٹ' تین سو گھوڑے اور نیزوں' تلواروں' ہتھیاروں کی کمی نہ تھی۔ اس کے برعکس مسلمان تعداد میں کم' سامانِ جنگ میں چند تلواریں' گنتی کی زرہیں' بار برداری و سواری کے لیے صرف ۷۰ اُونٹ اور دو گھوڑے تھے۔ جہاں پڑاؤ ڈالا ہوا تھا وہاں پاؤں ریت میں دھنس جاتے تھے مگر اللہ کی کارسازی سے رات کو خوب بارش ہوئی جس سے ریت جم گئی اور پینے کے لیے پانی بھی فراوانی سے میسر ہو گیا۔ اس تائیدِ خداوندی سے مسلمانوں کی ہمت بندھ گئی اور وہ پورے مجاہدانہ جوش و جذبے کے ساتھ دشمن سے ٹکرانے کے لیے آمادہ ہو گئے۔

ابن اثیر' طبری اور دیگر مؤرخین نے جنگ بدر کے واقعات میں سعد بن معاذ کے مشورے سے بنائے جانے والے ایک چھپر اور رسولؐ اللہ کے اس میں فروکش ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن درایت اس روایت کو جھوٹ کا پلندہ جانتی ہے۔ ابن ابی الحدید نے سچ کہا تھا:

"مجھے عریش (چھپر) کے معاملہ میں بڑی حیرت ہے کہ کھجور کی اتنی شاخیں جن سے چھپر بنایا گیا' کہاں سے مہیا کی گئیں جبکہ بدر کی

سرزمین پر کھجور کے درخت پائے ہی نہیں جاتے تھے"۔

علامہ طبری نے بھی اعتراف کیا ہے کہ تمام امور لشکر سے علیحدہ رہ کر ایک چھپر میں بیٹھ کر بھلا کیسے انجام دیئے جاسکتے ہیں۔

واقعاتِ بدر بھی شاہد ہیں کہ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو کر اُن کا جوش و ولولہ بڑھایا۔ لشکر کی صف بندی کی' میمنہ و میسرہ ترتیب دیا' موقع و محل کے مطابق جنگ کے احکام صادر فرمائے حتیٰ کہ دشمنوں کے قتل ہو ہو کر گرنے کے واقعات کی نشاندہی کی اور ایک ماہر سپہ سالار کی طرح فوج کی کمان کی۔

حضرت امیرالمومنینؑ رسولِ خدا کی بدر کے دن سرگرمی و سرجوشی کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

"جب بدر کا دن آیا اور لوگ حاضر ہوئے تو ہم رسولؐ اللہ کے دامن میں پناہ لیتے تھے۔ آپ کا رعب و دبدبہ سب لوگوں سے زیادہ تھا اور ہم سب لوگوں سے زیادہ آپؐ دشمن کے قریب پہنچے ہوئے تھے۔ جنگ بدر میں لشکرِ قریش میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل تھے جو در پردہ اسلام لا چکے تھے لیکن ابھی اعلانِ اسلام نہ کر سکے تھے۔ یہ لوگ جنگ میں شریک ہونا نہ چاہتے تھے۔ مگر قریش انہیں زبردستی اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ رسولؐ خدا نے ضروری سمجھا کہ جنگ کے آغاز سے پہلے ان لوگوں کے بارے میں مسلمانوں کو آگاہ کر دیں"۔

چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

"مجھے معلوم ہے کہ بنی ہاشم اور غیر بنی ہاشم میں سے کچھ افراد اگرچہ لشکر کفار میں شامل ہیں مگر وہ ہم سے جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے

لہٰذا تم میں سے کوئی ابوالبختری ابن حارث' عباس ابن عبدالمطلب یا کسی ہاشمی کو دیکھے تو اسے قتل نہ کرے۔ اس لیے کہ وہ جبراً لائے گئے ہیں"۔

پیغمبرِ اسلام کے اس اعلان پر بھی کچھ لوگ ناگواری کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکے۔ یفہ ابن عتبہ نے کہا: "ہم اپنے ماں باپ' بیٹوں' بھائیوں اور عزیزوں کو تہِ تیغ کریں باس کو چھوڑ دیں۔ خدا کی قسم! اگر میں ان سے دوبدو ہوا تو انہیں قتل کیے بغیر نہیں ں گا"۔

ؑ رایت بردارِ بدر

مذکورہ بالا ضروری ہدایت کے بعد رسولِ خدا نے فوج کی صفیں درست کر کے اور منہ و میسرہ ترتیب دے کر رایتِ جنگ حضرت علیؑ کو دیا' اس وقت آپؑ کی عمر مبارک بیس س کی تھی۔ (ابن کثیر' البدایہ والنہایہ' ج ۷' ص ۲۲۴)

تفصیلی معلومات کے مطابق انصار کا علم سعد ابن عبادہ کو اور مہاجرین کا رایت علیؑ بن ابی طالبؑ کو عطا کیا گیا۔ دشمن بھی ہتھیار سنبھالے میدان میں اُتر آیا۔

علیؑ فاتحِ بدر

قریش کی صفوں سے عتبہ ابن ربیعہ' اس کا بھائی شیبہ اور بیٹا ولید نکل کر مبارز طلب ہوئے۔ مسلمانوں کی طرف سے عوف ابن حارث' معوذ ابن حارث اور عبداللہ ابن رواحہ مقابلہ کے لیے نکلے۔ عتبہ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: ہم انصارِ مدینہ ہیں۔ عتبہ نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا: تم ہمارے ہم مرتبہ نہیں ہو' پلٹ جاؤ اور پھر پیغمبر گرامیؐ سے مخاطب ہوا:

"اے محمدؐ! ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہم سروں کو بھیجو جو ہماری قوم میں سے ہوں"۔

پیغمبرِ اسلام نے قریش کی اس رعونت کو دیکھتے ہوئے کہ وہ انصار کو اپنا مدمقابل نہیں جانتے، ان انصاریوں کی جگہ عبیدہ ابن حارث، حمزہ ابن عبدالمطلب اور علیؑ ابن ابی طالب کو بھیجا۔ عتبہ نے قریش کا مطالبہ کیا تھا مگر رسولؐ خدا نے قریشی، ہاشمی، مطلبی مقابلہ کے لیے بھیجے تاکہ کل کو کوئی یہ نہ کہے کہ اپنے قریبیوں اور عزیزوں کو بچائے رکھا اور دوسروں کو جنگ کے شعلوں میں جھونک دیا۔ عبیدہ ستر سال کے بزرگ تھے۔ حمزہؓ حضورؐ کے ہم عمر اور حضرت علیؑ بیس سالہ نوجوان جو پہلی مرتبہ میدانِ کارزار میں اُتر رہے تھے۔ جب عتبہ کو معلوم ہوا کہ عبیدہ، حمزہ اور علیؑ لڑنے کے لیے آئے ہیں تو وہ کہنے لگا: یہ برابر کا جوڑ ہے۔

حضرت عبیدہ عتبہ سے، حضرت حمزہ شیبہ سے اور حضرت علیؑ ولید سے نپٹنے کے لیے آگے بڑھے۔ ولید نے تلوار سونت کر حملہ کرنا چاہا تو حضرت علیؑ نے تیر مار کر اسے بے بس کر دیا اور اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ حملہ آور ہو سکے۔ اس نے تیر کھاتے ہی اپنے باپ کے دامن میں پناہ لینا چاہی مگر فرزندِ ابوطالبؑ کی شمشیرِ شرر بار سے بچ نہ سکا اور باپ کی آغوش میں پہنچنے سے پہلے ہی موت کی آغوش میں پہنچ گیا۔

شیرِ کردگار علیؑ ولید کو قتل کرنے سے فارغ ہوئے تو مسلمانوں کی آوازیں سنائی دیں: اے علیؑ! شیبہ آپؑ کے چچا حمزہ پر غالب آ رہا ہے۔ علیؑ نے آگے بڑھ کر دیکھا تو دونوں کو آپس میں گتھا ہوا پایا۔ تلواریں کند ہو چکی تھیں اور ڈھالوں کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ علیؑ کی تیغِ بے دریغ نے شیبہ کا سر بھی اُڑا ڈالا۔ اب حضرات علی و حمزہ عتبہ کی طرف بڑھے جو جنابِ عبیدہ سے نبرد آزما تھا۔ عبیدہ عتبہ کے ہاتھوں گھائل ہو کر تابِ مقاومت کھو چکے تھے۔ قریب تھا کہ عتبہ انہیں شہید کر دے کہ علیؑ و حمزہؓ کی تلواروں نے عتبہ کا کام تمام کر دیا۔ وہ خاک و خون میں تڑپنے لگا تو اسلام کے یہ دونوں جانثار اپنے ساتھی عبیدہ کو شدید زخمی حالت میں اُٹھا کر رسولؐ خدا کی خدمت میں لے آئے۔ آپؐ نے عبیدہ کا سر اپنے زانوئے مبارک پر رکھا۔ عبیدہ کا پاؤں کٹ چکا تھا اور پنڈلی کی ہڈی سے گودا بہہ رہا تھا۔ آپؐ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ آنسو عبیدہ کے چہرے پر گرے تو انہوں

نے آنکھیں کھول کر رسولؐ خدا کی طرف دیکھا اور عرض کیا:

یا رسولؐ اللہ! کیا میں بھی شہیدوں میں محسوب ہوں گا؟

فرمایا: ہاں! آپ بھی شہیدوں میں شمار ہوں گے۔

عبیدہ نے کہا: کاش آج ابوطالب زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ ہم نے اُن کی بات کو غلط نہیں ہونے دیا کہ ہم محمدؐ کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کریں گے جب لڑتے لڑتے ان کے سامنے مر جائیں اور بیوی بچوں کی یاد سے غافل کر دیئے جائیں۔

قریش کے یہ مانے ہوئے سورما واصلِ جہنم ہوئے تو کفار پر خوف و ہراس چھا گیا۔ ابوجہل نے اس صورتِ حال کو دیکھا تو لگا چیخنے اور دم دلاسے دے کر ہمت بندھانے۔ اس کی اسی تحریک کے نتیجے میں طعیمہ ابن عدی کو جوش آیا اور وہ بدمست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا نکلا۔ شیرِ جلی نے ایسا نیزہ مارا کہ لڑکھڑا کر زمین پر گرا اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ گیا۔ اس موقع پر حضرت علیؑ گویا ہوئے:

"خدا کی قسم! آج کے بعد یہ کبھی اللہ کے بارے میں ہم سے جنگ اور دشمنی پر نہیں اُترے گا"۔

طعیمہ کے بعد عاص ابن سعید میدان میں اُترا تو اللہ کے شیر نے اُسے اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر عبداللہ ابن منذر اور حرملہ ابن عمر گرجتے دندناتے ہوئے آئے مگر جلد ہی اسداللہ کی تلوار سے لقمۂ اجل ہو گئے۔ اب حنظلہ پیچ و تاب کھاتا ہوا نکلا۔ یداللہ نے تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ چلایا کہ اس کا سر دو پارہ ہو گیا۔ آنکھیں باہر آ گئیں اور تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ حنظلہ ابوسفیان کا بیٹا اور معاویہ کا بھائی تھا۔ اس سے پہلے اسی جنگ میں اس کا نانا عتبہ اور ماموں ولید حضرتؑ کے دستِ اجل سے مٹ چکے تھے۔ اس کا اظہار نہج البلاغہ میں موجود حضرتؑ کے معاویہ کے نام ایک خط میں یوں ہوتا ہے:

"میں (کوئی اور نہیں) وہی ابوالحسن ہوں جس نے تمہارے نانا عتبہؔ ماموں ولید اور بھائی حنظلہ کے پرخچے اُڑا کر بدر کے دن مارا تھا"۔

جنگِ مغلوبہ اور کردارِ علیؑ

اب دشمن سمجھ گیا کہ اکیلے دوکیلے ضیغم الٰہیؑ کے بالمقابل جانا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ چنانچہ اُن روباہ صفتوں نے جنگِ مغلوبہ کے لیے بڑھنا شروع کیا۔ مسلمان مجاہدین نے بھی ان کی بڑھتی ہوئی یلغار کے جواب میں قدم آگے بڑھانا چاہا مگر رسولؐ خدا نے حکم دیا کہ اپنی صفوں کو درہم برہم نہ کرو اور قریش کے حملہ کو تیروں سے روکو۔ پھر دعا فرمائی: "بارالٰہا! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ پروردگار اپنے وعدۂ نصرت کو پورا فرما"____ پھر نیند کی ایک جھپکی لی اور آنکھیں کھولیں تو فرمایا: "خدا کا شکر ہے اس نے میری دعا قبول فرمائی اور ہماری امداد کے لیے فرشتے بھیج دیئے"۔ ارشاد رب العزت ہوا: "میں ایک ہزار فرشتوں سے، جو پے در پے آئیں گے تمہاری مدد کروں گا"۔

اب قریش تیر بارانی کے مقابلے میں تیر بارانی کرتے ہوئے لشکرِ اسلام کے قریب پہنچ چکے تھے۔ احمدِ مرسلؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ایک دم حملہ کر کے اُن پر ٹوٹ پڑیں۔ ایک دم تلواروں کی جھنکار اور تیروں کی بوچھار سے میدانِ بدر گونج اُٹھا۔ مسلمانوں نے خوب تلواریں چلائیں، مخالف صفوں کو چیرا اور دشمنوں کو تہِ تیغ کیا۔ علیؑ و حمزہؓ شیروں کی طرح حملہ آور ہوئے اور کفار بھیڑوں کی طرح تتر بتر ہوگئے۔ سعد کہتے ہیں:

"میں نے بدر کے دن علیؑ کو لڑتے دیکھا، اُن کے سینہ سے گھوڑے کے ہنہنانے کی سی آواز نکل رہی تھی اور برابر رجز پڑھتے جاتے تھے اور جب پلٹے تو اُن کی تلوار خون سے رنگین تھی"۔

اچانک حضرت علیؑ کے سامنے سے پیغمبرِ اسلام کا انتہائی خبیث دشمن نوفل ابن خویلد

...را۔ آپؑ نے اس کے سر پر ایسی ضرب رسید کی جو اس کے خود کو کاٹتی ہوئی اور سر کو ...تی ہوئی جبڑے تک اُتر آئی۔ دوسرا وار اس کی ٹانگوں پر کیا جس سے اس کے دونوں ...ں کٹ گئے۔ رسولِ معظمؐ اس دشمنِ خدا و رسولؐ کو قتل ہوتا دیکھ کر دلشاد ہوئے اور فرمایا: ...لله کا شکر ہے کہ اس نے میری دعا کو شرفِ قبولیت عطا کیا"۔

کفار کا زور ٹوٹ گیا۔ برادرِ ابوجہل ہشام اور دیگر سردارانِ قریش جہنم واصل ...ئے۔ دشمن شکست کی آخری منزل پر پہنچ گیا۔ زوالِ آفتاب زوالِ کفر بن کر آیا۔ دشمن ...ار ڈال کر اور مال و اسباب چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ مسلمانوں نے کفار کے پیچھے ...ک کر انہیں قتل کرنے کے بجائے گرفتار کرنا شروع کیا تا کہ زرِ فدیہ حاصل کر سکیں۔

تمام واقعاتِ جنگ مطمعِ موضوع نہیں لہٰذا اجمالاً فتح بدر علیؑ کا جشنِ شجاعت بن کر ...ب ہوئی۔ لوگوں نے مالِ غنیمت اور زرِ فدیہ حاصل کیا اور اسد اللہ نے ہمیشہ کی طرح ...کی رضائیں اور محمدؐ کی دعائیں پائیں۔ آیئے اب ہم متنازعہ بحثوں کو چھوڑ کر شجاعتِ علیؑ ...غزوۂ اُحد کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔ خواہش ہے کہ موضوع کا حصار اور واقعات کا ...صار ذہن نشین رہے۔ نیز جنگوں کے تذکرے میں تکرار ہو اور نہ اس تیز رفتار دور کے ...ین کے اذہان پر بار۔

❁ ❁ ❁

غزوۂ اُحد

۳ھ

جنگِ بدر میں قریش کے ۷۰ نامور سورما مارے گئے تھے' ۷۰ قیدی بنا لیے گئے اور باقی ہزیمت اُٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اس شکستِ فاش پر قریش کے دلوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ رہی تھی اور سینوں میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی۔ اس جوشِ انتقام کے سرد پڑ جانے کے خطرے سے اُنھوں نے عرب کے دستور کے مطابق اپنی عورتوں کو مقتولین پر رونے سے منع کر رکھا تھا۔ وہ فیصلہ کن جنگ لڑنے کا سوچ چکے تھے۔ ابوجہل اور دوسرے سردار مارے جانے کے سبب ابوسفیان کے قریش کا سربراہ بننے کا خواب پورا ہو چکا تھا۔ اس نے قریش کو اپنا گرویدہ بنانے کے لیے قسم کھائی کہ جب تک قریش کے کشتوں کا بدلہ نہ لے لوں سر میں تیل نہیں لگاؤں گا۔ چنانچہ ذی الحجہ ۲ ہجری کو وہ دوسو کی ایک جمعیت کے ساتھ مدینہ پر تاخت وتاراج کے ارادہ سے نکل کھڑا ہوا اور مدینہ کے قریب پہنچ کر کھیتوں میں کام کرتے ہوئے دو انصاری کسانوں کو قتل کر دیا اور کھجوروں کے ایک باغ کو نذرِ آتش کر دیا۔ رسولؐ خدا کو خبر ہوئی تو مقامِ کدر تک اس کا تعاقب کیا مگر وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ حملہ ایک بڑے حملے کی تمہید تھا۔ قریش کے سرداروں نے گذشتہ سال کی تجارت کا مشترکہ منافع (۵۰ ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اُونٹ) جنگی مصارف کے لیے مخصوص کر دیا۔ قرآن نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"یہ کفار اپنے مال کو اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ اس کے ذریعے

لوگوں کو راہِ خدا سے روک دیں۔ یہ عنقریب اسے خرچ کریں گے۔
پھر یہی مال اُن کے لیے حسرت واندوہ کا باعث ہوگا۔ یہ شکست
کھا جائیں گے اور کفر اختیار کرنے والے یہ لوگ سیدھے جہنم پہنچا
دیئے جائیں گے"۔

قریش اپنے مصارفِ جنگ سے مطمئن تھے البتہ جنگجوؤں کی کمی تھی جو انہوں نے مختلف قبائل میں آتش بیان شاعر بھیج کر پوری کی۔ نیز جنگجوؤں کے جذبات بھڑکانے کے لیے چودہ عورتوں کا طائفہ بھی فوج میں شامل کیا گیا۔ ابوسفیان کی زوجہ ہندہ اس کی سرکردہ تھی۔ جب تین ہزار کا یہ لشکر مٹھی بھر مسلمانوں کو کچلنے کے لیے مکہ سے روانہ ہوا تو آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباس نے ایک شخص کے ذریعے اطلاع آنحضرتؐ کو پہنچا دی۔ اس اچانک حملہ کی خبر کی تصدیق کے لیے حضورؐ نے دو آدمیوں کو بھیجا۔ انہوں نے واپس آ کر بتایا کہ حضرت عباس کی اطلاع سچ ہے۔ اگرچہ یہ وہی بدر کے شکست خوردہ لوگ تھے لیکن پہلے سے زیادہ تیار ہو کر آئے تھے نیز اہلِ تہامہ اور بنوکنانہ کی شمولیت سے ان کی جمعیت بڑھ گئی تھی۔ اس اچانک حملے سے مسلمانوں کی رائے میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا کہ کس طرح دشمن سے مقابلہ کیا جائے۔ کچھ کہتے تھے کہ ناکہ بندی کر کے یا پھر شہر میں محصور رہ کر دفاعی جنگ لڑی جائے۔ کچھ کا کہنا تھا کہ دشمن کو اپنی کمزوری اور بے طاقتی کا تاثر دینے کے بجائے شہر سے باہر نکل کر لڑا جائے۔ مختصراً نبی معظمؐ ہتھیار سجا کر مدینہ سے باہر نکلے اور فرمایا:

"نبی کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ جب وہ جنگ کا لباس پہن
لے تو پھر جنگ کیے بغیر اُسے اُتارے"۔ (تاریخ طبری' ج ۲' ص ۱۹۰)

آپؐ کے یہ الفاظ اطمینان' استقلال اور جہاد کے غیر متبدل ارادہ کے ترجمان ہیں کہ آپؐ نے غنیم سے کھلے میدان مقابلہ کرنا پسند فرمایا۔ ابن مکتوم کو مدینہ کا نگران ومنتظم مقرر کیا گیا اور ۱۴ شوال ۳ ہجری کو نمازِ جمعہ کے بعد ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ رسول اکرمؐ

کوہِ احد کی جانب روانہ ہوئے جہاں قریش کا لشکر پہلے ہی سے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت لشکرِ اسلام سے کٹ کر واپس مدینہ آ گیا اور شہر کی حدود سے باہر جنگ لڑنے کا خطرہ مول نہ لینے کا بہانہ بنایا۔ اب مسلمان صرف ۷۰۰ نفر رہ گئے۔ رسولِ معظمؐ نے اپنے ان لشکریوں کے ساتھ دامنِ کوہ میں پڑاؤ ڈالا۔

دوسرے دن یعنی ۱۵ شوال بروز ہفتہ دونوں طرف کی فوجوں نے اپنے اپنے مورچے سنبھال لیے۔ مشرکین تعداد میں بھی زیادہ تھے اور اسلحہ بھی ان کے پاس وافر تھا۔ ان کے لشکر میں ۷۰۰ زرہ پوش تھے اور مسلمانوں کے پاس کُل ایک سو زرہیں۔ اُن کے پاس تین ہزار اُونٹ اور دو سو کوتل گھوڑے اور یہاں صرف دو گھوڑے' ایک رسولؐ اللہ کے پاس اور دوسرا ابو بردہ کے پاس۔ سامانِ جنگ کی کمی متقاضی تھی کہ لشکر اس انداز سے ترتیب دیا جائے کہ دشمن کو ہر طرف سے حملہ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ حفاظتی تدابیر اپناتے ہوئے رسولِ پاکؐ نے کوہِ اُحد کو پسِ پشت رکھا اور مدینہ سامنے تھا۔ بائیں جانب کوہِ عینین کے ایک تنگ درہ پر عبداللہ ابن جبیر کی زیرِ نگرانی پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین کر دیا گیا اور اسے فتح و شکست ہر دو صورتوں میں اپنی جگہ نہ چھوڑنے کی تاکید کی گئی۔ اگر ایسا بندوبست نہ کیا جاتا تو کفار مسلمانوں کو حصار میں لے لیتے اور جانیں بچا کر لے جانا مشکل ہو جاتا۔

علیؑ رایت بردارِ اُحد

بقیہ لشکر کی صف بندی یوں کی گئی کہ میمنہ پر سعد ابن عبادہ کو' میسرہ پر اسیر ابن خضیر کو متعین کیا گیا۔ لوا مصعب ابن عمیر کو دیا اور رایتِ جنگ حضرت علیؑ کے سپرد کیا گیا' جو جنگِ بدر میں بھی علَم بردار تھے اور بعد ازاں بھی علَم بردارِ رسولؐ رہے۔

اُدھر دشمن کا لشکر بھی میمنہ' میسرہ اور قلبِ لشکر میں منقسم' ہبل نامی بت کو ساتھ لیے اعل ھبل (ہبل کا بول بالا) کا نعرہ لگاتے' کیل کانٹے سے لیس اور تیر اندازوں سے

ین آمادہ پیکار تھا۔ ہند اور اس کا طائفہ لشکر کی صفوں کے آگے کھڑا ہو کر جوش و جذبہ پیدا کرنے کے لیے دف بجا رہا تھا اور ٹھمک ٹھمک کر گا رہا تھا:

"ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں' قالینوں پر ناز و انداز سے اس طرح چلتی ہیں جس طرح سبک رو قطا پرندہ چلتا ہے۔ ہماری مانگ میں مشک بھری ہے اور گردنوں میں موتی جگمگا رہے ہیں' اگر تم آگے بڑھو گے تو ہم تمہیں گلے سے لگائیں گی اور تمہارے لیے مسندیں بچھائیں گی اور پیٹھ پھرائی تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گی' اس طرح کہ گویا تم سے کبھی چاہت ہی نہ تھی"۔

علی حیدرؑ کی تلوار

خواتینِ قریش کے اس ترانہ کے ختم ہوتے ہی طبلِ جنگ بجنے لگا اور دو بدو لڑائی شروع ہو گئی۔ قریش کا علَم بردار طلحہ ابن عثمان ہتھیار سجا کر بڑے کرّ و فر سے میدان میں اُترا اور طنزاً کہا:

"مسلمانو! تمہارا یہ خیال ہے کہ اگر تم میں سے کوئی مارا جائے تو جنت میں جاتا ہے اور ہم میں سے کوئی مارا جائے تو دوزخ ٹھکانا بنتا ہے' چنانچہ تم میں سے جو جنت جانا چاہے اور مجھے دوزخ بھیجنے کا آرزومند ہو آئے اور مجھ سے لڑے"۔

حیدرِ صفدرؑ تلوار لہراتے ہوئے اس سیاہ کار کے مقابلے میں نکلے۔ دونوں شمشیر بکف نبرد آزما ہوئے۔ طلحہ نے تلوار سے حملہ کیا۔ حضرت نے اس کا وار خالی دے کر جوابی حملہ کیا اور ایک ہی ضرب سے اُس کی دونوں ٹانگیں کاٹ کر رکھ دیں۔ کفر و معصیت کا پہاڑ لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا۔ خدا کے رسولؐ اور علیؑ کے آقا نے اسے زمین پر گرتے اور کفار کے علَم کو سرنگوں ہوتے دیکھا تو صدائے تکبیر بلند فرمائی' اہلِ اسلام نے اللہ اکبر کا نعرہ

لگایا۔حضرتؑ نے اس ملعون کا سر کاٹنا چاہا تو اسے برہنہ پایا' لہٰذا اس حالت میں دوسرا وار کرنا مناسب نہ سمجھا اور اسے تڑپتا سسکتا چھوڑ دیا۔سوال کیا گیا کہ آپؑ نے اُسے خاتمہ کیے بغیر کیوں چھوڑ دیا؟ فرمایا:

''جب وہ بے پردہ ہوگیا تو مجھے اس پر حملہ کرتے ہوئے شرم محسوس ہوئی اور پھر اس نے مجھے قرابت و عزیز داری کا واسطہ بھی تو دیا تھا''۔

مسلمانوں نے حوصلہ مندی سے آگے بڑھ کر کفار کے ریلے کو روکا' دونوں طرف سے کمانیں کڑکیں' تلواریں ٹکرائیں اور گھمسان کا رَن پڑا۔ابودجانہ انصاریؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؑ اور دیگر مجاہدین نے حملوں پر حملے کیے اور کفار کی صفوں کو اُلٹ کر رکھ دیا۔

اس جنگ میں رسولؐ عربی نے ابودجانہ کو ایک تلوار عطا کی تھی۔ ابودجانہؓ سر پہ سرخ پٹکا باندھے' تلوار ہاتھ میں لیے دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں چیرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ گئے جہاں خواتینِ کفار دف بجا بجا کر اپنے نغموں سے فوج میں جوش پیدا کررہی تھیں۔ آپ نے ہند بن عتبہ پر تلوار اٹھائی اور چاہا کہ اس کے پرخچے اُڑا دیں مگر پھر اس خیال سے رک گئے کہ رسولؐ اللہ کی دی ہوئی تلوار کو ایک عورت کے خون سے رنگین کرنا مناسب نہیں۔

حضرت حمزہ کی شمشیرِ آبدار دشمن کے سروں پر پیہم چل رہی تھی۔طلحہ کے مارے جانے کے بعد ابن ابی طلحہ نے قریش کا علم بلند کیا تو آپؑ نے تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کا کام تمام کردیا۔

جس نے علم بردارانِ قریش کو تہِ تیغ کیا وہ علیؑ تھے

مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ دونوں صفوں کے درمیان علم کو لہراتے ہوئے حملوں پر حملے کررہے تھے اور لشکرِ قریش میں سے جو بھی علم ہاتھ میں لیتا اُسے تہِ تیغ کرکے

کفر سرنگوں کردیتے یہاں تک کہ آٹھ علم بردارانِ کفر کو یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ دیا۔ جب بنی عبدالدار میں سے کوئی پرچم اٹھانے والا نہ رہا تو اس قبیلہ کے ایک غلام ب نے علم سنبھال لیا۔حضرتؑ نے آگے بڑھ کر اس کی کمر پر تلوار کا وار کیا اور اس کے ے کردیئے اور اس طرح علم برداروں کا خاتمہ کردیا۔ابن اثیر رقم طراز ہے:

''جس نے علم بردارانِ قریش کو تہ تیغ کیا وہ علیؑ تھے''۔ (تاریخ کامل' ج ۲' ص ۱۰۷)

کفر کے علم برداروں کے قتل سے قریش کا دم خم جاتا رہا اور مسلمانوں کی ہمت ں۔ کفار کے مقابلہ میں ایک چوتھائی سے بھی کم ہونے کے باوجود وہ بڑی بے جگری ے اور دشمن کے سینوں کو چھیدتے ہوئے اور صفوں کو اُلٹتے ہوئے اس کے پاؤں ر دیئے۔ سردارِ قریش ابوسفیان بھی بھاگ نکلا۔مسلمانوں نے جب کفار کو میدان چھوڑ بھاگتے ہوئے دیکھا تو مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے حالانکہ درّہ پر متعین تیراندازوں کو ں اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر حال میں یہیں قائم رہنے کا حکم دیا تھا۔ خالد ابن اور عکرمہ ابن ابی جہل نے درّہ کو خالی پاکر دوسو کی جمعیت کے ساتھ عقب سے حملہ دیا۔ درّہ سے فرار نہ کرنے والے تیراندازوں کے سرکردہ جناب عبداللہ ابن جبیر نے دو چار ساتھیوں کے ساتھ بڑی جواں مردی سے مقابلہ کیا مگر وہ اس یلغار کو روک نہ اور ایک ایک کرکے شہید ہوگئے۔ خالد کے اس کامیاب حملہ کو دیکھ کر بھاگنے والے آئے۔ سرنگوں علم کو ایک عورت عمرہ نے اُٹھا لیا۔ مسلمان بے خبری میں مالِ غنیمت رہے تھے کہ ایک طرف سے بھاگی ہوئی فوج نے پلٹ کر اور دوسری طرف سے خالد دستہ نے گھیرا ڈال لیا۔ اس دوطرفہ یلغار سے مسلمان حواس باختہ ہوگئے۔طبری رقم ہے:

''جب مسلمانوں پر مصیبت پڑی تو ان میں سے ایک تہائی قتل

ہو گئے' ایک تہائی زخمی ہو گئے اور ایک تہائی بھاگ کھڑے ہوئے"۔

علیؑ محافظِ نبیؐ

البتہ اس ہنگامۂ رست و خیز اور ہنگامِ امتحان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی جانثاران ڈٹے رہے۔ حضرت حمزہ نے سباع ابن عبدالعزیٰ کو اپنے سامنے سے گزرتا دیکھا تو "اے ختنہ کرنے والی کے بیٹے" کہہ کر اس پر جھپٹے اور اُسے وہیں ٹھنڈا کر دیا۔ جبیر ابن مطعم جس کا چچا طعیمہ ابن عدی جنگِ بدر میں حضرت علیؑ کے ہاتھوں مارا گیا تھا اس نے اپنے غلام وحشی سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ محمدؐ، علیؑ یا حمزہؓ کو قتل کر دے گا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ اور ہند بن عتبہ نے بھی اسے زر و جواہر سے نوازنے کا وعدہ کیا تھا۔ وحشی کے لیے علیؑ و نبیؐ پر حملہ کرنا تو مشکل تھا' لہٰذا اس نے حضرت حمزہؓ کو شہید کرنے کی ٹھانی اور موقع پا کر پوری چابک دستی سے اپنا بھالا حضرت حمزہؓ کی طرف پھینکا جو آپؓ کی ناف پر لگا اور پیٹ کو چیرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ آپؓ اس شدید ضرب کے باوجود اس کی طرف لپکے مگر بے طاقتی کے سبب سے زمین پر گرے اور شہادتِ عظمیٰ کے بلند مقام پر فائز ہو گئے۔

ابن اثیر نے اسد الغابہ میں رقم کیا ہے:

"حضرت علیؑ نے فرمایا کہ جب بھگدڑ مچی تو رسولِؐ اسلام میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے مقتولین کے لاشوں میں دیکھا بھالا مگر کہیں نظر نہ آئے۔ میں نے دل میں کہا: ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ آپؐ میدان چھوڑ کر چلے جائیں اور جہاد اور راہِ خدا سے منہ موڑ لیں۔ کہیں اللہ نے مسلمانوں کی نازیبا حرکت پر غضب ناک ہو کر آپؐ کو زندہ آسمانوں پر نہ اُٹھا لیا ہو' اب میرے لیے یہی بہتر ہے کہ لڑتے لڑتے قتل ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے تلوار کا نیام توڑ ڈالا

اور دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑا۔ جب کفار کا پرا چھٹا تو میں نے دیکھا کہ پیغمبر اکرمؐ میدانِ جنگ میں ثابت قدم کھڑے ہیں۔ غرض اس ہنگامۂ دار و گیر میں آپؐ نے ایک لمحے کے لیے بھی میدان کو چھوڑنا گوارا نہ کیا اور جان سے بے نیاز ہو کر دشمنوں پر حملہ آور ہوئے' تیر و تلوار کے وار سہتے اور دشمن کی صفوں کو درہم برہم کرتے رہے اور پورے ثباتِ قدم کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیغمبرؐ کے لئے سینہ سپر رہے"۔

ابن سعد رقم طراز ہے:

"اُحد کے دن جب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو علیؑ رسولؐ اللہ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں سے تھے اور موت پر پیغمبرؐ کی بیعت کی تھی"۔ (طبقات' ج ۳' ص ۱۲۳)

یا علیؑ! انہیں روکو

اس دوران میں ۵۰ سواروں کا ایک دستہ رسولِؐ خدا پر حملہ آور ہونے کے لیے بڑھا تو آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

"اے علیؑ! دشمن حملہ کے لیے بڑھ رہا ہے اسے آگے بڑھ کر روکو"۔ علیؑ نے شیرانہ حملہ کر کے انہیں منتشر کر دیا۔ پھر مشرکین نے دوسری سمت سے حملہ کرنا چاہا۔ حضورؐ نے فرمایا: "اے علیؑ! اب انہیں روکو"۔ علیؑ شیرِ جلی نے انہیں بھی تتر بتر کر دیا۔ غرض جدھر سے ہجومِ کفر آگے بڑھتا علی علیہ السلام اُدھر دیوارِ آہن بن کر کھڑے ہو جاتے اور دشمن کے پرے توڑ کر رکھ دیتے۔ اِن حملوں میں حفاظتِ رسولؐ کا فریضہ انجام دیتے ہوئے وصیِ رسولؐ نے شیبہ ابن مالک عامری' سفیان ابن عویف کے چار بیٹوں ابوالشعثاء' خالد' ابوالحمراء اور غراب کو قتل کر کے رسولِؐ خدا کو خون آشام تلواروں سے محفوظ رکھا۔

لافتٰی اِلاّ علی

علیؑ کی اس فداکاری پر جبرائیل امینؑ نے خدمتِ رسولؐ میں عرض کیا:

یارسولؐ اللہ! ہمدردی وغم خواری اسے کہتے ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ایسا کیوں نہ ہو جبکہ علیؑ میرے اور میں اُن کا ہوں اور جبرائیلؑ نے کہا: میں آپ دونوں کا ہوں۔ اسی موقع پر فضائے اُحد میں لَا سَیفَ اِلاَّ ذُوالفِقَار اور لَا فَتٰی اِلاَّ عَلِی کی صدا گونجی اور فرش سے عرش تک تحسینِ علیؑ کی آوازیں سنائی دیں۔

علیؑ تحفظِ رسالتؐ میں مصروف پیکار تھے کہ مشرکوں نے رسولؐ برحق پر ہجوم کیا اور کچھ لعینوں نے براہِ راست آپؐ پر حملہ کردیا۔ عبداللہ ابن شہاب نے آپؐ کی جبینِ مقدس پر ضرب لگائی۔ عتبہ ابن ابی وقاص نے یکے بعد دیگرے چار پتھر پھینکے جن سے آپؐ کے چار دانت شہید ہوگئے اور ہونٹ شگافتہ۔ (بعض شیعہ علماء کا یہی مؤقف ہے جن میں علامہ مفتی جعفر حسینؒ بھی شامل ہیں لیکن علامہ سید علی نقیؒ کا مؤقف اس کے برعکس ہے جس کا تذکرہ آئندہ ابواب میں سے کسی میں کیا جائے گا)۔ ابن قمیہ نے قریب پہنچ کر تلوار کا وار کیا جس سے خود کی کڑیاں پیشانیٔ اقدس میں گڑ گئیں، چہرہ مبارک خون سے رنگین ہوگیا۔ ابی ابن خلف نے آگے بڑھ کر حملہ کیا تو حضورؐ نے ایک صحابی حارث ابن حمہ کے ہاتھ سے نیزہ لے کر اس کی گردن پر مارا جس سے ہلکا سا زخم آیا مگر وہ اس زخم سے جانبر نہ ہوسکا اور اُحد سے پلٹتے ہوئے واصلِ جہنم ہوا۔ ابودجانہ انصاری اور مصعب بن عمیر اس موقع پر حضورؐ کے سینہ سپر رہے۔ ابودجانہ حضورؐ پر جھک کر اپنی پیٹھ پر تیر کھاتے رہے اور مصعب دشمن کے حملوں کو روکتے روکتے شہید ہوگئے۔ مصعب کے قاتل ابن قمیہ نے (مصعب کے ہم شکلِ رسولؐ ہونے) کے سبب سے یہ سمجھا کہ اس نے پیغمبرؐ کو قتل کردیا ہے اس نے اپنی صفوں کے قریب پہنچ کر فخریہ لہجے میں کہا: میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل

ہے۔ یہ سنتے ہی شور برپا ہوگیا، محمدؐ قتل کردیئے گئے۔ منتشر مسلمانوں کی ہمت اور بھی ۔۔ ے گئی۔ بھگدڑ مچ گئی، کچھ لوگ چٹانوں کی اوٹ میں چھپ گئے اور کچھ نے مدینہ ۔۔ دم لیا۔ پیغمبرؐ خدا انہیں پکارتے تھے:

''اے بندگانِ خدا! اے اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ''۔

۔۔ ان مجید نے اس صورتِ حال کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

''جب تم پہاڑ پر چڑھے جارہے تھے اور رسولؐ پیچھے سے تمہیں پکار رہا تھا مگر تم نے مڑ کر بھی نہ دیکھا''۔

۔۔ ارشادِ ربانی ہوا:

''اگر پیغمبر (اپنی موت) مرجائیں یا قتل کردیئے جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے اور جو اُلٹے پاؤں پلٹے گا وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور خدا جلد ہی شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دے گا''۔

رسولؐ خدا نے مصعب کی شہادت کے بعد لوا حضرت علیؑ کے سپرد کردیا تھا۔ آپؑ ۔۔ دھکیلنے میں مصروف تھے کہ رسولؐ اللہ کی شہادت کی خبر سن کر چونکے۔ صفوں کو ۔۔ ئے اس مقام پر آئے جہاں پیغمبرؐ زندہ وسلامت موجود تھے اگرچہ آپؑ خود بھی ۔۔ ے چور چور تھے مگر پیغمبر اکرمؐ کی حالت دیکھ کر خود کو بھول گئے۔ حضورؐ کو سہارا دے ۔۔ گھاٹی کی طرف لے چلے۔ کعب ابن مالک کی نظر پڑی تو انہوں نے خوش ہو کر ۔۔ کہا:

۔۔ یہ ہے رسولؐ خدا۔

آپؐ نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بچے کھچے مسلمانوں کے ہمراہ ایک ۔۔ طرف چل دیئے۔ پیغمبر اکرمؐ کو وہاں پہنچا کر خود چشمۂ مہراس سے پانی ڈھال

میں بھر کر لائے۔ اتنے میں جناب فاطمہ زہراؑ چند خواتین کے ہمراہ تشریف لے آئیں اور آپؐ کو (زندہ وسلامت) دیکھ کر مطمئن ہوئیں اور بے ساختہ آپؐ سے لپٹ گئیں۔ پھر حضرت علیؑ کے ساتھ مل کر زخموں کو دھویا اور بوریئے کا ٹکڑا جلا کر زخموں پر رکھا جس سے خون تھم گیا۔ جنگ عملاً ختم ہو چکی تھی اور کفار اپنی فتح یابی اور مسلمانوں کی ہزیمت پر خوش تھے۔

دیگر تفصیلات سے قطع نظر اور اختصار کے پیشِ نظر ہم اُحد میں شجاعتِ علیؑ کے اس بیان پر اپنی تحریر کو سمیٹتے ہیں:

> ''حضرت علیؑ اس غزوہ میں جس پامردی اور ثابت قدمی سے لڑے وہ جہادِ اسلامی کا ایک عظیم نمونہ اور تاریخ کا ایک مثالی کارنامہ ہے۔ آپؑ تنِ تنہا دشمن کی صفوں پر حملہ آور ہوتے رہے اور اپنے زورِ بازو سے اُن کی بڑھتی ہوئی یلغار کو روک کر اسلام اور بانیٔ اسلام کا تحفظ کرتے رہے اور جب تک معرکۂ کارزار گرم رہا ایک لمحے کے لیے ہاتھ قبضۂ شمشیر سے الگ ہوا نہ پائے ثبات میں جنبش ہوئی۔ حالانکہ آپؑ پے در پے حملوں سے نڈھال اور تیروں تلواروں کے وار سے گھائل ہو چکے تھے''۔

علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں: ''اُحد کے دن حضرت علیؑ کو تلوار کی سولہ ضربیں لگیں''۔ ①

اس غزوہ میں مسلمانوں کو فتح تو حاصل نہ ہو سکی لیکن حضرات علیؑ و حمزہؓ اور دو چار دوسرے جانبازوں کی ثابت قدمی نے مسلمانوں کو شکست کی بدترین صورت سے بچا لیا۔ ②

❁ ❁ ❁

① جبکہ تاریخ خمیس، ازالۃ الخفا اور تاریخ کامل کے مطابق حضرات ثلاثہ بھاگ گئے اور بہت دور نکل جانے والوں میں شامل تھے۔

② اگر ہم اسلامی جہاد کے معیار کو دیکھیں تو پھر غزوۂ اُحد میں بھی فتح اہلِ اسلام ہی کو حاصل ہوئی۔ مؤلف

غزوۂ بنی نضیر اور شجاعتِ علیؑ

۴ھ

۴ ہجری کے ماہِ صفر میں قبیلہ بنی عامر کا ایک سردار ابو برار نجد سے مدینہ آیا تو رسولؐ خدا نے اُسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اُس نے کہا کہ میں قبولِ اسلام کے لیے تیار ہوں لیکن بہتر یہ ہوگا کہ آپ مسلمانوں کی ایک جماعت میرے ہمراہ نجد روانہ کریں جو وہاں کے باشندوں کو دعوتِ اسلام دے۔

آپؐ نے اُس سے فرمایا: اندیشہ ہے کہ اہلِ نجد میرے فرستادوں کو گزند پہنچائیں گے! ابو برار نے ان کی حفاظت کی ذمہ داری اور اپنی پناہ کا وعدہ کیا تو آپؐ نے ستر صحابہؓ کو جو زہد و تقویٰ اور عبادت و پرہیزگاری میں ممتاز تھے ایک مکتوب دے کر نجد روانہ فرمایا۔ انہوں نے نجد پہنچ کر بئرِ معونہ میں منزل کی اور اپنے ایک قاصد کے ذریعے رسولِ اکرمؐ کا مکتوب ابو برار کے بھتیجے عامر ابن طفیل کو پہنچایا۔ اس دشمنِ خدا نے خط کو پڑھنا تو کجا لینے سے بھی انکار کر دیا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر قاصد حرام ابن ملحان نے کچھ کہنے کے لیے امان طلب کی لیکن اُن کے بیانِ مدعا سے پہلے ہی عامر کے اشارے پر ایک شخص نے اُن کی پشت پر نیزہ مارا جو سینہ کو چیر کر پار نکل گیا۔ حرام زمین پر گرے اور مقامِ شہادت پر فائز ہو گئے۔

عامر لعین نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے قبیلہ والوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی لیکن اُنہوں نے ابو برار کے عہد و پیمان کی بنا پر اس کام سے انکار کر دیا۔ اس شقی نے دوسرے قبائل سے مدد لی اور بئرِ معونہ کے مقام پر مسلمانوں کو حصار میں لے کر دو

آدمیوں کے علاوہ سب کو قتل کر دیا۔ زندہ بچ رہنے والوں میں ایک کعب بن زید تھے جنہیں مقتول سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا اور دوسرے عمرو بن اُمیہ تھے جنہیں قیدی بنا لیا گیا تھا اور بعدازاں عامر ابن طفیل نے اپنی ماں کی ایک نذر پوری کرنے کے لیے اسے رہا کر دیا تھا۔

عمرو مدینہ واپس آتے ہوئے بنی عامر کے دو آدمیوں کو دیکھ کر ان کی تاک میں لگ گئے اور جب وہ ایک درخت کے سائے میں سو گئے تو عمرو نے انہیں اپنے ساتھیوں کے قصاص میں قتل کر دیا اور خود مدینہ چلے آئے۔ یہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ ان دونوں کو رسولؐ خدا تحریراً امان دے چکے تھے۔ رسولؐ خدا اس واقعہ سے آگاہ ہوئے تو فرمایا کہ جو کچھ ہوا غلطی کی بنا پر ہوا' ہمیں ان دونوں کا خون بہا دینا چاہیے۔

چونکہ پیغمبرؐ اسلام قبائلِ یہود بنی قینقاع' بنی قریظہ اور بنی نضیر سے باہمی تعاون کا معاہدہ کر چکے تھے لہٰذا سوچا کہ بنی نضیر سے کچھ رقم بطور قرض یا اعانت لے کر ان مقتولوں کا خون بہا ادا کر دیا جائے۔ بنی نضیر نے یہ رقم دینے پر آمادگی کا اظہار کیا لیکن جب آپؐ یہ رقم لینے بنی نضیر کی آبادی میں گئے اور ایک دیوار کے سائے سے ٹیک لگا کر تشریف فرما ہوئے تو بنی نضیر نے دیوار کے اوپر چڑھ کر ایک شخص کو آپؐ پر بھاری پتھر گرانے اور آپؐ کو قتل کرنے کی سازش کی جس کی اطلاع حضورؐ کو بذریعہ الہامِ غیبی ہو گئی اور آپؐ فوراً وہاں سے اُٹھ کر مدینہ چلے آئے۔ آپؐ نے محمد ابن مسلمہ کے ذریعے انہیں پیغام بھیجا کہ تم نے غداری و بدعہدی کی ہے اور میرے قتل کا ارادہ کیا ہے، لہٰذا دس دن کے اندر اندر اپنے سازوسامان کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ اور کسی دوسری جگہ پر سکونت اختیار کر لو۔

بنی نضیر نے حضورؐ کا یہ تہدیدی حکم سنا تو خائف ہو کر فوراً مدینہ چھوڑنے پر تیار ہو گئے لیکن رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی نے انہیں اپنے دو ہزار ساتھیوں نیز بنی نضیر و بنی غطفان کی معاونت کا پیغام بھیجا تو انہوں نے اس پشت پناہی پر رسولؐ خدا کو کہلا بھیجا کہ ہم اپنے گھروں کو خالی نہیں کریں گے اور یہاں سے کہیں نہیں جائیں گے۔ آپ جو کر سکتے ہیں

کیجیے۔ یہ ایک قسم کی جنگ و قتال کی دعوت تھی جس پر خاموش بیٹھنا عظمتِ اسلام سے محرومی کے مترادف تھا لہٰذا حضورؐ نے ایک مختصر سا لشکر ترتیب دیا اور بنی نضیر کے قلعوں کی طرف روانہ ہوئے۔

علیؑ علم بردارِ اسلام

مؤرخ طبری تحریر کرتے ہیں کہ (حسب سابق) اس دن بھی علمِ پیغمبر علی ابن ابی طالب کے ہاتھوں میں تھا۔ بنی نضیر نے لشکرِ اسلام کو آتے دیکھا تو قلعہ بند ہو گئے۔ لشکرِ اسلام نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ بنو نضیر نے اندر سے تیر اور پتھر برسانے شروع کر دیئے مگر محاصرہ ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ایک دن چند یہودی قلعہ سے باہر نکلے تاکہ مسلمانوں پر تیر چلا کر انہیں محاصرہ اٹھا لینے پر مجبور کر دیں۔ ایک یہودی نے رسولؐ خدا کے خیمے کا نشانہ لے کر تیر چلایا۔ حضورؐ نے کھلی جگہ سے خیمہ ہٹا کر پہاڑی کے دامن میں نصب کرنے کا حکم دیا۔

ابھی یہ تبدیلی ہو رہی تھی کہ حضرت علیؑ چپکے سے اس بدنہاد تیرانداز کا پتہ لگانے کے لیے چل دیئے۔ علیؑ کو نہ پا کر صحابہ نے پوچھا کہ علیؑ کہاں ہیں تو حضورؐ نے فرمایا: کسی کام سے گئے ہوں گے۔ تھوڑی دیر میں حضرت علیؑ اس یہودی کا سر لے کر خدمتِ رسولؐ میں آئے اور آپؐ کے قدموں میں ڈال کر کہا:

یہ ہے وہ بدبخت جس نے آپؐ کے خیمہ پر تیر چلایا تھا۔ یہ یہودیوں کا مشہور تیرانداز غلول ہے اور ابھی اس کے نو ساتھی قلعہ کے باہر گھوم پھر رہے ہیں۔ اگر چند آدمی میرے ساتھ چلیں تو انہیں بھی پکڑ لائیں۔ رسولؐ محتشم نے ابودجانہ' سہل ابن حنیف اور دو چار اور آدمی آپؐ کے ساتھ کر دیئے۔ آپؐ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان یہودیوں کو قلعہ بند ہونے سے پہلے ہی گھیر لیا اور وہیں ان سب کا کام تمام کر دیا۔

بنی نضیر نے جب اپنے تیراندازوں کو موت کے گھاٹ اُترتے اور عبداللہ بن اُبَیؑ

بنی غطفان اور بنی قریظہ کو مدد کے لیے آتے نہ دیکھا تو اپنی شکست کا اعتراف کرلیا۔ وہ اپنی جان بخشی کی درخواست پر یہ جگہ چھوڑنے پر آمادہ ہوگئے اور شام و خیبر کی طرف روانہ ہوگئے۔ ان کی زمینیں اور باغات مالِ فے کے طور پر رسولؐ خدا کی ملکیت قرار پائے۔

❁ ❁ ❁

غزوۂ اَحزاب

۵ھ

بنی نضیر مدینہ سے نکالے جانے کے بعد زیادہ تر خیبر میں آباد ہوئے تھے۔ وہ اپنی
...د طبیعتوں کے سبب سے نیز جلاوطنی کا انتقام لینے کی خاطر غم و غصہ سے پیچ و تاب
...تے رہتے تھے۔ انہیں اپنی کم طاقتی کا بھی احساس تھا، لہٰذا اپنی عسکری طاقت کو
...نے کے لیے مختلف قبائل خصوصاً قریش کو اپنے ساتھ ملا کر مدینہ پر چڑھائی کا سوچنے
...۔ چنانچہ ان کے بیس آدمی' بشمول بنی وائل کے چند سردار' مکہ آئے اور ابوسفیان اور
قریشی سرداروں سے جنگ کے سلسلے میں بات چیت کی۔ قریش کے سینوں پر پہلے ہی
...پ لوٹ رہے تھے۔ چنانچہ دونوں گروہوں نے اپنے سینے دیوارِ کعبہ سے مس کر کے اور
...یں کھا کر باہم عہد و پیمان کیا اور مسلمانوں کے خلاف اُس وقت تک جنگ جاری رکھنے
...زم کیا کہ جب تک انہیں کچل کر نہ رکھ دیا جائے قریش سے قول و قرار کے بعد بنی نضیر
... بنی غطفان کی طرف رجوع کیا اور انہیں بھی اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہوگئے۔
...کنانہ اور دوسرے قبائل سے بھی ساز باز کی اور چار ہزار لشکری جمع کر لیے اور عازمِ مدینہ
...ئے۔ راستے میں بنی اسد' بنی سلیم' بنی فزارہ' بنی مرہ اور بنی اشجع کے لشکر آ کر ملتے رہے
...یوں اُن کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ سواری و بار برداری کے لیے تین سو گھوڑے اور
... ہزار اُونٹ اُن کے پاس تھے۔ اسلحہ اور سامانِ رسد کی بھی فراوانی تھی۔

اُن کی اِن پوشیدہ کارروائیوں اور مسلمانوں پر بے خبری کے عالم میں حملہ کر دینے

کی خواہش کے علی الرغم بنی خزاعہ کے چند سواروں کے ذریعے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی پیش قدمی کی اطلاع مل گئی۔ آپؐ نے دشمن کی کثرت وقوت اور اچانک حملے کے پیش نظر مسلمانوں کو اکٹھا کیا اور دفاع کے طریق کار کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ اہلِ عجم کا دستور ہے کہ جدھر سے دشمن کے حملے کا خطرہ ہو ادھر سے خندق کھود لیتے ہیں۔ ہمیں بھی یہ طریق کار اختیار کرنا چاہیے۔ یوں خندق ہمارے لیے دفاعی قلعہ ثابت ہوگی اور دشمن بآسانی اسے عبور کرکے یکبارگی حملہ آور نہ ہوسکے گا۔ اس تجویز پر عمومی پسندیدگی کا اظہار کیا گیا نیز آنحضرتؐ نے بھی اسے قبول کیا اور اس پر عمل درآمد کا حکم صادر فرمایا۔ سلمان فارسیؓ ہی اس کے ناظر ونگران ٹھہرائے گئے۔ سلمان خندق کھودنے میں بھی اس قدر مستعد تھے کہ ان کا کام دس آدمیوں کے برابر ہوتا تھا۔ مہاجرین وانصار ہر دو انہیں اپنے اپنے گروہوں میں شامل کرنا چاہتے تھے اور کہتے تھے سلمانؓ ہم میں سے ہے، سلمانؓ ہم میں سے ہے۔ سلمانؓ کے بارے میں رسولؐ رحمت نے یہ الفاظ سنے تو فرمایا: سلمانؓ ہم میں سے ہیں، سلمانؓ ہمارے اہلِ بیتؑ میں شامل ہے۔

بہر حال تین ہزار مسلمانوں نے رات دن ایک کرکے پانچ گز چوڑی، پانچ گز گہری اور تین ساڑھے تین میل لمبی خندق کھودی۔ اس کے اندرونی کنارے پر آٹھ حفاظتی چوکیاں قائم کی گئیں اور ہر چوکی پر ایک انصاری اور ایک مہاجر کے زیرِ نگرانی چند افراد متعین تھے تاکہ دشمن خندق عبور کرنے لگے تو سنگباری کرکے اُسے روکیں۔ یہود اور مشرکین مدینہ کے قریب پہنچے تو تین طرف سے مکانوں کی دیواروں، پہاڑیوں اور نخلستانوں کی وجہ سے مدینہ کے محفوظ ہونے اور چوتھی طرف سے خندق حائل ہونے پر اہلِ مدینہ کے اس حفاظتی اقدام پر سٹپٹا اُٹھے اور کہنے لگے:

خدا کی قسم! یہ ایسی چال ہے جو اب تک اہلِ عرب نے نہ چلی تھی۔

اس نئی جنگی تدبیر نے اُن کے منصوبے خاک میں ملا دیئے اور اُن کی کثرت و

قوت کے مقابل مسلمانوں کی کمی اور کمزوری کا بڑی حد تک تدارک ہوگیا۔

جنگِ احزاب کے مزید اسباب وعوامل اور واقعات و حالات کا تفصیلی تذکرہ موضوعِ کتاب سے خارج ہے۔ چنانچہ چند آیاتِ قرآنی سے جنگِ احزاب پر روشنی ڈالتے ہوئے ہم حضرت علیؑ کے کارناموں کی طرف بڑھتے ہیں۔ چونکہ مدینہ کے باسی بنی قریظہ بھی آخرکار اپنے عہد وپیمان کو توڑ کر قریش کے ساتھ مل گئے تھے۔ چنانچہ اس دوطرفہ یلغار کے بارے میں ارشادِ ربانی ہوا:

> "جس وقت وہ لوگ تم پر تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے کی طرف سے آپڑے اور جس وقت تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں اور دل کھنچ کر گلوں میں آگئے اور تم خدا کے متعلق مختلف گمان کرنے لگے تب مسلمانوں کی آزمائش کا وقت آ گیا اور انہیں بڑی سختی سے جھنجھوڑ دیا گیا"۔

جب کچھ تھڑدلے اور بے حوصلہ مسلمان اپنے گھروں کی چوری چکاری کا بہانہ بنا کر واپس جانے کی اجازت مانگ رہے تھے تو ارشادِ رب العزت ہوا:

> "اور جب ان میں سے ایک گروہ کہنے لگا کہ اے اہلِ مدینہ! تمہارا یہاں کوئی ٹھکانہ نہیں لہٰذا پلٹ چلو اور ان میں سے ایک گروہ پیغمبرؐ سے اجازت طلب کرتے ہوئے کہتا تھا کہ ہمارے گھر خالی پڑے ہیں حالانکہ وہ خالی اور غیر محفوظ نہ تھے بلکہ وہ تو اس بہانے سے بھاگنا چاہتے تھے"۔

قرآن کی زبانی عام مسلمانوں کی صورتِ حال کی اس تصریح کے ساتھ ساتھ چند اہلِ ایمان کے عزم و یقین اور خود اعتمادی کی ترجمانی بھی قرآن کی زبانی ملاحظہ کیجیے:

> "جب سچے ایمان داروں نے کفار کے جتھوں کو دیکھا تو کہنے لگے

یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسولؐ نے وعدہ فرمایا تھا اور خدا اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور جذبہ اتباع اور زیادہ ہوگیا"۔

انہی اہلِ ایمان کے سرداروں میں ایک، کُل ایمان علیؑ بھی تھے جو تحفظِ اسلام کے لیے ہمیشہ کی طرح سر بکف تھے۔

ابوسفیان اور خالد بن ولید نے ۲۷ دن کے اس محاصرے، سردی کی شدت اور فاقوں کی سختی سے تنگ آئے ہوئے کفار کی حالت کو دیکھ کر اور تیروں پتھروں کے تبادلے سے کوئی نتیجہ نہ نکلنے سے اُکتا کر یہ فیصلہ کیا کہ پہرے داروں کی نظروں سے بچ بچا کر خندق کے نسبتاً کم چوڑے حصے سے اپنے گھڑسوار سورماؤں کو خندق عبور کروائی جائے اور ان شہسواروں کے جوہرِ شجاعت دکھانے کے بعد فوجوں کو خندق کے اس پار اُتار کر جنگِ مغلوبہ کا سامان کیا جائے۔

اشجع العرب بمقابلہ عمادِ عرب

اپنے گھوڑوں کو مہمیز لگا کر خندق پار کرنے والوں میں یوں تو سبھی آزمودہ کار اور جنگ آزما بہادر تھے لیکن اُن سب سے زیادہ مشہور بہادر اور نامور شمشیرزن عمادِ عرب اور فارسِ یلیل عمر ابن عبدود عامری تھا۔ اس فارسِ یلیل کے بارے میں حضرت عمر کا بیان یہ تھا:

"یارسولؐ اللہ! میں ایک کاروانِ تجارت میں شریک ہو کر شام جا رہا تھا اور یہ بھی ہمارا ہم سفر تھا۔ جب ہمارا قافلہ مقامِ یلیل پر پہنچا تو ایک ہزار رہزنوں نے قافلہ پر حملہ کر دیا۔ تمام اہلِ قافلہ اپنا سامان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے مگر یہ اپنی جگہ سے نہ ہٹا اور اس طرح جی توڑ کر لڑا کہ رہزنوں کو بھاگتے ہی بن پڑی اور ہمارا قافلہ صحیح و سالم منزل پر پہنچ گیا۔ اس واقعہ کے بعد اہلِ عرب کے دلوں پر اس

کی شجاعت اور شمشیرزنی کی ایسی دھاک بیٹھ گئی کہ اکیلا ہزار کے برابر سمجھا جانے لگا"۔

ہزار آدمیوں کے برابر سمجھے جانے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی شرکت سے فوج کا حوصلہ اتنا بڑھ جاتا تھا جیسے ایک ہزار کا اضافہ ہوگیا ہو۔ جب اس نے آگے بڑھ کر پکارا کہ (لشکرِ اسلام میں سے) میرے مقابلے پر کون آتا ہے تو کسی جانب سے کوئی جواب نہ ملا اور کسی کو اس کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: مَن لِهٰذَا الكلب، "کون ہے جو اس کتے کو جواب دے"۔ حضرت علیؑ خندق کا کنارہ چھوڑ کر خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

انا لہ یانبی اللہ، "یارسولؐ اللہ! میں اس کا مقابلہ کروں گا"۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ شاید کوئی اور اس کے مقابلہ کی ہمت کرے مگر جب کوئی آواز نہ آئی تو حضورؐ نے دوبارہ فرمایا: تم میں سے کون ہے جو اس کا مدمقابل ہو اور مسلمانوں کو اس کے شر سے بچائے۔ حضرت علیؑ پھر اجازت طلب ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا: ابھی ٹھہرو۔ عمرو پھر للکارا: کون میرے مقابلے کو آتا ہے؟ مگر کوئی تیار نہ تھا۔ جب عمرو نے تیسری مرتبہ للکارا اور کوئی اس کے مقابلہ کے لیے نہ نکلا تو اس نے طنزاً کہا:

"مسلمانو! تمہاری وہ جنت کیا ہوئی جس میں تمہیں مر کر جانا ہے اور وہ دوزخ کیا ہوا جو مرنے کے بعد ہمارا ٹھکانہ ہے۔ آؤ یا خود جنت میں جاؤ یا مجھے دوزخ میں بھیجو"۔

پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور لشکرِ اسلام کے قریب پہنچ کر رجز پڑھنے لگا:

"چیختے چیختے میری آواز بیٹھ گئی ہے۔ میں (تو) ان مقامات پر بھی بہادر جنگجو کی طرح جم کر لڑتا ہوں جہاں اچھے اچھے شجاع کمزوری دکھا جاتے ہیں۔ جنگ کی طرف میرے قدم تیزی سے بڑھتے ہیں

اور ایک جوانمرو کی سب سے بڑی خوبی سخاوت و شجاعت ہی تو ہے"۔

عمرو کے بار بار للکارنے اور کسی کے اُس کا غرور توڑنے کے لیے نہ نکلنے بلکہ خاموشی تک نہ توڑنے کے بارے میں تاریخ نویسوں نے مسلمانوں کی بے حسی کو یوں ثبت برقرطاس کیا ہے: کانھم رؤوسھم الطیر "گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے تھے"۔

علیؑ اُس کی اس جسارت پر پیچ و تاب کھا کر رہ گئے اور پیغمبر گرامیؐ سے عرض گزار ہوئے:

یارسولؐ اللہ! اب مجھے اس سے دو دو ہاتھ کرنے کی اجازت دے (ہی) دیجیے۔

رسولؐ خدا کا علیؑ کو فوراً اجازت نہ دینے کا سبب یہ تھا کہ دوسروں کی ہمت و جوانمردی کی آزمائش کریں کہ کس کی رگِ حمیت پھڑکتی ہے اور کس کا خونِ شجاعت زور مارتا ہے۔ نیز حضورؐ دوسروں کا یہ بہانہ ختم کرنا چاہتے تھے کہ علیؑ کے میدان میں اُتر آنے سے ہم خاموش ہوگئے ورنہ ہم بھی عمرو کے مقابلے پر جانے کے لیے تیار تھے۔

پھر رسولؐ خدا نے شیرِ خدا کی جرأت و خوداعتمادی کا جوہر نمایاں کرنے کے لیے اُن سے کہا: "یہ شہسوارِ یلیل عمرو ابن عبدود ہے"۔ علیؑ نے کہا: ہوا کرے، میں بھی تو علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوں"۔

بوقتِ جنگ علیؑ لباسِ نبیؐ میں

اب نبیؐ نے علیؑ کے سر پر اپنا عمامہ سحاب رکھا، زرہ ذات الفضول پہنائی، کمر میں ذوالفقار لٹکائی اور بارگاہِ ایزدی میں ہاتھ اُٹھا کر عرض کیا:

"خداوندا تو نے عبیدہ کو بدر کے دن اور حمزہ کو اُحد کے دن اُٹھا لیا۔
اب (میرے پاس) ایک علیؑ ہیں، ان کی حفاظت فرما۔ پروردگار

مجھے اکیلا نہ چھوڑنا اور تو بہترین وارث ہے"۔

جب علیؑ میدان کی طرف بڑھے تو نبی معظمؐ کی زبانِ صداقت بیان سے یہ الفاظ نکلے:

برز الایمانُ کُلُّهُ اِلَی الشِّرکِ کُلِّهٖ "کُل ایمان کُل شرک کی طرف بڑھ رہا ہے"۔

اب علیؑ نے آگے بڑھ کر عمرو لعین کو للکارا اور اُس کے رجز یہ اشعار کے جواب میں فرمایا:

ٹھہرو! تمہاری للکار کا جواب دینے والا آ گیا ہے، جو کمزور نہیں ہے، وہ عزم و بصیرت کا مالک ہے اور سچائی ہی ہر رستگار کے لیے وجہِ کامرانی ہے۔ مجھے امید ہے کہ میں تمہارے لیے بین کرنے والی عورتوں کا بندوبست کروں گا، ایسی ضرب سے جو اپنا کام کر کے مٹ جائے گی مگر اس کا تذکرہ معرکوں میں ہمیشہ ہوتا رہے گا"۔

علیؑ و عمرو بالمقابل کھڑے ہوئے تو دستورِ عرب کے مطابق عمرو نے پوچھا: میرا حریف کون ہے؟ حضرتؑ نے جواب دیا: میں علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔

عمرو بولا: لشکرِ اسلام میں تمہارے اعمام (چچاؤں) میں سے کوئی نہیں ہے جو مجھ سے لڑنے کے لیے آتا۔ تم ابوطالب کے بیٹے ہو اور وہ میرے دوست تھے، میں نہیں چاہتا کہ اپنے دوست کے بیٹے پر ہاتھ اٹھاؤں اور اسے قتل کروں، لہٰذا تم واپس جاؤ اور کسی بوڑھے کو میرے مقابلہ کے لیے بھیجو تاکہ تمہاری جگہ وہ میرے ہاتھ سے قتل ہو"۔ شیرِ کردگار نے کہا: لیکن میں تو تمہارا خون بہانا پسند کرتا ہوں۔

اہلِ سنت کے مشہور عالم مصدق ابن شعیب لکھتے ہیں کہ عمرو نے ابوطالب سے اپنی دوستی کا اظہار محض اپنی جان بچانے کے لیے کیا تھا کیونکہ وہ جنگ بدر میں دیکھ چکا تھا کہ جو بھی علیؑ کے مقابلہ میں گیا وہ اپنی جان سلامت لے کر واپس نہ آیا، لہٰذا اس نے چاہا کہ علیؑ سے لڑنے کی نوبت نہ آئے اور مقابلہ کسی اور سے ہو۔۔۔ جب عمرو نے دیکھا کہ

حیلے بہانے سے جان چھڑانا مشکل ہے تو لڑنے پر تیار ہوگیا۔ آپؑ پیادہ تھے اور عمرو گھوڑے پر سوار۔ چنانچہ آپؑ نے چاہا کہ اسے گھوڑے سے نیچے اُتروالیں (کیونکہ پیادہ ہمیشہ سوار کی زد میں آتا ہے)۔ فرمایا: عمرو! سنا ہے کہ اگر حلیف میدانِ جنگ میں تم سے تین باتوں کی درخواست کرتا ہے تو تم ایک ضرور مان لیتے ہو۔

عمرو نے کہا: ہاں۔ فرمایا: پھر میری پہلی خواہش یہ ہے کہ تم اسلام قبول کرلو تاکہ مجھے تم سے لڑنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ عمرو نے کہا: یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنا آبائی دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کروں۔

حضرتؑ نے فرمایا: پھر میری دوسری خواہش یہ ہے کہ تم اپنے لشکر سے علیحدہ ہوکر واپس چلے جاؤ۔

عمرو بولا: میدان سے منہ موڑنا مردوں کو زیب نہیں دیتا اور میں یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ عورتیں میرے فرار پر مجھے طعنے دیں نیز میری شجاعت پر حرف آئے۔

فرمایا: اگر تم یہ بھی نہیں مانتے تو میری آخری خواہش یہ ہے کہ تم گھوڑے سے نیچے اُتر آؤ اور مجھ سے جنگ کرو۔

یہ سن کر عمرو غصے سے پیچ و تاب کھاتا ہوا نیچے اُترا اور اُترتے ہی اپنی تلوار سے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ قتل کیے یا قتل ہوئے بغیر میدان سے ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' اور یہ مدعا بھی ہوسکتا تھا کہ اپنی قوت و طاقت اور تیغ زنی میں مہارت کا تاثر دے کر حریف کو مرعوب و متاثر کرے۔ لیکن علیؑ بڑے سے بڑے شہزور کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اس سے کیا مرعوب ہوتے! آپؑ نے اس غرورِ کفر کو خاک میں ملانے کے لیے (حسب روایت) اُلٹا اسے موقع دیا کہ پہلے حملہ کرے۔ وہ تلوار سونت کر حضرتؑ پر حملہ آور ہوا۔ آپؑ نے سپر پر اس کا وار روکا مگر اس پیل تن شمشیر زن کی تلوار کا اُچٹتا ہوا وار حضرتؑ کے سرِ اقدس پر لگا اور پیشانی خون سے رنگین ہوگئی۔ اب کُل ایمان کی تلوار کُل کفر کو کاٹنے کے لیے نکلی۔ آپؑ زخمی شیر کی طرح اس دشمنِ اسلام پر جھپٹے

اور اس کے پاؤں پر اس طرح تلوار ماری کہ اس کی دونوں ٹانگیں کٹ گئیں۔ عمرو لڑکھڑا کر زمین پر گرا۔ علیؑ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اس کے سینے پر سوار ہوکر اس کا سر کاٹ لیا۔[1] صحابہ گرد و غبار کی وجہ سے کچھ نہ دیکھ سکے لیکن جب نعرۂ تکبیر سنا تو سمجھ گئے کہ علیؑ کامران ٹھہرے اور عمرو واصلِ جہنم ہوا۔

غبارِ کارزار چھٹا تو خلق نے یہ منظر دیکھا کہ مرتضیٰ علیؑ ایک ہاتھ میں شمشیر خون آشام اور دوسرے میں سرِ عمرو خون میں غلطاں لیے اس طرح جھومتے چلے آرہے تھے جس طرح شیرِ ببر ہلکی ہلکی پھوار میں لہراتا اور بل کھاتا ہوا چلتا ہے۔ اُس وقت زبانِ شیرِ یزدان پر نعرہ گونج رہا تھا:

"میں علیؑ ہوں اور عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ جوانمرد کے لیے بھاگنے سے موت بہتر ہے"۔

علیؑ کی ضربت عبادتِ ثقلین سے افضل ہے

علیؑ کو اس شان سے چلتے ہوئے آتا دیکھا تو کچھ بغض و حسد کے ماروں نے کہا: آج تو علیؑ بڑی رعونت سے چل رہے ہیں۔

آقائے نامدارؐ نے سنا تو فرمایا: میدانِ جنگ میں رب ذوالجلال کو یہی چال پسند ہے۔ اور جب علیؑ بارگاہِ نبوت میں باریاب ہوئے تو رسولِ آخرؐ نے انہیں سینے سے لگاتے ہوئے اُن کی اس عظیم خدمتِ اسلام کا اعتراف کرتے ہوئے یوں فرمایا:

ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنَ

"خندق کے روز علیؑ کی ایک ضربت جن و انس کی عبادت پر بھاری ہے"۔ (مستدرک حاکم' ج ۳' ص ۳۲)

[1] حیاتُ القلوب' تاریخ اسلام اور سیرت امیرالمومنینؑ کے فاضل مؤلفین نے عمرو کے علیؑ کے منہ پر تھوکنے اور حضرتؑ کے اس کے سینے سے اُتر جانے کی روایت نقل نہیں کی۔

مولائے کائناتؑ نے عرب کی عام روش کے برخلاف عمرو کی زرہ تک بھی نہ اُتاری تھی۔ حضرت عمر نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا: مجھے شرم آئی کہ میں اس کی لاش کو برہنہ کر کے زرہ اتاروں۔ آپ کی اس عالی ظرفی اور بلند کرداری کا اعتراف دشمن (عمرو) کی بہن بھی کیے بغیر نہ رہ سکی اور کہہ اُٹھی: ''اس کا قاتل کوئی شریف اور عالی ظرف انسان ہے''۔

جب اُسے معلوم ہوا کہ عمرو کا قاتل علیؑ ابن ابی طالب ہے تو اُس نے برجستہ دو شعر کہے جن کا مفہوم حسب ذیل ہے:

''اگر عمرو کا قاتل سوائے علیؑ کے کوئی اور ہوتا تو میں رہتی دنیا تک
اِس پر روتی۔ مگر اس کا قاتل تو وہ ہے جس میں کوئی برائی (تک)
نہیں ہے اور جس کا باپ سردارِ مکہ کے نام سے پکارا جاتا ہے''۔

عمرو مارا گیا تو اس کے ساتھیوں میں مبارز طلبی کی جرأت ہی نہ رہی۔ وہ سب کے سب خندق کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ علیؑ نے گھیرا ڈالا اور عمرو کے بیٹے حسل کو بھی تلوار کی ضرب سے ڈھیر کردیا۔ نوفل ابن عبداللہ خندق پھلانگتے ہوئے اس میں گرا تو مسلمانوں نے پتھر مارنے شروع کردیئے۔ وہ بولا مجھے مارنا ہی چاہتے ہو تو ذلت سے نہ مارو تم میں سے کوئی نیچے اُترے اور مجھ سے لڑے۔ علیؑ خندق میں اُترے اور ایک ہی ضرب میں اُس کے دو ٹکڑے کردیئے۔ منبہ ابن عثمان خندق عبور کرتے ہوئے تیر سے زخمی ہوگیا اور مکہ پہنچ کر جہنم واصل ہوا۔ عکرمہ اور ضرار ابن خطاب فہری نے بھاگ کر خندق کو پھاندا اور اپنے ساتھیوں سے جاملے۔

مزید تفصیلات سے قطع نظر جنگِ احزاب یا جنگِ خندق میں مشرکین کے چار آدمی مارے گئے جن میں سے تین حضرت علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوئے اور چوتھا زخمی حالت میں مکہ پہنچ کر ختم ہوگیا۔ علمائے کرام کی تحقیق کے مطابق غزوۂ خندق اور محاربہ طالوت و جالوت میں بڑی حد تک مشابہت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔

❁ ❁ ❁

علیؑ ـــــ سپہ سالارِ غزوۂ بنی قریظہ

۵ھ

غزوۂ احزاب میں یہود اور مشرکین نے مشترکہ محاذ کے باوجود شکست کھائی تو پیغمبرؐ اسلام نے حی بن اخطب کی باتوں میں آنے والے اور مسلمانوں سے علانیہ غداری کرنے والے بنی قریظہ کی طرف فوج بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔ آنحضرتؐ نے تیس خزرجیوں کا ایک ہراول دستہ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی قیادت میں ان کی طرف بھیجا۔ طبری رقمطراز ہیں:

''پیغمبر اکرمؐ نے علی ابن ابی طالبؑ کو رایتِ حق دے کر بطور
مقدمۃ الجیش بنی قریظہ کی طرف بھیجا''۔

بنی قریظہ کو اپنی غداری اور بدعہدی کی بنا پر پہلے ہی مواخذہ کا اندیشہ تھا' لہٰذا انہوں نے اپنے ایک قلعہ میں پناہ لے لی اور یہ سمجھا کہ اس قلعہ کو سر کرنا مسلمانوں کے بس کا روگ نہیں۔ شیرِ خدا ان کے اس قلعہ کے پاس پہنچے تو زمین میں نیزہ نصب فرمایا۔ اُن بدطینتوں نے رسولِ خدا کی شان میں نازیبا کلمات کہے اور گالی گلوچ پر اُتر آئے۔ آپؑ ان کی اس بدزبانی کو سن کر واپس آنے لگے تاکہ پیغمبر اکرمؐ کو ان کے قلعہ کے نزدیک جانے سے روک دیں۔ ابھی آپؑ راستے ہی میں تھے کہ رسول اکرمؐ تشریف لے آئے۔ حضرت علیؑ نے صورتِ حال سے آگاہ کیا تو حضورؐ نے فرمایا: ''جب وہ مجھے دیکھیں گے تو بدزبانی کی جرأت نہ کرسکیں''۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر انہیں تنبیہ و سرزنش فرمائی اور قلعہ کے سامنے

خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا۔لشکرِ اسلام نے اس قلعہ کو اپنے حصار میں لے لیا اور محصورین پر آمدورفت کی راہیں مسدود کردیں۔حی ابن اخطب بھی محصورین میں شامل تھا کیونکہ اُس نے بنوقریظہ سے وعدہ کر رکھا تھا کہ شکست کی صورت میں انہی کے یہاں ٹھہرے گا اور جو مصیبت آ پڑی اس میں برابر کا شریک ہوگا۔

رئیسِ بنی قریظہ کعب بن اسد نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کے اس سخت محاصرہ میں بچت کی کوئی صورت نہیں تو اس نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے کہا:

محمدؐ کی نبوت کا تذکرہ آسمانی کتب میں موجود ہے' لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہم ان کی نبوت کا اقرار کرکے دائرہ اسلام میں داخل ہوجائیں اور اپنے جان و مال کا تحفظ کریں۔

لیکن اہلِ قبیلہ تبدیلیٔ مذہب کے لیے تیار نہ ہوئے تو کعب نے کہا: پھر اپنے بچوں اور عورتوں کو ٹھکانے لگاؤ اور قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرو اور بچوں اور عورتوں کی طرف سے بےفکر ہوکر پوری یکسوئی اور تندہی سے لڑو۔

اہلِ قبیلہ اپنے بچوں اور عورتوں کے خون سے بھی ہاتھ رنگین کرنے پر تیار نہ ہوئے تو اس نے شبِ سبت کو مسلمانوں پر شب خون مارنے کی رائے دی جسے اہلِ قبیلہ نے اپنے دین و آئین کی خلاف ورزی اور سبت کی بے حرمتی قرار دیتے ہوئے قبول نہ کیا تو کعب نے کہا: تم عقل و خرد سے عاری ہو اور اپنے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہو۔

بنی قریظہ کو محاصرہ میں گھرے ہوئے پچیس دن گزر گئے تھے۔ وہ تیر اور پتھر برسانے کے باوجود مسلمانوں کے حصار کو نہ توڑ سکے تھے۔ آخر محاصرہ کی شدت سے تنگ آ کر انہوں نے نباش ابن قیس کے ذریعے اس شرط پر ہتھیار ڈالنے پر رضامندی ظاہر کی کہ انہیں اپنی عورتوں' بچوں اور ہتھیاروں کے علاوہ مال و اسباب بھی اُونٹوں پر لاد کر لے جانے کی اجازت دی جائے۔ حضورؐ نہ مانے تو انہوں نے مال و اسباب یہیں چھوڑ جانے اور خود بیوی بچوں سمیت کہیں نکل جانے کی اجازت مانگی لیکن رسول معظمؐ نے یہ بات بھی

نہ مانی اور فرمایا کہ تمہیں خود کو غیر مشروط طور پر ہمارے سپرد کرنا ہوگا پھر ہم جو مناسب سمجھیں گے فیصلہ کریں گے۔ نباش نے واپس آ کر انہیں آگاہ کیا تو انہوں نے حضورؐ سے ابولبابہ انصاری کو اپنے پاس بھیجنے کی گزارش کی تاکہ ان سے بات چیت کرکے کوئی حتمی فیصلہ کریں۔ ابولبابہ کی آمد پر یہود نے ابولبابہ سے پوچھا کہ ہم اپنے آپ کو غیر مشروط طور محمدؐ کے سپرد کردیں؟ تو اُس نے زبان سے تو کہا ہاں مگر گردن پر ہاتھ پھیر کر اشارہ کیا کہ پھر بھی قتل کردیئے جاؤ گے۔ سو انہوں نے خود کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کرنے سے انکار کردیا۔ بعدازاں یہود نے سعد بن معاذ کے ثالثی فیصلہ پر عمل کرنے کو کہا۔ آنحضرتؐ نے سعد کو ثالث قرار دیئے جانے کی اجازت دے دی۔

خدا کی قسم! قلعہ فتح کرکے رہوں گا

ادھر حضرت علیؑ نے ان کے اپنے آپ کو حضورؐ کے سپرد نہ کرنے پر فرمایا:

"خدا کی قسم! میں یا تو شہید ہوجاؤں گا جیسے حمزہ شہید ہوئے یا ان کے قلعہ کو فتح کرکے رہوں گا"۔

یہ کہہ کر آپؑ زبیر ابن عوام کو ساتھ لے کر قلعہ پر حملہ کے لیے بڑھے۔ بنی قریظہ نے آپ کو آتے دیکھا تو چیخ اُٹھے اور پکار پکار کر کہنے لگے:

ہم سعد ابن معاذ کے فیصلہ پر سرِتسلیم خم کرتے ہیں۔ سعد (غزوۂ احزاب میں شمولیت کی وجہ سے) زخمی حالت میں سواری پر بیٹھ کر ثالثی کے لیے تشریف لائے تو بنی اوس نے انہیں گھیر لیا اور بنی قریظہ کے ساتھ نرمی کے برتاؤ کی سفارش کرنے لگے۔ لیکن سعد نے حق و انصاف کے تقاضے کے مطابق کسی قسم کی رورعایت نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ پھر انہوں نے یہ فیصلہ فرمایا:

بنی قریظہ کے مردوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے' عورتوں کو کنیزیں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کے اموال و املاک مسلمانوں میں تقسیم کردیئے جائیں۔ اس

فیصلہ پر عمل ہوا۔ ان کے مرد قتل کر دیے گئے، عورتیں اور بچے قیدی بنا لیے گئے اور مال تقسیم کر دیا گیا۔

علیؑ قاتلِ حیی

اس بغاوت کا اوّلین محرک اور عظیم دشمنِ اسلام حیی بن اخطب جب قتل کیے جانے کے لیے حضرت علیؑ کے سامنے پیش ہوا تو اس نے اعتراف کیا: یہ ایک شریفانہ قتل ہے جو ایک شریف کے ہاتھوں ہو رہا ہے۔

پھر حضرتؑ سے فرمائش کرنے لگا کہ مجھے قتل کرنے کے بعد میرا لباس اُتار کر مجھے بے پردہ نہ کیجیے گا۔

آپؑ نے فرمایا: دشمن کو قتل کرنے کے بعد عریاں کرنا میرا شیوہ نہیں ہے۔

❁ ❁ ❁

غزوۂ خیبر

۷ھ

خیبر عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی قلعہ و حصار کے ہیں۔[1] ہجرت کے ساتویں سال کے آغاز میں رسولِ اسلامؐ نے بوجوہ خیبر پر چڑھائی کا ارادہ فرمایا۔ یہ مدینہ سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر حجاز و شام کی سرحد پر واقع ہے اور اپنے کھجوروں کے باغات نیز سرسبز و شاداب کھیتوں کے سبب سے دُور دُور تک مشہور ہے۔ خیبر کا علاقہ یہود کی آبادی پر مشتمل اور ان کی جنگی قوت کا مرکز تھا۔ ان کے چھوٹے بڑے سات قلعے تھے جن کے نام ناعم، کتیبہ، شق، نطاۃ، وطیح، سلالم اور قموص تھے۔ ان قلعوں میں دس ہزار یا چودہ ہزار یہودی آباد تھے جن میں وہ یہود بھی شامل تھے جو مدینہ سے جلاوطن ہو کر آئے تھے اور پھر انہوں نے مشرکین سے مل کر پیغمبر اکرمؐ سے جنگ بھی کی تھی۔ وہ صلح حدیبیہ کو مسلمانوں کی کمزوری اور ناطاقتی خیال کر رہے تھے۔ اس غلط فہمی نے انہیں ہمت دلائی اور وہ مسلمانوں کی صلح پسندانہ روش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مرکزِ اسلام کو تاخت و تاراج کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ دراصل وہ غزوۂ اَحزاب میں ناکامی کی خفت بھی مٹانا چاہتے تھے۔

پیغمبر اکرمؐ کو جب ان ناعاقبت اندیشوں کے امن دشمن عزائم اور غیر اخلاقی کوششوں کا علم ہوا تو آپؐ نے تادیبی کارروائی ضروری جانی تاکہ ان فتنہ انگیزوں کو کچل کر امن قائم رکھا جا سکے۔ آپؐ سولہ سو صحابہ کے ساتھ جن میں دو سو سوار اور بقیہ پیادہ تھے

① ایک قول یہ ہے کہ عمالقہ میں یثرب اور خیبر نام کے دو بھائی تھے۔ یثرب اور خیبر اُنہی کے ناموں پر آباد ہوئے۔

خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب یہود نے اسلامی لشکر کو دیکھا تو اُن کے بڑھتے ہوئے قدم رُک گئے اور بدحواس ہوکر اپنے قلعوں کی طرف بھاگے۔ رسولِ گرامیؐ کو احساس تھا کہ ان کے حلیف و معاہد جنگ میں ان کا ساتھ دیں گے اس لیے خیبر اور بنی غطفان کی بستیوں کے درمیان مقامِ رجیع پر پڑاؤ ڈالا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب بنوغطفان مسلمانوں کے خلاف اہلِ خیبر کی مدد کے لیے نکلے تو مسلمانوں کو راستے میں حائل پاکر رک گئے اور اپنی تباہی کے خوف سے اپنے گھروں میں واپس چلے گئے۔ اس کے بعد مسلمان خیبر کے محاصرہ کے لیے آگے بڑھے۔ یہودیوں نے عورتوں اور بچوں کو قلعہ کتیبہ میں محفوظ کر دیا اور خود دوسرے قلعوں میں قلعہ بند ہوکر مسلمانوں پر تیر برسانے لگے۔ مسلمانوں نے مختلف جھڑپوں کے بعد چند ایک گڑھیاں فتح کرلیں مگر جس قلعہ پر فتح منحصر تھی وہ ابن ابی الحقیق کا قلعہ تھا جو ایک پہاڑی ڈھلان پر واقع تھا۔ اس پہاڑی کا نام قموص تھا' لہٰذا یہ قلعہ بھی قموص کے نام سے مشہور ہوگیا۔ تاریخ و حدیث میں اسی مرکزی قلعہ کو قلعۂ خیبر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس قلعہ کے آگے ایک گہری خندق کھدی ہوئی تھی اور اپنی مضبوطی کے اعتبار سے بھی ناقابلِ تسخیر تھا۔

اس سے پہلے جو آئے میداں میں......

غزوات میں سپہ سالاری کے فرائض عموماً پیغمبرِ گرامیؐ قدر خود انجام دیتے تھے اور علَم برداری کا منصب حضرت امیرالمومنین علیؑ کے سپرد فرماتے تھے مگر پیغمبرؐ چند دنوں سے دردِ شقیقہ میں مبتلا تھے اور حضرت علیؑ آشوبِ چشم کی وجہ سے لشکر کے ساتھ نہ آسکے تھے۔ اس سے کچھ لوگوں کو اپنی بہادری کی دھاک بٹھانے کا موقع بھی ملا۔ حضرت عمر نے علَم ہاتھوں میں لیا اور ایک فوجی دستہ کے ساتھ قموص پر حملہ آور ہوکر اسے فتح کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے مگر ناکام واپس آئے۔ پھر حضرت ابوبکر نے ایک ناکام کوشش کی۔ دوبارہ حضرت عمر حملہ آور ہوئے مگر ناکام ہوئے اور فوج کو اپنی ہزیمت کا ذمہ دار ٹھہرا کر

خفت مٹائی۔ اگرچہ (علامہ طبری کے بیان کے مطابق) لشکری ان کی قیادت اور بزدلی کو وجہِ شکست قرار دیتے تھے۔

پیغمبرِ اکرمؐ کے دردِ شقیقہ میں کچھ کمی ہوئی تو خیمہ گاہ سے باہر تشریف لائے اور فوج میں پھیلی ہوئی بزدلی کا ازالہ کرنے کے لیے فتح و نصرت کی نوید سنائی۔

حیدرِ کرّار و غیر فرّار کی آمد

تاریخ خمیس (ج ۲' ص ۵۳) پر مرقوم ہے کہ رسولِ معظمؐ نے فرمایا:

"خدا کی قسم میں کل علَم اس کو دوں گا جو پیہم حملہ کرنے والا ہوگا اور راہِ فرار اختیار کرنے والا نہ ہوگا۔ وہ خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسول اسے دوست رکھتے ہیں اور اُسی کے ہاتھوں اللہ (ہمیں) فتح دے گا"۔

اگر ہم رسولِ معظمؐ کے ان جملات پر غور کریں تو ایک طرف تو سابقہ سردارِ لشکر کی کم ہمتی' نامردی اور فوج کی بزدلی کی آئینہ داری کی گئی ہے اور دوسری طرف پورے وثوق کے ساتھ نئے علَم بردار کی فتح و نصرت کی پیش بینی کی گئی۔ حدیث کے ان مختصر الفاظ میں منقبتِ علیؑ کے بے پایاں دفتر بند ہیں۔ اس مختصر حدیث میں حضرت علیؑ کی پانچ صفات کا تذکرہ ہے۔

- پہلی یہ کہ وہ مرد ہوگا'
- دوسری یہ کہ وہ کرّار غیر فرّار ہوگا'
- تیسری یہ کہ وہ خدا و رسولؐ کو دوست رکھتا ہوگا'
- چوتھی یہ کہ خدا و رسول اسے دوست رکھتے ہوں گے'
- اور پانچویں صفت یہ کہ خدا اُس کے ہاتھوں پر قلعہ فتح کرے گا۔

قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

''اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں پرا باندھ کر
لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں''۔

جب رسولِ معظمؐ نے اللہ کے اس دوست کو علم عطا کرنے کا اعلان کیا تو ابن اثیر کے مطابق: قریش میں سے ہر ایک یہ اُمید رکھتا تھا کہ (صبح) وہی علم دار ہوگا۔ (تاریخ کامل، ج ۲، ص ۱۴۹)

چنانچہ صبح دم ہی صحابہ خیمۂ پیغمبرؐ کے آگے جمع ہوگئے اور درِ خیمہ پر نظریں گاڑ دیں۔

محمد بن اسماعیل بخاری لکھتے ہیں:

''وہ صبح ہی صبح رسولِ خدا کے پاس جمع ہوگئے اور ہر ایک یہ اُمید
لگائے ہوئے تھا کہ علم اُسی کو ملے گا''۔ (بخاری، ج ۱، ص ۵۴۵)

اب ہم ذیلی تفصیلات میں جائے بغیر حضرت علیؑ کی آمد اور فتح خیبر کی طرف آتے ہیں۔ رسولِؐ خدا نے اپنی خیمہ گاہ کے سامنے جمع اس مجمع پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا: علیؑ کہاں ہیں؟

کسی کو یہ سان گمان بھی نہ تھا کہ علیؑ کا نام لیا جائے گا۔ ہر طرف سے شور اُٹھا کہ ان کی تو آنکھیں دُکھ رہی ہیں۔ فرمایا: کسی کو بھیجو اور انہیں بلاؤ۔ چنانچہ مسلم بن اکوع گئے اور حضرتؑ کو لے آئے۔ رسولِؐ خدا نے اُن کا سر اپنے زانو پر رکھ کر آنکھوں پر لعابِ دہن لگایا اور فرمایا:

''بارِالٰہا! انہیں گرمی اور سردی کے اثرات سے محفوظ رکھ اور دشمن
کے مقابلے میں ان کی نصرت و امداد فرما''۔

رسول کریمؐ کے لعابِ دہن نے اکسیر کا کام کیا اور اسی وقت آشوبِ چشم جاتا رہا۔

اس موقع پر حسان بن ثابت نے نہایت خوبصورت عربی اشعار میں اظہارِ عقیدت کیا جن کا منظوم اُردو ترجمہ کچھ یوں ہے:

رَمَد آلودہ آنکھیں تھیں علیؑ کی جنگِ خیبر میں
دوائے چشم مضمر تھی پیغمبرؐ کے لبِ تر میں
بنا آبِ دہن اکسیر آنکھوں میں جلا آئی
مبارک تھی شفایابی مبارک تھی مسیحائی
کہا اس کو علم دوں گا جو شمشیرِ دو پیکر ہے
دلیر وصف شکن جانباز و شیدائے پیمبر ہے
وہ سرمستِ ولائے داور و محبوبِ داور ہے
وہی قلعہ کشا و فاتحِ دَر ہائے خیبر ہے
زمانہ بھر میں اس کو ہی نبیؐ نے یہ شرف بخشا
کہ اپنی جانشینی اور اخوت کا دیا تمغا!

جب علیؑ کی آنکھیں روشن ہوگئیں تو پیغمبرِ اسلامؐ نے اپنے ہاتھ سے زرہ پہنائی، کمر میں تلوار لٹکائی اور علم دے کر فتحِ خیبر کا حکم دیا۔

فاتحِ خیبر

علیؑ علم لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور جاتے ہوئے رُخ موڑ کر رسولِؐ خدا سے پوچھا کہ کب تک لڑوں؟

رسولِؐ خدا نے فرمایا: جب تک وہ اسلام کو قبول نہ کرلیں۔ اگر تمہارے ذریعہ ایک شخص بھی راہِ حق پر آگیا تو وہ تمہارے لئے سرخ اُونٹوں سے بہتر ہوگا۔ حضرتؑ دوڑتے ہوئے میدان کی طرف آئے۔ کچھ لوگوں نے کہا: ذرا ٹھہریئے ہم بھی ساتھ ہوں لیں مگر حضرتؑ نے جوشِ شجاعت میں توقف نہ کیا اور قلعۂ قموص کے قریب پہنچ کر ہی رُکے۔ آپؑ نے علم کو سنگلاخ زمین میں گاڑ دیا۔ ایک یہودی نے قلعہ کے اُوپر سے یہ منظر دیکھا تو متحیر ہوکر بولا: آپ کون ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا: میں علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔ اس یہودی

نے حضرتؑ کے تیور دیکھے تو کہا: اے گروہ یہود! اب تمہاری شکست یقینی ہے۔

یہودیوں کو قموص کی مضبوطی پر بڑا ناز تھا اور پہلے علم برداروں کی ناکامی پر اُن کے حوصلے بھی بڑھے ہوئے تھے مگر اپنے ہی ایک ساتھی سے حوصلہ شکن الفاظ سنے تو ان میں کھلبلی مچ گئی اور ان کے دلوں پر رعب چھا گیا۔ اب اسلامی لشکر کے کچھ مجاہد بھی حضرتؑ کے پاس پہنچ گئے اور قلعہ کے سامنے پرا جما کر کھڑے ہو گئے۔ قلعہ کے سردار مرحب کا بھائی جو اس سے پہلے بھی میدان میں نکل چکا تھا ایک فوجی دستہ لے کر قلعہ سے باہر آیا اور ایک دم حملہ کر کے دو مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ حضرت علیؑ نے بڑھ کر اس پر ایسا وار کیا کہ اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ مرحب نے جب یہ دیکھا کہ اس کا بھائی مارا جا چکا ہے تو اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اس نے زرہ پہنی' سر پر پتھر کا تراشا ہوا خود رکھا اور دو تلواریں اور تین بھال کا نیزہ لیے قلعہ سے باہر آیا اور رجز پڑھتے ہوئے مبارز طلب ہوا:

"اہلِ خیبر جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں' ہتھیار بند بہادر اور آزمودہ کار ہوں"۔

اس تنومند اور شہ زور کے مقابلے کی کسی کو جرأت نہ تھی۔ دیار بکریؒ رقم طراز ہیں:

"مسلمانوں میں سے کسی کے بس کی بات نہ تھی کہ جنگ میں اس کے مدمقابل ہوتا"۔ (تاریخ خمیس' ج ۲' ص ۵۰)

جناب امیرؑ، شیعو کے پیر نے اس کا یہ رجز سنا تو یوں رجز پڑھتے ہوئے اس کے مقابلہ میں اُترے:

"میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدرؑ رکھا ہے۔ میں شیرِ نر اور اسد بیشۂ شجاعت ہوں جس کی کلائیاں مضبوط اور گردن موٹی ہے جیسے جنگل کا وہ شیر جو دیکھنے میں ڈراؤنا ہو۔ میں تم پر ایسا وار کروں گا جو جوڑ بند توڑ ڈالے اور حریف کو درندوں کا لقمہ بننے کے

لیے چھوڑ دے۔ میں ایک باعزت اور طاقتور جوان کی طرح کفار کی صفوں پر تلوار چلاؤں گا اور تمہیں (یہود کو) تلوار سے وسیع پیمانے پر قتل کروں گا"۔

مرحب لعین نے آگے بڑھ کر شیرِ خدا پر تلوار کا وار کرنا چاہا لیکن آپؑ نے اسے موقع ہی نہ دیا اور پھر تاک کر تلوار اُس کے سر پر ماری جو خود کو کاٹتی اور سر کی ہڈی کو توڑتی ہوئی مرحب کے جبڑوں تک اُتر گئی۔ مرحب زمین بوس ہوا اور گرتے ہی دم توڑ گیا۔ یہودیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ پھر چند اور نامور شجاع بھی شمشیرِ علیؑ سے لقمہ اجل بن گئے تو اُن میں بھگدڑ مچ گئی۔ حضرتؑ لڑتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ ایک یہودی نے آپؑ کے ہاتھ پر ضرب لگائی جس سے سپر چھوٹ کر گر پڑی۔ آپؑ نے اعجازی قوت و طاقت سے ایک دروازہ اُٹھا کر اسے سپر بنایا۔ یہ دروازہ اتنا وزنی تھا کہ بعد میں آٹھ آدمیوں نے مل کر اسے اٹھانا چاہا مگر اٹھا نہ سکے۔ جب حضرت عمر نے بڑی حیرت سے آپ سے پوچھا تھا کہ آپ نے اپنے ہاتھوں پر اتنا بڑا بوجھ کیسے اٹھایا تھا تو فرمایا:

"مجھے وہ اپنی سپر سے زیادہ وزنی معلوم نہ ہوا"۔ (مناقب' ج ۱' ص ۴۴۴)

آپؑ نے مزید فرمایا:

"میں نے خیبر کا دروازہ اپنی جسمانی قوت سے نہیں اُکھاڑا بلکہ ربانی قوت سے اُکھاڑا ہے"۔ (تاریخ خمیس' ج ۲' ص ۵۲)

رزم ہائے علیؑ کے ذکرِ مزید کی کاوش

غزوۂ خیبر کو ضیغمِ الٰہی اور شیرِ کردگار کے جہادی کارناموں کا نقطۂ عروج مان کر قلم رک گیا تھا کہ اب کیا رقم کرے مگر تاریخی کوائف متقاضی ہوئے کہ دیگر جنگوں کا ذکر بھی کیا جائے۔ چنانچہ باب آخر "شانِ ضربِ علی میں شیعی تحقیق و ترویج کے مطابق حمرالاسد' غزوۂ حدیبیہ (صلح حدیبیہ)' غزوۂ حنین' غزوۂ بدرالموعد اور فتح فدک میں مولا مشکل کشا کی مشکل

کشائی اور حق نمائی پر مواد شامل کر دیا گیا ہے۔

اب ضروری محسوس ہوتا ہے کہ دیگر معلوم غزووں اور سریوں کا سرسری ذکر بھی کر دیا جائے اور جس جس جنگ میں حضرت علیؑ کی شجاعت کا حال تفصیل سے میسر ہو اُسے بھی زینتِ قرطاس بنا دیا جائے۔ اس کے لیے تمام اسلامی و نبوی جنگوں کا تاریخ وار جائزہ لینا پڑے گا۔ صد شکر کہ علامہ فروغ کاظمی کی معروف کتاب ''تفسیر الاسلام'' اس سلسلہ میں معاون ہوئی جس میں مرقوم ہے:

دورِ رسالتؐ میں جہاد دو طرح کے ہوتے تھے: ایک وہ جس میں پیغمبرِ اسلام بنفسِ نفیس خود شرکت فرماتے تھے، اس کو مورخین کی اصطلاح میں غزوہ کہتے ہیں۔ دوسرا وہ جس میں آنحضرتؐ خود نہیں جاتے تھے بلکہ کسی دوسرے کو اپنے قائم مقام کی حیثیت سے بھیجتے تھے اس کو سریہ کہا جاتا ہے۔ اسلامی غزوات کی تعداد ۱۹ سے ۲۷ تک ہے اور سریوں کی تعداد ۵۶ ہے (صفحہ ۳۲۹)۔

اب تفسیرِ اسلام کے مطابق اِن تمام جنگوں کا سن وار جائزہ لیا جاتا ہے۔

❀ ۲ھ

غزوۂ ابوا، سریۂ رابغ، سریۂ سیف البحر، سریۂ خرار، غزوۂ ذوالعشیرہ، جنگِ بدر، غزوۂ قرقرۃ الکدر، غزوۂ بنی سلیم، غزوۂ بنی غطفان، غزوہ بنی قینقاع، غزوۂ سویق۔

❀ ۳ھ جنگ اُحد

حضرت علامہ نے اس سال میں مزید کوئی غزوہ یا سریہ نہیں لکھا۔

❀ ۴ھ

سریۂ ابوسلمہ، سریۂ ابن انیس، رجیع کا المیہ، واقعہ بئر معونہ، غزوۂ بنی نضیر۔

❀ ۵ھ

غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ دومتہ الجندل، غزوۂ بنی مصطلق (غزوہ مُریسیع)، غزوۂ

احزاب (خندق)، بنی قریظہ کی سرکوبی

❀ ۶ھ

غزوۂ بنی لحیان، غزوۂ ذی قرد (بعض مورخین نے غزوۂ بنی مصطلق اور ذات الرقاع کا تذکرہ بھی اسی سال میں کیا ہے جو میرے نزدیک درست نہیں ہے)، معرکۂ حدیبیہ

❀ ۷ھ

معرکۂ خیبر، فدک، غزوۂ وادی القریٰ۔

❀ ۸ھ

جنگِ موتہ، فتح مکہ، غزوۂ حنین، جنگ اوطاس، طائف کا محاصرہ (ہم محاصرۂ طائف و [illegible] میں اس کی تفصیل درج کر چکے ہیں)، یمن میں اسلام۔

❀ ۹ھ

بنی تمیم کی سرکوبی، سریۂ وادی الرمل، سریۂ بنی طے، غزوۂ تبوک۔

❀ ۱۰ھ

سریۂ بنی زبید

❀ ۱۱ھ

جیش اسامہ

غالباً غزوات اور سریات کی مذکورہ بالا تفصیل ۲۷ غزووں اور ۵۶ سریوں کو محیط نہیں ہے۔ میرے خیال میں مزید تفصیل کے حصول و استفادہ کے لیے حیات القلوب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

فتح مکہ میں حضرت علیؑ کی بت شکنی بھی عالمِ شرک و کفر کے خلاف ایک بڑی جنگ تھی جس میں رسولؐ خدا نے آپ کو اپنے کندھوں پر سوار کر کے کعبہ کو بتوں سے پاک کرلیا۔ فتح مکہ میں علَم بھی سعد سے واپس لے کر حضرت علیؑ کے سپرد فرمایا' جسے ابن خلدون نے بھی تحریر کیا ہے۔ طبع ثانی میں مزید تفصیل کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔ علماء سے تعاون کی درخواست ہے۔

نوٹ: رجیع اور بئر معونہ کا ذکر غزدۂ بنی نضیر کے ذیل میں ہو چکا ہے۔

❁ ❁ ❁

باب چہارم

غنیم علیؑ ہے غنیمِ محمدؐ

ناکثین، قاسطین اور مارقین سے جنگیں مع شہادتِ امامؑ

مشمولات

غنیمِ علیؑ ہے غنیمِ محمدؐ

ناکثین، قاسطین اور مارقین سے جنگیں مع شہادتِ امامؑ

ارشادِ الٰہی ہے:

وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدٰھما علی الاخریٰ فقاتلو التی تبغی حتّٰی تفیٓء الی امر اللّٰہ ۔

"اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں آمادۂ جنگ وقتال ہوں تو ان میں صلح کراؤ۔ اگر ان میں سے ایک دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو تم اس زیادتی کرنے والے گروہ سے لڑو حتیٰ کہ وہ حکمِ خدا کی طرف پلٹ آئے"۔

حدیثِ قدسی

مجھے معراج نصیب ہوئی تو علیؑ کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے جو کچھ میں نے وہاں دیکھا علیؑ نے یہاں دیکھا۔

ارشادِ ربُ العزت ہوا: "(محمدؐ!) تیرے بعد تیری اس اُمت پر (علیؑ) کا وہی حق ہے جو تیری زندگی میں تیرا اُمت پر حق ہے۔ جس نے اس کے حق کا انکار کیا اس نے تیرے حق کا انکار کیا' جس نے اس کی دوستی سے انکار کیا اس نے جنت میں داخل ہونے سے انکار کیا"۔ (منقول از ابن عباس)

حضرت ابوایوب انصاریؓ کہتے ہیں:

امر رسول اللّٰہ علیا بقتال الناکثین والقاسطین والمارقین ۔ (مستدرک حاکم' ج ۳' ص ۱۳۹)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو حکم دیا تھا کہ وہ بیعت شکنوں (اصحابِ جمل) بے راہروؤں (اصحابِ صفین) اور بے دینوں (خوارج) سے جنگ کریں"۔

لتقاتلنه وانت له ظالم ۔ (تاریخ کامل' ج ۳' ص ۱۵۷)

اے زبیر! تم علیؑ سے جنگ کرو گے اور تم ان کے حق میں ظالم ہو گے"۔ (پیشگوئی رسولؐ)

او ایاك ان تکونی انت یاحمیرا

"خبردار! اے بی بی! وہ کہیں تم ہی نہ ہونا"۔ (تاریخ یعقوبی' ج ۳' ص ۱۵۷)

❁

جاریہ ابن قدامہ نے کہا: "اے اُم المومنین! آپ کا اس ملعون اُونٹ پر بیٹھ کر ہتھیاروں کا نشانہ بننے کے لیے نکل کھڑے ہونا قتلِ عثمان سے بڑھ کر مصیبت ہے۔ آپ کے لیے خدا کی طرف سے حجاب واحترام تھا مگر آپ نے اس پردے کو چاک کر ڈالا ہے اور اپنا احترام کھو دیا ہے۔ جو شخص آپ سے جنگ وقتال صحیح سمجھتا ہے وہ آپ کو قتل کرنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرے گا۔ اگر اپنی مرضی سے آئی ہیں تو اپنے گھر واپس جائیے اور اگر آپ کو مجبور کر کے لایا گیا ہے تو اس کے خلاف لوگوں سے مدد حاصل کیجیے"۔ (تاریخ طبری' ج ۳' ص ۴۸۲)

❁

"مجھے ان لوگوں سے جنگ وقتال کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے جسے شک ہو وہ

واپس چلا جائے"۔ (حکیم ابن جبلہ ممتاز بصرہ)

❁

"جلدی کرو، جلدی کرو علیؑ ابن ابی طالب تمہارے سروں پر پہنچ گئے ہیں"۔
(تاریخ کامل، ج ۳، ص ۱۰۷)

مسلم بن ابی بکرؓ روایت کرتے ہیں: "جنگِ جمل کے دوران میں مجھے ایک کلمہ سے فائدہ پہنچا جب رسولؐ اللہ کو معلوم ہوا کہ فارس میں کسریٰ کی بیٹی حکومت کر رہی ہے تو آپؐ نے فرمایا: "وہ قوم فلاح و بہبود کا منہ نہیں دیکھ سکتی جس کے امور کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں ہو"۔ (صحیح بخاری، جلد۹، ص ۹۷، باب الفتن، نسائی، جلد۴، ص ۳۰۵، مستدرک حاکم، جلد۴، ص ۵۲۵)

حضرت اُم سلمہ کا حضرت عائشہ کی ہم نوائی سے انکار اور حضرت علیؑ کی حمایت

"اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جانتے کہ عورتیں جہاد کا بار اُٹھا سکتی ہیں تو وہ تمہیں حکم دے جاتے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسولؐ اللہ تمہیں دینی معاملات میں تجاوز کرنے سے منع فرما گئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر دین کا ستون جھک جائے تو وہ عورتوں کے ذریعے تھم نہیں سکتا اور اگر اس میں شگاف پڑ جائے تو عورتوں کے ذریعے اس کی درستی و اصلاح نہیں ہو سکتی۔ عورتوں کا جہاد یہ ہے کہ وہ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے دامن کو لپیٹیں اور تعلقات محدود رکھیں۔ اگر رسولؐ اللہ تمہیں ان صحراؤں میں اُونٹ دوڑاتے ہوئے، ایک چشمہ سے دوسرے چشمہ پر جاتے ہوئے دیکھ لیں تو تم انہیں کیا جواب دو گی۔ کل تمہیں رسولؐ کے سامنے جانا ہی ہوگا۔ خدا کی قسم! اگر مجھے کہا گیا کہ اے اُم سلمہ جنت میں داخل ہو جاؤ، تو اگر میں نے اس حجاب کو توڑ ڈالا ہو۔ جس کا مجھے پابند بنا گئے تھے تو مجھے پیغمبرؐ کا سامنا کرتے ہوئے شرم آئے گی۔ لہٰذا تم پردہ کی پابند اور گھر کی چار دیواری میں بند رہو"۔ (عقد الفرید، ج ۳، ص ۹۹)

جنگِ جمل

(ناکثین یعنی بیعت توڑنے والوں سے مقابلہ)

بیعتِ علیؑ

جب حضرت عثمان قتل ہو گئے تو تین دن تک غافقی نامی ایک شخص لوگوں کو نماز پڑھاتا رہا جو مدینہ کا امیر تھا لیکن بیعت کسی کی نہ کی گئی اور تین دن تک بغیر سیاسی پیشوا کے گزر گئے۔ البتہ تین روز کے بعد لوگوں نے رہبرِ برحق، امام الدنیا والدین حضرت علیؑ کی بیعت کر لی تو امامؑ نے لوگوں سے یوں خطاب فرمایا:

"اے لوگو! تم نے میری بیعت اُسی طرح کی ہے جس طرح مجھ سے پہلے والوں کی بیعت کی تھی اور بیعت کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار اس کے اختیار کرنے سے پہلے ہوتا ہے اور جب بیعت ہو جائے تو پھر یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ امام کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے ہو اور رعیت کا فریضہ اس کے احکامات کو تسلیم کرنا ہے نیز بیعت تمام لوگوں کے لیے ہوتی ہے جو اسے تسلیم نہ کرے وہ اسلام سے اعراض کرتا ہے اور بیعت فضول وقوع پذیر نہیں ہو سکتی......"

عراق کے سفر کا ارادہ

امام علیؑ نے ان کلمات کا اظہار فرمانے کے بعد عراق کے سفر کا ارادہ فرمایا۔ ان

دنوں حضرت عمر کی طرف سے سات سال اور حضرت عثمان کے تمام عہدِ حکومت میں گورنر رہنے والا معاویہ بن ابوسفیان ہی شام کا گورنر تھا۔

جب حضرت علیؑ عراق جانے کے لیے تیار ہوئے تو سوائے تین اشخاص' سعد بن ابی وقاص' عبداللہ بن خطاب اور محمد بن مسلمہ انصاری کے تمام لوگ آپؑ کے ہمراہ جانے پر آمادہ ہوگئے۔

نمائندگان کی روانگی

حضرتؑ نے مختلف شہروں (اور علاقوں) کی طرف اپنے نمائندے روانہ کیے۔ عثمان بن حنیف کو بصرہ' عمارہ بن حسان کو کوفہ' عبداللہ بن عباس کو تمام یمن' قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر اور سہل بن حنیف کو شام کی طرف بھیجا۔

سہل بن حنیف جب شام کے سرحدی علاقے تبوک[1] میں پہنچے تو معاویہ کی طرف سے چند لوگوں نے ان کا استقبال کیا اور وہیں سے واپس بھیج دیا۔ وہ حضرت علیؑ کے پاس آگئے اور حضرتؑ کو بتایا کہ معاویہ ہماری مخالفت کر رہا ہے اور اہلِ شام نے معاویہ کی بیعت کرلی ہے۔

طلحہ و زبیر کی حضرت عائشہ سے ملاقات

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب حج کا موسم آیا تو طلحہ و زبیر نے حضرت علیؑ سے حج کی اجازت چاہی۔[2] حضرتؑ نے انہیں اجازت دے دی۔ حضرت عائشہ چونکہ حضرت عثمان کے محاصرہ کے دوران میں' اُن کے قتل سے بیس روز پہلے عمرہ کی ادائیگی کے لیے

① تبوک قدیمی شہروں میں سے ہے جو حجر اور شام کے درمیان واقع ہے۔ اب یہ سعودیہ میں شامل ہے اور مشہور فوجی چھاؤنی ہے۔

② چونکہ حضرت علیؑ کی بیعت ۲۱ ذی الحجہ کو ہوئی' چنانچہ حج کا موقع گزر چکا تھا' انہوں نے عمرہ کی اجازت مانگی ہوگی۔

مکہ مکرمہ چلی گئی تھیں اور عمرہ کے بعد وہاں پر ہی رہ گئیں۔ چنانچہ طلحہ و زبیر جب مکہ مکرمہ پہنچے تو انہوں نے حضرت عائشہ سے ملاقات کی (اور آپس میں گٹھ جوڑ کی)۔

حضرت علیؑ اور معاویہ کی خط و کتابت

اسی اثنا میں حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ کو خط لکھا:

''تم حضرت عثمان کے قتل اور ان کے بعد میری بیعت کے بارے میں مطلع ہو چکے ہو' (لہٰذا) اب تم بھی میری بیعت کرلو یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ''۔

یہ خط حجاج بن غزیہ انصاری کے ہاتھ معاویہ کی طرف بھیجا گیا۔ معاویہ نے خط وصول کیا اور حجاج سے کہا: تم واپس چلے جاؤ۔ میں اس خط کا جواب بھیج دوں گا جو ان تک پہنچ جائے گا۔ معاویہ نے اپنے اہل کاروں کو حکم دیا کہ دو بڑے کاغذوں کو ایک دوسرے سے منسلک کرو۔ پھر اتنے بڑے کاغذ میں سوائے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کے کچھ بھی تحریر نہ کیے بغیر خط حضرت علیؑ کو بھیج دیا۔ خط کے باہر مرقوم تھا:

''یہ معاویہ بن ابی سفیان کا خط علی بن ابی طالب کی طرف ہے''۔

بنی عبس کا ایک تیز طرار شخص یہ خط لے کر حضرت علیؑ کے حضور حاضر ہوا۔ جب حضرتؑ نے خط وصول کر کے کھولا تو سوائے بسم اللہ کے کچھ تحریر نہ تھا۔

معاویہ کے قاصد کی چالبازی

اس وقت حضرت علیؑ کے پاس کافی بزرگ لوگ موجود تھے۔ قاصد نے مخاطب ہو کر کہا کہ حاضرین میں بنی عبس کا کوئی شخص ہے؟ جواب ملا: ہاں۔ وہ بولا: اب آپ میری ایک بات ذرا غور سے سنیے۔ میں شام میں پچاس ہزار اشخاص کو چھوڑ کر آیا ہوں جو حضرت عثمان کے لباس کے ساتھ ساتھ اپنی ڈاڑھیوں کو آنسوؤں کے ساتھ خون آلود

کرچکے ہیں۔ انہوں نے حضرت عثمان کے پیراہن کو نیزہ پر آویزاں کیا ہوا ہے اور قسم کھا چکے ہیں کہ جب تک عثمان کے قاتل کو کیفرکردار تک نہ پہنچالیں اپنی تلواروں کو نیام میں نہیں ڈالیں گے حتیٰ کہ موت اُنہیں آلے۔

فرعبسی کا قاصدِ معاویہ کو جواب

اسی عبس کی یہ گفتگو سن کر خالد بن زفر عبسی اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا: خدا کی قسم! تو ہت بُرا آدمی ہے، تو مہاجرین و انصار کو ڈرانے کے لیے آیا ہے؟ وہ حضرت عثمان کا راہن ہے حضرت یوسفؑ کا پیراہن تو نہیں ہے؟ اور ان شامیوں کا رونا حضرت یعقوبؑ کا ونا تو نہیں؟ وہ شام میں حضرت عثمان کے بارے میں گریہ کناں ہیں تو یہاں اُن کی مدد کیوں نہ کی؟!"

ضرت علیؑ کی عراق کی طرف روانگی

اب حضرت علی علیہ السلام نے لوگوں کو عراق کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ سعد بن ابی قاص، عبداللہ بن عمر اور محمد بن مسلمہ سامنے آئے تو امام علیہ السلام نے ان سے مخاطب وکر فرمایا: آپ کی طرف سے سست قسم کی باتیں مجھ تک پہنچی ہیں جنہیں میں ناپسند کرتا وں۔

سعد بن ابی وقاص نے کہا: آپ نے جو سنا ہے وہ درست ہے۔ آپ مجھے تلوار یں تاکہ مسلمان کو کافر سے مشخص قرار دوں اور اس تلوار سے آپ کے ہمرکاب جنگ روں۔

عبداللہ بن عمر نے کہا: میں آپؑ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ مجھے ایسی چیز پر آمادہ نہ ریں کہ جس کو میں نہیں جانتا۔

محمد بن مسلم نے کہا: رسول اکرمؐ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اپنی تلوار سے مشرکوں کو قتل

کروں اب اگر میں نمازیوں کو قتل کروں تو اس سے بہتر ہے کہ اپنی تلوار کو کوہ اُحد پر ماروں۔ میں نے کل اپنی تلوار کو توڑ دیا ہے۔

اس کے بعد یہ تینوں حضرتؑ کی خدمت سے واپس چلے گئے۔ پھر اسامہ بن زید حضرتؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا: مجھے معاف رکھیں کیونکہ میں پروردگار سے عہد کر چکا ہوں کہ جنہوں نے تیری وحدانیت کا اقرار کر رکھا ہے اُن سے جنگ نہیں کروں گا۔

جب یہ صورتِ حال مالکِ اشترؓ کو معلوم ہوئی تو وہ حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: امیرالمومنینؑ! اگرچہ ہم مہاجرین و انصار میں سے نہیں ہیں لیکن ان کے تابع گروہ سے ضرور ہیں۔ وہ اسلام لانے میں ہم پر سبقت رکھتے ہیں مگر جن امور میں وہ ہمارے ساتھ شامل ہیں ہم پر برتری نہیں رکھتے۔ یہ بیعت تو سب کے لیے ہے اور جو کوئی آپؑ کے فرمان سے روگردانی کرے گا وہ قابلِ ملامت اور عیب دار ہوگا۔ جنہوں نے آپؑ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے سب سے پہلے آپؑ انہیں زبانی سمجھائیں اور اگر پھر بھی بات نہ مانیں تو انہیں قید میں ڈال دیں۔ لیکن حضرتؑ نے فرمایا: میں ان کو ان کے حال پر چھوڑتا ہوں۔

جب حضرتؑ نے عراق کی طرف جانے کا عزمِ مصمم فرمالیا تو انصار کے اشراف حاضرِ خدمت ہوئے جن میں سے جنگِ بدر میں شریک عامر (انصاری) نے کہا: آپؑ مدینہ کو چھوڑ کر عراق جانا چاہتے ہیں؟ کیا وہاں جانا ضروری ہے حالانکہ یہاں مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنا نصیب ہوتی ہے اور منبر رسولؐ پر آمدورفت رہتی ہے اور اگر آپ شامیوں سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو حضرت عمر کی طرح کیوں نہیں کرتے کہ خود یہاں رہے جبکہ سعد کو جنگ قادسیہ کے لیے اور ابوموسیٰ کو جنگِ بصرہ کے لیے مقرر کیا۔ اس طرح کے لوگ آپ کے پاس بھی موجود ہیں۔

جواباً حضرتؑ نے فرمایا کہ مال اور لوگ عراق میں ہیں اور شامی بغاوت کر چکے

ہیں' لہٰذا میں ان کے نزدیک رہنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپؑ نے قافلے کو کوچ کا حکم دیا اور چل پڑے' باقی لوگ آپؑ کے ہمراہ اور ہمقدم تھے۔

حضرت علیؑ کے خلاف سازشیں

طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ عمرہ سے فراغت کے بعد اکٹھے ہوئے تو قتلِ عثمان کو موضوعِ گفتگو بنایا۔ طلحہ و زبیر نے کہا: اگر آپ ہماری بات مانیں تو ہم سب مل کر خونِ عثمان کا مطالبہ کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ بولیں: ان کے خون کا مطالبہ کس سے کرو گے؟ تو انہوں نے کہا: عثمان کے قاتل شناخت ہو چکے ہیں اور ان کا تعلق حضرت علیؑ کے ہم صحبت لوگوں سے ہے۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں تا کہ ہم اہلِ حجاز سے اپنے پیروؤں کے ساتھ بصرہ جائیں۔ اہلِ بصرہ جب آپ کو دیکھیں گے تو سبھی آپ کے ساتھ ہو جائیں گے۔ حضرت عائشہ نے ان کی یہ تجویز قبول کر لی اور ان کے ہمراہ نکل کھڑی ہوئیں اور لوگ ان کے اردگرد جمع ہو گئے۔

حضرت علیؑ عازمِ کوفہ

حضرت علیؑ مدینہ سے عازمِ کوفہ ہوئے تو طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ کے گٹھ جوڑ کی خبر معلوم ہوئی۔ آپؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ہم جلدی جلدی ان کے پیچھے چلتے ہیں تا کہ ان کے بصرہ پہنچنے سے پہلے ان سے جا ملیں۔ کیونکہ اگر وہ بصرہ پہنچ گئے تو سب اہلِ بصرہ ان کے ساتھ مل جائیں گے۔

صحابہ عرض گزار ہوئے: امیر المومنینؑ جیسے آپ کا حکم ہے ہم آپؑ کے ساتھ ہیں۔
آپؑ نے اپنے سفر کو جاری رکھا اور جب (بصرہ کے نزدیک) ذوقار کے مقام پر پہنچے تو آپ کو طلحہ و زبیر و عائشہ کے بصرہ پہنچنے کی خبر ملی۔ بنی سعد کے علاوہ تمام اہلِ بصرہ نے اُن کی بیعت کر لی تھی جبکہ بنی سعد نے کہا تھا کہ ہم نہ تمہارا ساتھ دیں گے اور نہ ہی تمہارے

مخالفین کا۔ کعب بن سوریا اور اُن کے خاندان نے بھی بیعت سے معذوری ظاہر کی مگر جب بی بی عائشہ ان کے گھر پہنچ گئیں تو انہوں نے بھی بیعت کر لی اور کعب نے کہا: میں اپنی ماں (زوجِ رسولؐ) کی بات نہ مان کر ناخوش تھا۔

یہ صورتِ احوال معلوم ہونے پر حضرت علیؑ نے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کو کوفہ بھیجا کہ وہ اہلِ کوفہ کو ہم خیال بنائیں اور اپنے مشن میں شامل کریں۔ اس کے بعد آپؑ نے اپنے فرزندِ ارجمند حضرت حسنؑ کو اپنے صحابی عمار یاسرؓ کی ہمراہی میں روانہ کیا۔ یہ دونوں حضرات کوفہ میں داخل ہوئے تو ابوموسیٰ اشعری کو' جو ان دنوں کوفہ میں موجود تھا' لوگوں کے درمیان مسجد میں براجمان پایا جو لوگوں سے کہہ رہا تھا:

''اے کوفیو! تم سب میری اطاعت کر لو تا کہ تم عربوں کے لیے پناہ گاہ بنو' سب مظلوم تمہاری پناہ میں آ جائیں گے۔ محروم تمہارے سائے میں محفوظ رہیں گے۔

اے لوگو! جب فتنہ پیدا ہوتا ہے تو اُس کا سبب تشکیک و تردید بنتے ہیں۔ اس سے حقائق واضح ہوتے ہیں۔ تم اپنی تلواریں نیاموں میں رکھ لو' اپنے تیر توڑ ڈالو اور اپنے گھروں کے اندر چلے جاؤ۔ اے لوگو! فتنہ کے دوران میں محوِ خواب بیدار شخص سے بہتر ہے''۔

امام حسنؑ اور عمار یاسرؓ جب مسجد کوفہ میں پہنچے تو ابوموسیٰ کے گرد ایک جمِ غفیر کو پایا اور اس کی تقریر بھی سنی۔ شہزادہ حسنؑ نے فرمایا:

''ہماری مسجد سے باہر نکل جا اور جہاں جی چاہے چلا جا''۔

اس کے بعد عمار کو ساتھ لیے منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو جنگ کی تیاری کی دعوت دی۔ کوفہ کے اہلِ دانش میں سے حجر بن عدی کندی نامی ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: خدا آپ کو سلامت رکھے۔ پھر گویا ہوا: لوگو! کم اور زیادہ (اسلحہ کے) وزن کے ساتھ باہر نکلو (اقتباس از سورۂ توبہ)۔ لوگ ہر سمت سے با آواز بلند پکارے: ''ہم نے امیر المومنین علی علیہ السلام کے فرمودات کو سنا اور ہم اُن کی اطاعت کے لیے تیار ہیں۔ ہم

آسانی یا سختی، تنگ دستی یا فراخی ہر حال میں جنگ نیز نصرتِ امامؑ کے لیے تیار ہیں"۔

جنگِ جمل میں علم برداران علیؑ

حضرت اپنے ہمراہیوں سمیت جب بصرہ کے نزدیک پہنچے تو تمام علموں کو جمع کر کے سات علم نصب فرمائے:

- ایک علم ہمدان وحمیر کے قبائل کے لیے نصب فرمایا اور اس کا علم دار سعید بن قیس ہمدانی کو بنایا۔
- دوسرا علم مذحج اور اشعری قبائل کے لیے نصب فرما کر اس کا علمدار زیاد بن نصر حارث کو مقرر کیا۔
- تیسرا علم بنی طی کے لیے نصب فرمایا اور اس کا علم دار عدی بن حاتم کو قرار دیا۔
- چوتھا علم قیس عبس و ذبیان کے قبائل کے لیے نصب کیا اور اس کا علم دار سعد بن مسعود ثقفی کو مقرر کیا جو مختار ثقفی کے چچازاد بھائی تھے۔
- پانچواں علم حضرموت قضاعہ اور مہدہ کے لیے نصب کیا اور علم دار حجر بن عدی کندی کو بنایا۔
- چھٹا علم ازد، بجلیہ، خثعم اور خزاعہ کے قبائل کے لیے نصب فرمایا جس کا علم دار مخنف بن مسلم اور ازدی قبائل کو قرار دیا۔
- ساتواں علم بکر، تغلب اور ربیعہ کے قبائل کے لیے نصب کیا اور اس کا علم دار محدوج ذہلی کو بنایا۔

علاوہ ازیں قریش انصار اور باقی حجازیوں کے لیے ایک علم[1] نصب فرمایا جس کا علم دار عبداللہ بن عباس کو مقرر کیا۔ اِن سات لشکروں نے اسی ترتیب سے جنگ ہائے جمل

① اسی عبدالرحمٰن بن حارث کی بابت حضرت عائشہ نے کہا کہ اگر میں جمل میں جانے کے بجائے گھر بیٹھی رہتی تو میرے لیے اس سے بہتر ہوتا کہ اگر آنحضورؐ سے عبدالرحمٰن کے سے دس عقل مند اور پارسا بیٹے جنتی۔

صفین اور نہروان میں شرکت کی۔ نیز پیادہ فوج کی کمان جندب بن زہیر ازدی کو سونپی گئی۔

مخالفین کی علم برداری

جب حضرتؑ بصرہ کے مضافات میں خریبہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کے سات لشکروں کی آمد کی خبر طلحہ و زبیر کو بھی ہوگئی چنانچہ انہوں نے بھی اپنے لشکر کو جنگ کے لیے تیار کرنا شروع کیا اور علم نصب کیے۔ سواروں کا کمانڈر محمد بن طلحہ اور پیادوں کا کمانڈر عبداللہ بن زبیر کو بنایا۔ سب سے بڑا پرچم عبداللہ بن حزام بن خویلد کو دیا گیا۔ میمنہ کی کمانڈری کعب کو سونپی گئی۔ قریش و کنانہ پر عبداللہ الرحمٰن بن عتاب بن اسید کو کمان دار مقرر کیا گیا۔ میسرہ پر عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کا تقرر ہوا۔ طلحہ و زبیر کو قبیلہ قیس پر مقرر کیا گیا اور مجاشع بن مسعود کو بھی کمانڈری دی گئی۔ عمر ابن یثربی کو تیم الرباب قبیلہ پر قیس عبد بن عامر کو انصار/بنی ثقیف اور باقی تمام خاندانوں پر متعین کیا گیا۔

مؤرخین کے مطابق حضرت علیؑ نے بصرہ کے باہر تین روز تک توقف فرمایا اور اہل بصرہ کی طرف اپنے نمائندے بھیج کر انہیں دینی بیعت و اطاعت کی دعوت دی لیکن انہوں نے کسی قسم کا جواب نہ دیا۔

۱۰ جمادی الآخر کو جمعرات کے روز حضرتؑ کے لشکر نے حملہ کیا۔ میمنہ جناب مالک اشترؓ کے ہاتھ میں اور میسرہ عمار بن یاسرؓ کے ہاتھ میں۔ حضرتؑ نے سب سے بڑا علم اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو مرحمت فرمایا۔ جب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو نمازِ فجر سے لے کر نمازِ ظہر تک آپس میں گفتگو جاری رہی۔ اہلِ بصرہ اپنے علموں کے پیچھے جمع تھے اور حضرت عائشہ ہودج میں بیٹھی کمان کر رہی تھیں۔ جب زبیر کو معلوم ہوا کہ عمار یاسر بھی حضرت علیؑ کے ہمراہ ہیں تو وہ خوف زدہ ہوگیا کیونکہ اسے پیغمبر اکرمؐ کی حدیث یاد تھی:

"حق عمارؓ کے ساتھ ہے اور اے عمارؓ! تجھے ایک ظالم گروہ قتل کرے گا"۔ (کنز العمال' جلد ۱۳' ص ۳۴۷)

(لیکن افسوس کہ وہ دشمنی علی میں پیغمبرؐ کی یہ حدیث یکسر بھول گیا تھا: اَلحَقُّ مَعَ عَلِيٍ وَعَلِيُّ مَعَ الحَقِّ (حضرت عمارؓ کے تفصیلی واقعہ کا ذکر بعد میں کیا جائے گا)۔

حضرت علیؑ کی زبیر کو نصیحت

اب حضرت علیؑ اہلِ بصرہ کے نزدیک آئے اور زبیر کو بلایا تا کہ اس کے ساتھ بات چیت ہو سکے۔ زبیر بات سننے کے لیے آیا تو حضرتؑ نے فرمایا:

"اے ابا عبداللہ! تجھے خدا کی قسم! کیا تمہیں یاد ہے جس دن میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں تھا اور ہم دونوں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو آنحضرتؐ نے تجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا: کیا تو علیؑ کو دوست رکھتا ہے؟ تم نے کہا تھا: ہاں۔ تو حضرتؐ نے فرمایا تھا لیکن اس کے باوجود تو علیؑ سے جنگ کرے گا اور اس پر ستم ڈھائے گا"۔

زبیر نے جواب دیا: ہاں مجھے یاد ہے۔ اس پر حضرت علیؑ اپنے لشکر کی جانب لوٹ گئے اور اپنے لشکریوں سے فرمایا: ہم نے اپنی طرف سے اتمامِ حجت کر دیا ہے لہٰذا اب تم ان پر حملہ کر دو۔

دونوں لشکر آپس میں نبرد آزما ہوئے اور نیزوں اور تلواروں سے حملہ آور ہونے ہی کو تھے کہ زبیر اپنے عبداللہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: بیٹا جان! میں جنگ نہیں کرنا چاہتا اور واپس جا رہا ہوں تم بھی میرے ساتھ واپس چلو۔

عبداللہ نے دریافت کیا: اس اچانک تبدیلی کا کیا راز ہے؟

تو زبیر نے کہا: علیؑ نے مجھے نبی اکرمؐ کی ایک بات یاد دلا دی ہے جسے میں بھلا

چکا تھا۔

عبداللہ نے کہا: خدا کی قسم! میں واپس نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے۔

چنانچہ زبیر اسے چھوڑ کر خود حجاز واپس جانے کے لیے بصرہ کی طرف چل دیا۔

طلحہ کی موت مروان کے ہاتھوں

جب طلحہ نے زبیر کو واپس جاتے دیکھا تو اس نے بھی جنگ سے گریز کا ارادہ کر لیا۔ جب یہ بات مروان بن حکم کو معلوم ہوئی تو اس نے طلحہ کی طرف ایک تیر چلایا جو اس کے زانو پر لگا جس سے خون کا فوارہ پھوٹا اور کافی مقدار میں خون کے بہہ جانے کے سبب طلحہ اس دنیا سے چل دیا۔

ادھر زبیر بصرہ پہنچا تو اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ اُونٹوں پر سامان لاد دو اور میرے پیچھے چلتے آؤ' وہ خود خریبہ کے راستے بصرہ سے باہر نکل آیا۔ جب وہ احنف بن قیس کے گھر کے قریب سے گزرا تو احنف بن قیس اور اس کے اہلِ خانہ جنگ سے کنارہ کش تھے۔ احنف نے کہا: کوئی ہے جو پتہ کر کے آئے کہ زبیر جنگ سے کیوں پلٹ آیا ہے اور اب اس کا کیا ارادہ ہے؟

عمرو بن جرموز کہنے لگا: میں یہ معلومات اکٹھی کر کے لاتا ہوں۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوا' اپنی تلوار حمائل کی اور زبیر کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ نمازِ ظہر سے پہلے کافی دُور تک چلتا ہوا وہ زبیر سے آ ملا اور اس سے پوچھا:

اے ابا عبداللہ! قوم کو کس حال میں چھوڑ آیا ہے؟

زبیر نے کہا: اس حال میں کہ وہ ایک دوسرے پر تلواریں چلا رہے ہیں۔

اس نے کہا: اب کہاں جا رہے ہو؟

زبیر نے کہا کہ میں اپنے کام کے سلسلہ میں جا رہا ہوں کیونکہ جنگ کی حجت و

خرابی کے بارے میں مجھے کچھ خبر نہیں۔

عمر بن جرموز نے کہا کہ میں خریہ جا رہا ہوں چلیے اکٹھے چلتے ہیں۔ دونوں اکٹھے چل دیئے۔ تھوڑی دیر بعد ظہر کا وقت تھا تو زبیر نے کہا: نماز کا وقت ہے اور میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔

عمرو نے کہا: تم میری طرف سے امان میں ہو' کیا میں بھی اپنے آپ کو تمہاری امان میں سمجھوں؟

عمرو نے کہا: ہاں۔

دونوں اپنی اپنی سواری سے اُترے۔ جب زبیر نے نماز شروع کی اور سجدے میں گیا تو عمرو نے اپنی تلوار سے اس پر حملہ کر دیا اور موقع پر ہی اسے ہلاک کر دیا اور اس کی زرہ' تلوار اور گھوڑا لے کر حضرت علیؑ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ حضرت علیؑ اُس وقت بیٹھے ہوئے تھے اور جنگ جاری تھی۔ گویا حضرت علیؑ جنگ کا جائزہ لے رہے تھے۔ عمرو نے زبیر کے ہتھیار حضرت علیؑ کے سامنے پھینکے۔ جب حضرتؑ نے زبیر کی تلوار دیکھی تو فرمایا: اے پسرِ صفیہ تو زبیر کا قاتل ہے۔ تجھے جہنم کی آگ کا مژدہ نصیب ہو۔

عمرو بن جرموز کہنے لگا: میں نے آپؑ کے دشمن کو قتل کیا ہے اور آپؑ مجھے جہنم کی آگ کی خبر سنا رہے ہیں؟

حضرت علیؑ نے اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو حکم دیا کہ اپنا علَم آگے آگے لے کر چلو۔ حنفیہ نے حکم کی بجا آوری کی۔ لوگ عبداللہ بن زبیر کے گرد جمع ہو گئے اور اسے تمام واقع سے آگاہی حاصل ہوئی۔ محمد بن حنفیہ اپنے علَم کو لے کر آگے بڑھے تو بصریوں نے تلواروں اور نیزوں سے ان کا استقبال کیا' وہ اپنے علَم کو لے کر وہیں ٹھہر گئے۔ حضرت علیؑ نے خود علَم کو اُن سے لے لیا اور دشمنوں پر حملہ آور ہوئے۔ دشمن نے بھی جوابی حملہ کیا۔ پھر حضرتؑ نے دوبارہ علَم محمد بن حنفیہ کو دے دیا اور حملے پر حملے کیے۔ گھمسان کا رَن پڑا اور

ان زوردار حملوں میں کعب بن سور باقتل ہوا۔ لوگ حضرت عائشہ کی سواری سے دُور بھاگ گئے البتہ قبیلہ ازد کے لوگوں نے ثابت قدمی دکھائی اور شدید لڑائی کی۔

حضرت علیؑ نے جب اہلِ بصرہ کی ثابت قدمی اور پاسِ عہد کو دیکھا تو اپنے بزرگ صحابہ کو جمع فرما کر ان سے کہا:

"یہ لوگ غصّے سے بھرے ہوئے ہیں۔ تمہیں بھی چاہیے کہ اُن سے شدید ترین جنگ کرو۔ یہ حکم ملتے ہی مالکِ اشترؒ' عدی بن حاتمؒ' عمرو حوق اور عمار بن یاسر اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔

اُدھر بی بی عائشہ کے کمانڈر عمرو بن یثربی نے اپنی فوج سے کہا:

"یہ لوگ حضرت عثمان کے قاتل ہیں' ان پر ٹوٹ پڑو اور اپنے حملوں کو شدید سے شدید تر کر دو"۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ نیز حضرت عائشہ کی سواری کو نہایت ہی حفاظت سے رکھا لیکن پھر بھی کئی ایک تیر اسے (سواری کو) جا لگے۔

دونوں طرف سے شدید جنگ ہو رہی تھی اور دونوں طرف سے کئی فوجی مارے جا رہے تھے اور میدانِ جنگ میں ہر سُو غبار ہی غبار تھا۔ جگہ جگہ پرچم گرے پڑے تھے کہ اچانک حضرتِ علیؑ نے ایک زوردار حملہ کیا جس میں آپؑ کی تلوار ٹوٹ گئی۔

اس دوران میں بصرہ کے ایک بہادر عمرو بن اشرف نے میدانِ کارزار کا رخ کیا۔ حضرت علیؑ کے صحابہ میں سے جو بھی اس کے مقابلے کے لیے آتا پچھاڑ دیا جاتا۔ اس نے یوں رجز پڑھا:

"ماں اور بہترین ماں' جسے ہم جانتے ہیں' وہ ہے جو اپنے بچوں کو غذا دیتی ہے۔ کیا یہ نہیں دیکھتی کہ بہت سے گھڑسوار زخمی ہو رہے ہیں اور کئی کے سر کاٹے جا رہے ہیں اور کلائیوں سے ہاتھ کٹ رہے ہیں"۔

وریں اثناء حضرت علیؑ کی فوج کے پہلوان حارث بن زہیر ازدی میدانِ جنگ میں اُترے اور عمرو بن اشرف پر حملہ آور ہوئے۔ انہوں نے ایک دوسرے پر ایسے ہاتھ پاؤں مارے کہ عمرو بن اشرف موقع پر ہلاک ہوکر واصلِ جہنم ہوا اور حارث بن زہیر بھی شہید ہوگئے۔

اہلِ بصرہ پراگندہ ہوگئے تو حضرت مالکِ اشترؒ نے بی بی عائشہ کے اُونٹ کے قریب جاکر دیکھا تو عبداللہ بن زبیر ان کی سواری کی لجام پکڑے ہوئے تھے (حضرت عائشہ عبداللہ بن زبیر کی خالہ تھیں)۔

مالکِ اشتر کا عبداللہ بن زبیر پر زوردار حملہ

حضرت مالکِ اشترؒ نے اپنے آپ کو عبداللہ بن زبیر کے اُوپر گرا دیا اور اسے اپنے نیچے دبالیا۔ عبداللہ چیخنے لگا: مالک مجھے مارنا چاہتا ہے جب اُس کے حامیوں نے اس کی چیخ و پکار سنی تو مالکِ اشترؒ کے گرد جمع ہوگئے۔ مالک فوراً عبداللہ بن زبیر کے اُوپر سے اُٹھے اور ایسی جنگ کی کہ پاپیادہ اپنے ساتھیوں سے جاملے۔ مالک پیادہ اس لیے ہوگئے تھے کہ جب انہوں نے عبداللہ کو پکڑا تو اُن کا گھوڑا بھاگ گیا تھا۔ چونکہ عبداللہ نے اپنے ساتھیوں کو مدد کے لیے پکارتے ہوئے کہا تھا کہ مالک مجھے مارنا چاہتا ہے لہٰذا وہ اس کی بات نہ سمجھ پائے جس سے مالک دشمنوں کے حملے سے بچ گئے اور بعد میں خود جنگ کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے جاملے۔

اس معرکہ میں عدی بن حاتم کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔ عمرو بن حمق جو کہ کوفہ کے بہت بڑے عابد تھے نے اپنے ہم خیال ساتھیوں کے ساتھ مل کر شدید لڑائی کی جس کی وجہ سے ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ اپنے بھائی ریاح کے پاس واپس چلے گئے تو ریاح نے کہا: اے بھائی دیکھو! آج ہم نے کتنی شدید جنگ کی ہے اگر ہم کامیاب ہوجائیں تو فتح (فتحِ جمل) اسی سبب سے ہوگی۔

حضرت علیؑ کا جنگی ہدایات دینا

امام علی علیہ السلام نے بصریوں کے لشکر کو بی بی عائشہ کے اُونٹ کے اردگرد جمع دیکھا تو عمار، سعید بن قیس، قیس بن سعد بن عبادہ، مالکِ اشترؒ، ابن بدیل، محمد بن ابی بکر اور چند ایک دیگر اکابر صحابہ سے فرمایا:

"جب تک یہ (حضرت عائشہ کا) اُونٹ ان بصریوں کے سامنے موجود ہے یہ استقامت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں گے۔ اگر یہ اونٹ ان کے سامنے نہ رہے تو یہ سب بھاگ کھڑے ہوں گے"۔

ان مجاہدوں نے بی بی عائشہ کے اُونٹ پر حملہ کردیا۔ جس سے سب اہلِ بصرہ دُور بھاگ گئے۔ بنی مراد کا ایک شیخ اعین بن ضبیعہ کوفی اُونٹ کے قریب آیا اور اُونٹ کے پیروں کو کاٹ ڈالا۔ اُونٹ بلبلایا اور گر پڑا۔ یوں بی بی عائشہ کا ہودج سرنگوں ہوگیا۔

امام علی علیہ السلام نے محمد بن ابی بکر سے فرمایا:

"اپنی بہن کے قریب جاؤ"۔

محمد نے اپنا ہاتھ ہودج میں داخل کیا اور جامۂ عائشہ تک پہنچا تو حضرت عائشہ نے کہا: انا للہ...... تیری ماں تجھ پر روئے تو کون ہے؟

وہ بولے: میں تمہارا بھائی محمد ہوں۔

امیرالمومنین حضرت علیؑ نے اپنے اصحاب کو آواز دی اور فرمایا: "کسی بھی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرنا اور کسی کے مال کو نہ چھیننا۔ جو کوئی اپنا اسلحہ زمین پر رکھ دے اور جو کوئی اپنے گھر میں جا بیٹھے اس کے لیے ہماری طرف سے امان ہے"۔

مولاؑ کے اصحاب نے بصریوں کے سامان کو نہ اٹھایا تھا البتہ ان کی سواریوں اور اسلحہ کو تصرف میں لا چکے تھے۔ اصحاب میں سے ایک نے پوچھا: مولاؑ! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ان کی جان ہمارے لیے مباح ہو اور اُن کا مال و متاع جائز نہ ہو۔

حضرت علیؑ کا اپنی فاتح فوج سے خطاب

مولاؑ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا:

"جو لوگ ایک خدا کی عبادت کرتے ہوں' ان کو اسیر نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ان کے مال کو غنیمت کے طور پر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ البتہ جنگی ہتھیاروں پر تصرف جائز ہے۔ جو حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق عمل کرو"۔

اس کے بعد امیرالمومنینؑ نے محمد بن ابی بکر سے کہا:

"اپنی بہن عائشہ کو ان کی منزل تک چھوڑ آؤ"۔

بی بی عائشہ کو عبداللہ بن حنف خزاعی کی بیوی صفیہ کے گھر پہنچا دیا گیا۔ عبداللہ خود قتل ہوگیا تھا۔

پھر حضرتؑ نے محمد بن ابی بکر سے فرمایا:

"دیکھو کہیں تمہاری بہن کو صدمہ نہ پہنچا ہو"۔

محمد نے عرض کیا:

"مولاؑ! تیر کی وجہ سے بازو زخمی ہے اور ہودج کے گرنے سے خراشیں سی آگئی ہیں"۔

حضرت علیؑ کا بصرہ کی جامع مسجد میں خطبہ

جنگِ جمل سے فراغت کے بعد حضرت علیؑ بصرہ میں آئے اور وہاں کی جامع مسجد میں تشریف لے گئے۔ سب لوگ جمع ہوگئے تو حضرتؑ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپؑ نے اللہ جل جلالہ کی حمد وثنا اور نبی رحمتؐ پر درود وسلام کے بعد فرمایا:

"امابعد' اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع اور عذاب دردناک ہے۔ اے بصرہ والو! اے عورت کے لشکریو! اے چوپایوں کے پیروو! تم میرے

بارے میں کیسی سوچ رکھتے ہو جب اُونٹ آواز لگاتا تھا تو تم جنگ کرتے تھے۔ تمہارا اخلاق پست اور عہد غیرمضبوط ہے' تمہارا پانی نمکین اور تلخ ہے اور تمہاری زمین پانی کے نزدیک اور آسمان سے دُور ہے۔ خدا کی قسم! ایک دن اس شہر کو پانی گھیرے گا جس سے صرف مساجد کے کنگرے نظر آئیں گے' اب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ"۔ (نہج البلاغہ' خطبہ نمبر۱۳)

اس کے بعد امیرالمومنین منبر سے نیچے تشریف لائے اور اپنی قیام گاہ کی طرف چلے گئے۔ اس موقع پر محمد بن ابی بکر سے ارشاد فرمایا:

"اپنی بہن کے ہمراہ جاؤ اور اسے مدینہ پہنچا آؤ اور پھر جلد از جلد واپس آجاؤ"۔

محمد نے عرض کیا: اے امیرالمومنینؑ! مجھے اس کام سے معذور رکھیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں تمہیں معذور نہیں رکھ سکتا کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

محمد اپنی بہن کے ہمراہ گئے اور اسے مدینہ منورہ پہنچایا۔ اسی اثناء میں حضرت علیؑ نے بصرہ سے کوچ فرمایا اور عبداللہ بن عباس کو وہیں چھوڑ گئے۔ جب آپ بصرہ سے باہر نکل گئے اور بصرہ کے در و دیوار آنکھوں سے اوجھل ہونے لگے تو حضرتؑ نے فرمایا:

"حمد ہے اس رب کی جو مجھے ایسے شہر سے باہر لے آیا ہے کہ جس کی خاک تمام شہروں سے بدتر ہے اور (یہ شہر) تمام شہروں سے ویران تر ہے' پانی کے نزدیک اور آسمان سے دُور ہے"۔

اس کے بعد آپؑ نے قافلہ کو روانہ ہونے کا حکم دیا۔ جب کوفہ کے نزدیک پہنچے تو فرمایا:

"اے کوفہ! تجھ پر آفرین ہو' تیری ہوا کس قدر اچھی اور تیری خاک

کس قدر بابرکت ہے۔ جو تجھ سے باہر نکلے گا گنہگار ہوگا اور جو کوئی یہاں آئے گا رحمتِ الٰہی اس کے شاملِ حال ہوگی۔ روز و شب اس وقت کشادہ ہوں گے جب مومنین تیری طرف رجوع کریں گے اور بدکار اشخاص یہاں رہنا پسند نہیں کرتے۔ یہاں کے رہنے والے بعض لوگ جمعہ کے روز سویرے سویرے تیار ہوں گے لیکن دوری سفر کی وجہ سے وہ نمازِ جمعہ میں شریک نہ ہوسکیں گے"۔

حضرت علی علیہ السلام ۱۲ رجب المرجب سن ۳۶ ہجری کو شہرِ کوفہ میں وارد ہوئے تو اہلِ کوفہ نے عرض کیا: مولاؑ! آپ شاہی محل میں نہیں رہیں گے؟ آپؑ نے فرمایا: میں محلّہ رجبہ میں رہوں گا۔ جب آپ کوفہ میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے جامع مسجد میں تشریف لے گئے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر رجبہ میں سکونت اختیار فرمائی۔
مولائے کائناتؑ نے کوفہ میں جو پہلی نمازِ جمعہ پڑھائی اُس کا خطبہ یہ تھا:

"حمد ہے اللہ تعالیٰ کے لیے ہم سب اُس سے رہنمائی طلب کرتے ہیں اور اپنے کاموں میں اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اُسی پر توکل ہے۔ گمراہی اور بدبختی سے بچنے کے لیے اس سے پناہ چاہتے ہیں۔ خداوند تو تمام لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرتا ہے۔ وہ کسی کو گمراہی کے گڑھے میں نہیں پھینکتا اور جس سے ہدایت کی توفیق سلب کرلے اس کی کوئی ذات رہنمائی نہیں کرسکتی۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے واحد و یکتا (خدا) کے کوئی خدا نہیں ہے وہ بے نیاز ہے۔ میں مزید گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔ اللہ نے انہیں نبوت اور پیغمبری کے لیے منتخب فرمایا۔

اے لوگو! میں تم سب سے تقویٰ اور خدا ترسی کی سفارش کرتا ہوں کیونکہ تقویٰ الٰہی بہترین سفارش ہے کہ جس کی تمام بندوں کو سفارش کرنا چاہیے اور یہی رضایتِ الٰہی کا بہترین وسیلہ ہے اور اس کا انجام اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت اچھا ہے۔

تمہیں تقویٰ اور خدا ترسی کا حکم دیا گیا ہے اور تمہاری غرضِ خلقت نیکی کو قرار دیا گیا ہے۔ پس غضبِ الٰہی سے بچو کیونکہ اس کا عذاب اور گرفت سخت ہے۔ اللہ سے ڈرو، سب کام اللہ کے لیے انجام دو اس لیے کہ جو شخص غیر خدا کے لیے کام کرتا ہے اللہ اسے ڈھیل دے دیتا ہے اور جو قربتِ خدا کے لیے کام کرتا ہے اللہ اسے نوازتا ہے، اتنا نوازتا ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی اتنا نہیں ہوتا۔ اپنے آپ کو خدا کے عذاب سے بچاؤ کیونکہ اس نے تمہیں فضول پیدا نہیں کیا"۔

(اس خطبہ کے بعض اقتباسات نہج البلاغہ کے خطبہ نمبر ۲۳ کے ہیں۔ جبکہ ہمارا ماخذ کتاب "اخبار الطوال" نہج البلاغہ سے ۱۲۰ سال پہلے لکھی گئی ہے۔ یہ اس خطبہ کے معتبر ہونے کے لیے سند ہے)۔

خداوند متعال لوگوں کے کیے ہوئے آثار کو محفوظ کرلیتا ہے اور لوگوں کے پوشیدہ کاموں کو جانتا ہے اور تمہارے اعمال کا حساب رکھتا ہے۔ اس نے ہر ایک انسان کی زندگی اور موت کو لکھ رکھا ہے۔ دنیا کی محبت تمہیں دھوکا میں نہ رکھے کیونکہ دنیا، دنیاداروں کو بہت دھوکا دیتی ہے اور جو دنیا سے رخ موڑ لیتا ہے دنیا اس پر فریفتہ ہوجاتی ہے۔ دنیا فنا ہونے والی اور آخرت جاودانی ہے۔ ہم سب اللہ سے

شہداء کی منزلت' انبیاءؑ کی مصاحبت اور نیک لوگوں کے ساتھ زندگی
گزارنے کا سوال کرتے ہیں کیونکہ ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی
کے اختیار میں ہیں"۔ (نہج البلاغۃ' خطبہ نمبر۲۳)

حضرت علیؑ کے مختلف شہروں کے لیے نمائندے

اس کے بعد حضرت امیرالمومنینؑ نے مختلف علاقوں کے لیے اپنے نمائندے مقرر فرمائے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) مدائن اور خوجی (آج کل یہاں بغداد ہے) کے لیے یزید بن قیس ارحی کو مقرر فرمایا۔

(۲) اصفہان اور جبل کے لیے محمد بن سلیم کو مقرر فرمایا۔

(۳) بہرسیر اور اس کے نواح کے لیے عدی بن حارث کو مقرر فرمایا۔

(۴) بالائی صوبے کے لیے حسان بن عبداللہ بکری کو مقرر فرمایا۔

(۵) صوبہ زد کے لیے ابوسعد بن مسعود ثقفی کو مقرر فرمایا۔

(۶) بجستان اور اس کے نواح کے لیے ربعی بن کاس کو مقرر فرمایا۔

(۷) خراسان کے لیے خلید بن کاس کو مقرر فرمایا۔

(۸) موصل کے لیے مالکِ اشترؓ کو مقرر فرمایا اور موصل کے علاقے نصیبین' دارا' سنجار (نصیبین کے جنوب میں واقع شہر) آمد (بہت بڑا شہر دجلہ کے کنارے دیارِ بکر کا مرکز) میافارقین (دیارِ بکر میں رومیوں کا شہر)' ہیت (ساحل فرات پر واقع جزائر میں سے ہے) عانات اور دیگر شام کا علاقہ بھی مالکِ اشترؓ کو سونپا۔

یوں یہ تمام لوگ اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

❁❁❁

یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمنِ دیں
علیؑ سے آ کے لڑے اور خطا کہیں اس کو

(مرزا غالب)

اختلافے کہ داشت باحیدرؓ
در خلافت صحابیؑ دیگر
حق در آنجا بدستِ حیدرؓ بود
جنگ با او خطائے منکر بود

(مولانا جامی)

مردِ ہمدانی کا کلام

الا للّٰہ درک یابن ہند — لقد ذہب الحیاء فلا حیاء
اتحمرن الفرات علی رجال — وفی ایدیہم الاسل الظماء
وفی الاعناق اسیاف حداد — کان الوم عندکم نساء
فترجوا ان یجاورکم علی — بلا ماء ولا حزاب ماء

"اے ہند کے بیٹے تمہاری خوبیوں کا کیا کہنا جب شرم و حیا جاتی رہے تو پھر حیا کہاں۔ کیا ان جواں مردوں کو فرات سے روکنا چاہتے ہو جن کے ہاتھوں میں لچکتے ہوئے پیاسے نیزے ہیں اور ان کی گردنوں میں تیز دھار تلواریں لٹک رہی ہیں۔ تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ مرد نہیں عورتیں ہیں۔ کیا تم توقع رکھتے ہو کہ علیؑ تمہارے قرب میں پیاسے رہیں گے اور دوسرے لوگ پانی پئیں گے"۔

حضرت علیؑ کے بارے میں ارشادِ نبوتؐ

لَو اجتَمَعَ النَّاسُ عَلٰی حُبِّ عَلِیٍّ لَمَا خَلَقَ اللّٰہُ النَّارَ۔

''اگر پوری دنیا کے لوگ علیؑ کی محبت پر جمع ہوجاتے تو خدا جہنم کو خلق ہی نہ کرتا''۔ (مناقب خوارزمی' ص ۸)

حضرت علیؑ کے بارے میں گفتگو بسااوقات بہت مشکل ہوجاتی ہے اور ان کے فضائل کا احاطہ محال ہے۔کوئی آدمی ان کے فضائل شمار ہی نہیں کرسکتا۔

حضرت علیؑ جو کہ اعجاز باری تعالیٰ کا مجسمہ ہیں جن کی حیاتِ طیبہ ہر اعتبار سے ایسی خصوصیات کی حامل ہے کہ جس سے دانش مند اور مفکرین تعجب اور حیرت میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔حضرت ہرلحاظ سے اوصافِ جمیلہ رکھتے تھے اور ان اوصاف کا ایسا نمونہ تھے کہ جن کی نظیر نہیں ملتی۔مثلاً شجاعت میں' سیاست میں' فصاحت میں' بلاغت میں' عبادت میں' قاطعیت میں' زہد و تقویٰ میں' خاندانی امور میں' معاشرتی امور میں مسلمانوں سے متعلق اہتمام کے بارے میں' مستضعفین غیر مسلموں کے بارے فکر کرنے میں' آنحضرتؐ کی اطاعت کرنے میں' مظلومیت میں اور اپنے حق سے محرومیت میں بے مثل و بے نظیر تھے۔

ایک جملے میں سمندر کو کوزے میں بند کرکے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت علیؑ فضائل و مناقب اور نیکیوں کے منبع تھے۔آنحضرتؐ کے فرمان کے مطابق کسی لمحے بھی حق سے جدا نہ ہوئے۔آپؑ ہمیشہ حق کے ساتھ زندہ رہے اور حق کے ساتھ ہی اس دنیا سے رحلت فرمائی۔آپؑ عدل و انصاف کا پیکر نظر آتے ہیں۔

ایک مصری کی حضرت علیؑ کے بارے میں رائے

ایک مصری نے کیا خوب کہا ہے:

''آپ ہمیشہ ظلم و ستم کے مقابلے میں عدل کرتے رہے اور کسی قسم کی سازش کو قبول نہیں فرماتے تھے۔آپؑ کا قتل بھی محرابِ عبادت میں آپ کی شدتِ عدل کی بنا پر ہوا''۔

آپؑ کی زندگی تعجب و حیرت سے بھری ہوئی ہے۔آپؑ نے اس حساب اور شعور و آگہی سے زندگی بسر کی کہ آپؑ کے بارے میں کہا گیا:

''انہوں نے ایسی زندگی گزاری کہ ان سے پہلے آنے والے لوگ فراموش ہوگئے اور آئندہ آنے والی نسلوں کو تعجب اور حیرت زدہ کرگئے''۔

آپؑ آنحضرتؐ کے چچازاد اور ان کی پیاری بیٹی جنابِ سیدہؑ کے شوہر اور امام حسن و حسینؑ اور ثانی زہراءؑ کے باپ نیز آئمہ ہدیٰ کے باپ ہیں۔ہمارے بس میں نہیں کہ آپؑ کے بارے میں کچھ لکھیں یا آپؑ کی چند خصوصیات ہی بیان کریں۔آپ کے بارے میں امام شافعی کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔

امام شافعی کا حضرت علیؑ کے بارے میں بیان

''علیؑ کے دوستوں نے ڈر کی وجہ سے اور دشمنوں نے بغض کی وجہ سے ان کے فضائل کو چھپایا ہے۔آج جو ان کے فضائل ہمارے پاس موجود ہیں ان چھپائے گئے فضائل سے بچے کھچے ہیں''۔

بنابریں ان کی جنگیں عین حق تعالیٰ کی جنگیں ہیں۔ان کی صلح اور لڑائی کا ترک کرنا بالکل درست ہے۔ان کے اصحاب حقیقت کے پیرو ہیں اور ان کے دشمن شیطان کے پیرو۔ناکثین' مارقین' قاسطین سب دنیا پرست' بے تقویٰ اور بے ایمان تھے۔تاریخ ان

ہمیشہ علی علیہ السلام کو سچوں اور نیکوکاروں کا رہبر مانتے اور جانتے ہیں اور آپؑ کی اطاعت اور پیروی کرنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

❁❁❁

جنگِ صفین

قاسطین (ظالموں اور سرکشوں) سے مقابلہ

...ل عثمان کی خبر شام میں

حضرت عثمان کے قتل کے فوراً بعد بڑی تیزی سے ان کی موت کی خبر کو شام میں ...عاویہ ابن ابوسفیان تک پہنچایا گیا اور اسے ان کے خون کے بدلے کے بارے میں ...ختہ کیا گیا۔

ایک روز معاویہ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص اس کے پاس آیا اور کہا: اے ...ر المومنین میرا اسلام قبول ہو۔

معاویہ نے کہا: میرا بھی تم پر سلام ہو۔ خداوند تعالیٰ تمہارے باپ کو بخشے، تم کون ...؟ تم نے تو مجھے ڈرا دیا ہے۔

اس نے کہا: میں حجاج بن خزیمہ بن صمہ ہوں۔

معاویہ نے کہا: کیسے آئے ہو؟

اس نے کہا: آپ کو حضرت عثمان کی موت کی خبر سنانے آیا ہوں۔ اس کے بعد ...س نے دو شعر سنائے۔

"تمہارے چچا عبدالمطلب کے بیٹوں نے سچے پیشوا کو قتل کر دیا ہے (یا انہوں نے ...کام بغیر کسی تردد کے سرانجام دیا ہے)۔ اگر تم اس کے خون کا بدلہ لو تو تم زیادہ حقدار ہو ...ر اس کے لیے جلد از جلد قیام کرو"۔

بعد میں کہا: میں یزید بن اسد کے ہمراہ حضرت عثمان کی مدد کے لیے جا رہا تھا۔ ہم

مدینہ نہیں پہنچے تھے کہ ایک آدمی سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اور حارث بن زفر (جو میرے ساتھ تھا) نے اس سے پوچھا تو اس نے ہمیں حضرت عثمان کی موت کی خبر سنائی اور ساتھ ہی کہا کہ عثمان کے قتل میں میرا بھی ہاتھ ہے اس لیے ہم نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ اب تمہیں بتلانے آئے ہیں اس لیے کہ تمہارے پاس وہ طاقت اور قوت ہے جو علیؑ کے پاس نہیں ہے۔

تمہارے پاس ایسے لوگ ہیں کہ اگر تم خاموش ہو جاؤ تو وہ کبھی نہیں بولتے اور جب تم بات کر رہے ہو تو وہ خاموش رہتے ہیں۔ جب کسی شے کا حکم دو تو سرتابی نہیں کرتے اور اس کے برعکس علیؑ کے پاس ایسے لوگ ہیں کہ جب وہ بات کرتا ہے تو وہ خاموش نہیں رہتے اور جب خاموش ہو جاتا ہے تو اس سے سوال و جواب کرتے ہیں۔

تیرے تھوڑے ساتھی اس کے زیادہ ساتھیوں سے بہتر ہیں۔ علیؑ کو کوئی شے خوش نہیں کر سکتی سوائے اس کے کہ تمہیں غصہ دلائے کہ وہ بغیر شام کے عراق پر راضی نہیں ہوگا۔ جبکہ تم بغیر عراق کے شام پر راضی ہو۔

معاویہ کا ردعمل

معاویہ حجاج کی بیان کردہ اس خبر سے سخت پریشان ہوا اور کچھ اشعار گنگنانے لگا: (ان اشعار کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے)

"میرے سامنے ایک ایسا کام آیا ہے کہ جس میں لوگوں کے لیے غم ہے اور طویل مدت تک آنکھیں روتی رہیں گی۔
یہ ایسی مصیبت ہے کہ اگر پہاڑوں پر پڑے تو گر جائیں۔ خدا کی قسم! کسی آنکھ نے ایسی مصیبت نہیں دیکھی۔ یعنی کسی کو بغیر کسی کا خون کیے قتل کر دیا گیا ہو اور یہ بہت بڑی مصیبت ہے۔
مدینہ میں دو گروہ آپس میں دست و گریبان ہوئے ہیں' ایک قاتل

اور دوسرا بدنصیب ہے۔ اس نے لوگوں کو بلایا لیکن کسی نے اس کی آواز نہ سنی۔ اس پر ان کے دل گواہ ہیں۔
میں عنقریب عثمان کی عزاداری کروں گا اور وہ بھی ایک گروہ کے اہلِ شمشیر اور زرہ پوشوں کے ذریعے ہوگی۔ تجھے ان لوگوں کے لیے جو قتل میں تیرے ساتھ تھے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ جسے بیان کروں۔ اب جب کہ تو قتل ہو گیا ہے' میں جب تک زندہ ہوں شہر میں دامن پھیلا کر نہیں پھروں گا اور وہ چیز جو محبت کا معیار ہے ہم سے جدا نہ ہو سکے گی۔ عنقریب سخت جنگ کروں گا اور اس کام کو اسی سال سرانجام دوں گا"۔

حضرت علیؑ نے حضرت عثمان کے جبلِ کے نمائندے جریر بن عبداللہ بجلی کی طرف خط لکھا' جس میں اسے اپنی بیعت کی دعوت دی جو اس نے قبول کر لی اور لوگوں سے بھی حضرت علیؑ کے لیے بیعت لے لی اور بعد میں کوفہ کی طرف روانہ ہو کر حضرتؑ کی خدمت میں پہنچا۔ اشعث بن قیس کی طرف بھی خط لکھا گیا۔ یہ حضرت عثمان کے دورِ حکومت میں آذربائیجان کا گورنر تھا اور وہاں ہی مقیم تھا۔ اس کی گورنری پر لوگ حضرت عثمان کی سرزنش کیا کرتے تھے کیونکہ اس کی بیٹی حضرت عثمان کی بہو تھی جس کی وجہ سے اسے یہ منصب دے رکھا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے آذربائیجان کی زمین کو درست کرایا اور وہاں اچھے آثار چھوڑے اور لوگوں کی خیرخواہی کی کوششیں کیں۔ حضرت علیؑ نے زیادہ بن مرحب کے ہاتھ اشعث کی طرف خط لکھا۔ اس نے (بھی) حضرت علیؑ کی بیعت کر لی اور کوفہ آ گیا۔

حضرت علیؑ کا معاویہ کی طرف بیعت کے لیے خط

اس کے بعد حضرت علیؑ نے جریر بن عبداللہ کو معاویہ کی طرف بھیجا اور معاویہ کو

اپنی اطاعت و بیعت کی طرف دعوت دی اور صاف صاف کہہ دیا کہ یا بیعت کرو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

مالکِ اشترؒ نے حضرت علیؑ سے عرض کیا: اس کے علاوہ کسی اور کو معاویہ کی طرف بھیجیں کیونکہ مجھے اس کے کردار و رفتار سے کچھ اور شے سمجھ آ رہی ہے۔ لیکن حضرتؑ نے اس کی بات کی طرف توجہ نہ دی۔

جریر معاویہ کے پاس حضرتؑ کا خط لے کر گیا۔ جب معاویہ کے پاس پہنچا تو شام کے رؤسا اور امراء اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' جریر نے اسے خط دیا اور گویا ہوا:

یہ حضرت علیؑ کا خط ہے جو اہلِ شام اور تمہارے لیے ہے اور اس میں تمہیں بیعت کی دعوت دی گئی ہے۔ مکہ' مدینہ' عظیم شہر کوفہ' بصرہ' حجاز' یمن' بحرین' عمان' یمامہ' مصر' فارس' جبل' خراسان والوں نے بیعت کر لی ہے اور تمہارے علاقہ کے علاوہ کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ اگر ان تمام مسلمانوں کا سیلاب تمہاری طرف اُمڈ آیا تو تمہیں بہا کر لے جائے گا"۔

معاویہ نے خط کھولا اور پڑھا تو اس خط کا متن یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط خدا کے بندے علی امیر المومنینؑ کا معاویہ بن ابوسفیان کی طرف ہے!

امابعد' تم پر اور مسلمانانِ شام پر میری بیعت لازم ہے۔ جب تک میں مدینہ میں تھا تم شام میں تھے' جیسا کہ لوگ ابوبکر' عمر' عثمان کی بیعت کیے ہوئے تھے اسی طرح انہوں نے میری بیعت بھی کر لی ہے۔ اب جو حاضر ہیں وہ کسی اور کو خلیفہ بنانے کا حق نہیں رکھتے اور جو لوگ غائب تھے وہ اس بیعت کو رد نہیں کر سکتے اور یہ عہدہ مہاجرین و انصار کے سپرد ہے۔ جو شخص ان کے حکم سے سرتابی کرے اسے بیعت کے لیے کہا جائے گا۔ جو اسے قبول نہ کرے اس کے ساتھ جنگ کی جائے گی کیونکہ اس نے مومنوں کی روش سے روگردانی کی ہے اور پیروی نہیں کی۔ خدا بھی اسے سزا دے گا اور واصل جہنم کرے گا اور ان کا انجام

بہت بُرا ہے۔

اب جس شے کو مہاجرین و انصار نے قبول کر لیا ہے تم بھی قبول کر لو۔ کیونکہ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لیے اس کام میں بہتری ہے۔ اگر قبول کر لو تو بہتر ورنہ جنگ کے لیے آمادہ ہو جاؤ۔ اب بیعت کر لو پھر حضرت عثمان کے قتل کا مقدمہ میرے پاس لے آؤ تا کہ تمہارے اور مدعی کے درمیان قرآن و سنت کے ساتھ فیصلہ کیا جا سکے۔ لیکن جو کام تم کر رہے ہو' ایسی چالاکی ہے جیسے بچے شیر سے بچنے کے لیے کرتے ہیں (اس کا کچھ حصہ نہج البلاغہ کے خط نمبر ۶ اور ۶۴ میں ہے)۔

معاویہ کا عمرو عاص سے رابطہ

معاویہ نے عمرو عاص کو خط لکھ کر بلوایا' نیز اپنے خاندان کے اکابر کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا تو اس کے بھائی عتبہ نے اس سے کہا: تم اس مسئلہ میں عمرو بن عاص سے مدد طلب کرو۔ ان دنوں عمرو بن عاص فلسطین کے قریب زمیندارہ میں مشغول تھا اور فتنوں سے کنارہ کشی کیے ہوئے تھا۔ معاویہ نے اس کی طرف ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

طلحہ' زبیر' اُم المومنین حضرت عائشہ کا واقعہ تو آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ اب جریر بن عبداللہ' علیؑ کی طرف سے بیعت کا پیغام لے کر آیا ہے۔ میں نے ابھی کوئی مصمم پروگرام نہیں بنایا ہے' لہٰذا اب تم میرے پاس آ جاؤ تا کہ باہمی گفتگو کر کے پروگرام بنایا جا سکے ــــــ والسلام!

عمرو بن عاص اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ اور محمد کے ہمراہ اپنے مسکن سے چل کر شام میں معاویہ کے پاس آیا کیونکہ وہ اس کا نیاز مند تھا۔ معاویہ نے اس سے کہا: میں آج کل تین کاموں میں اُلجھا ہوا ہوں۔

عمرو بن عاص نے پوچھا: وہ تین کام کون کون سے ہیں؟

معاویہ نے کہا: اوّل یہ کہ محمد بن حذیفہ نے زندان کا دروازہ توڑ کر اپنے ساتھیوں

سمیت راہِ فرار اختیار کر لی ہے اور مصر چلا گیا ہے اور وہ ہمارے دشمنوں میں سے سخت ترین شخص ہے۔

دوم یہ کہ قیصرِ روم نے اپنے لشکر کو جمع کر لیا ہے اور ہمارے ساتھ جنگ کرنے آ رہا ہے۔

سوم یہ کہ جریر بھی علیؑ کی طرف سے بیعت یا پھر جنگ کا پیغام لے کر آیا ہوا ہے۔

عمرو عاص نے کہا: محمد بن حذیفہ کی بابت پریشان مت ہوں، اس کی تلاش میں اپنے بندوں کو بھیج دو اگر وہ مل جائے تو ٹھیک ورنہ کوئی حرج نہیں ہے۔ اور قیصر روم کی طرف خط لکھ دو کہ تم رومی قیدیوں کو آزاد کر دو گے اور اس سے صلح و محبّت کا تقاضا کرو، تم دیکھو گے کہ وہ اسے قبول کرے گا اور ایسا کرنے سے وہ تم سے خوش بھی ہو جائے گا۔ اور باقی رہا مسئلہ علی بن ابی طالبؑ کا تو جان لو کہ مسلمان ہرگز تمہیں اس کے برابر نہیں سمجھتے۔

معاویہ نے کہا: علیؑ نے عثمان کے قتل پر لوگوں کو تیار کیا تھا۔

عمرو عاص نے کہا: بالفرض علیؑ نے ایسا کیا بھی ہو تب بھی تم اسلام میں اس پر سبقت رکھتے ہو اور نہ ہی اس کی طرح آنحضرتؐ سے قرابت رکھتے ہو۔ البتہ تم جو چاہتے ہو میں تمہیں دلوا سکتا ہوں اور اگر میں وہ سب کچھ تمہیں دلوا دوں تو مجھے کیا دو گے؟

معاویہ نے کہا: جو کہو گے تمہیں مل جائے گا۔

عمرو بن عاص نے کہا: جب تک حکومت تمہارے ہاتھ میں ہوگی مصر پر مجھے حکومت کرنے کا حق ہوگا۔

معاویہ شک و تردد میں کھو گیا اور کہنے لگا: اے ابا عبداللہ! اگر تجھے دھوکا دینا مقصود ہوتا تو تمہیں دھوکا دے دیتا۔

عمرو نے کہا: مجھے کوئی دھوکا نہیں دے سکتا۔

معاویہ نے کہا: میرے نزدیک آؤ تا کہ تمہارے کان میں ایک بات کہوں۔ عمرو

نزدیک آیا۔ معاویہ نے کہا: یہی دھوکا کافی ہے کہ اب اس مکان میں میرے اور تمہارے علاوہ کوئی موجود نہیں ہے۔

معاویہ نے پھر کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ مصر بھی عراق ہی کی مانند ہے؟

عمرو نے کہا: ہاں لیکن جب مصر میرے اختیار میں ہوگا تو اس وقت دنیا تو تمہارے اختیار میں ہوگی اور یہ فقط اسی صورت میں ہے جب تم علیؑ کے خلاف سرکشی کرو گے۔

معاویہ نے کوئی واضح جواب نہ دیا۔ عمرو اپنے گھر لوٹ گیا۔

عتبہ نے معاویہ سے کہا: اگر تمہاری روٹی گھی میں ہو اور تم شام پر غالب ہو جاؤ پھر بھی تم عمرو عاص کو مصر کی حکومت کے بدلے خرید نہیں سکتے۔

معاویہ نے عتبہ سے کہا: آج رات یہاں ہی رہو وہ وہاں ہی رہا۔ جب معاویہ سونے کے لیے اپنے بستر پر گیا تو عتبہ نے یہ اشعار گنگنائے:

"جو شخص تلوار نیام سے نہ نکالے اور ریشم اور خز خالص کے لباس پہننے کی طرف مائل کرے۔ اب تمہارے لیے خیر اسی میں ہے کہ دودھ فراوانی سے دوہو اور پیو اور جو تھوڑا ہے اسے چھوڑ دو۔ ان پر بخل سے کام مت لو۔ کچھ دیر صبر کرو۔ مصر یا ہمارا ہوگا یا علیؑ کا ہوگا۔ جو کمزور ہو دوسرا اس پر غلبہ پا لیتا ہے"۔

معاویہ نے ان اشعار کو سنا۔ جب صبح ہوئی تو عمرو عاص کو بلایا۔ وہ جو چاہتا تھا اسے دیا اور ایک تحریر لکھ دی۔ اس کے بعد معاویہ نے عمرو عاص سے مشورہ کیا اور کہا کہ اس مسئلہ میں تمہاری رائے کیا ہے؟

...ں عثمان اور علیؑ کے خلاف پروپیگنڈہ

عمرو نے کہا: عراقیوں سے بیعت لو۔ کیونکہ یہ بہت خطرناک کام ہے، لہٰذا سب

سے پہلے شام کے بزرگوں کو اس کام کے لیے آمادہ کرو اور ان کے دلوں کو اپنے ساتھ ہم آہنگ کرو یہاں تک کہ انہیں یقین ہو جائے کہ عثمان کے قتل میں علی کا ہاتھ تھا۔ اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ شامیوں میں سے بزرگ ترین شرجیل بن سمط کندی ہے۔ کسی کو بھیج کر اسے بلوا لو اور اپنے معتقد لوگوں میں سے کچھ کو راستے میں فاصلے کے ساتھ بٹھا دو۔ سبھی اسے ایک ہی بات کہیں کہ عثمان کو علیؑ نے قتل کیا ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ تمام اہلِ شام اس بات پر جمع ہو جائیں گے۔ اگر شرجیل کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تو ہرگز اس کے دل سے نہیں نکل سکے گی۔

معاویہ نے چند ایسے لوگوں کو منتخب کیا جن کو شرجیل حُسنِ اعتقاد سے دیکھتا تھا اور وہ یزید بن اسد' بسر بن ابی ارطاۃ' سفیان بن عمرو' مخارق بن حارث' حمزہ بن مالک اور جابس بن سعد تھے۔ ان لوگوں کو راستے پر بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد شرجیل کو خط لکھ کر اپنے پاس بلوایا اور جب وہ چلا تو راستے میں ہر ایک سے ملاقات ہوئی۔ ہر ایک نے اسے یہی کہا کہ عثمان کو علیؑ نے قتل کیا ہے۔ اس بات کو شرجیل کے دل میں بٹھا دیا گیا' جس سے اسے یقین ہو گیا۔ جب وہ دمشق کے نزدیک پہنچا تو معاویہ نے شام کے بزرگ افراد کو حکم دیا کہ شرجیل کا استقبال کرو اور اس کی تعظیم بجا لاؤ۔ وہ جس جس سے ملا عثمان کے قتل والی بات ہوتی رہی۔ خلوت میں بھی یہی باتیں ہوتی رہیں۔ چنانچہ وہ غصّے میں بھرپور معاویہ کے پاس آیا اور کہا: میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ علی بن ابی طالبؑ نے عثمان کو قتل کیا ہے۔ خدا کی قسم! اگر تم نے اس کی بیعت کر لی تو ہم تمہیں شام سے نکال باہر کریں گے۔

معاویہ نے کہا: میں ہرگز آپ کے حکم سے سرتابی نہیں کروں گا اور آپ کی مخالفت بھی نہیں کروں گا۔ بہرحال میں تو آپ کے ساتھ ہوں۔

شرجیل نے معاویہ سے کہا: جریر کو علیؑ کی طرف بھیج دو۔ معاویہ سمجھ گیا کہ شام کے لوگ شرجیل کے ساتھ ہیں اور اس نے کہا کہ یہ کام تمام لوگوں کی رضایت کے بغیر ممکن

نہیں ہے۔ اب اٹھو اور شام کے تمام شہروں کا چکر لگاؤ اور لوگوں کو اس سانحہ کی خبر دو اور انہیں بتاؤ کہ ہم خلیفہ عثمان کے خون کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ ہماری بیعت کی جائے تاکہ اس کے خون کا بدلہ لیا جا سکے۔

شرجیل شام کے تمام شہروں میں گیا اور لوگوں سے کہا:

''علیؑ نے عثمان کو قتل کر دیا ہے اور جنہوں نے علیؑ پر غصّے کا اظہار کیا ہے انہیں بھی قتل کر دیا گیا ہے اور وہ وہاں کے علاقے پر قبضہ حاصل کر چکا ہے۔ فقط شام کی سرزمین اس کے قبضے سے بچی ہے۔ علیؑ کے ہاتھ میں تلوار ہے اور اپنے مخالفین کو مارنے پر تلا ہوا ہے۔ اب وہ تمہاری جانب آنا چاہتا ہے۔ یہاں علیؑ سے لڑنے کے لیے معاویہ سے زیادہ طاقتور کوئی شخص نہیں ہے' اب آپ کا شرعی فریضہ یہ ہے کہ اپنے مظلوم خلیفہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے قیام کرو''۔

تمام لوگوں نے شرجیل کی دعوت کو قبول کر لیا لیکن شہر حمص کے نیکوکار اشخاص نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم تو اپنے گھر اور مسجد تک محدود ہیں البتہ تم اپنا کام خود بہتر جانتے ہو۔ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جب معاویہ کو پتہ چلا کہ اب لوگ میری بیعت کر لیں گے تو اس نے جریر سے کہا:

''اپنے امیر کے پاس چلے جاؤ اور اسے کہو کہ میں اور اہلِ شام بیعت کرنے سے انکاری ہیں''۔ نیز کعب بن جمیل کے اشعار کو حضرت علیؑ کی طرف لکھ بھیجا:

''میں نے دیکھا ہے کہ شامی عراقیوں کی حکومت کو مکروہ سمجھتے ہیں
اور عراقی بھی ان سے خوش نہیں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے
سے کینہ اور دشمنی مول لیے ہوئے ہے اور اپنے اپنے دین اور آئین
کے پابند ہیں اور کہتے ہیں کہ علیؑ ہمارا امام ہے اور ہم ابن ہندہ پر ہی
خوش ہیں اور عوام کہتے ہیں کہ مصلحت اسی میں ہے کہ تم بھی ہماری

پیروی کرو۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ ہم تمہاری پیروی میں مصلحت نہیں دیکھتے۔ جو جس کے پاس ہے وہ اس پر خوش ہے اور اپنے سے کمزور کو دھوکا اور بے اہمیت کو اہمیت دیتے ہیں۔ اہلِ بصیرت علیؑ میں کسی عیب کو نہیں دیکھتے سوائے اس کے کہ بدعتیوں کو اس نے اپنے ساتھ ملایا ہوا ہے۔ وہ عثمان کے قتل پر خوش تھا نہ ہی ناراض اور کسی کو امر کیا نہ ہی منع''۔

جب حضرت علیؑ نے ان اشعار کو پڑھا تو نجاشی حارثی سے کہا کہ ان کے اشعار کا جواب دو۔ اس نے جواب دیا:

''اے معاویہ تم جس کام کو نہیں کر سکتے اسے چھوڑ دو اور تم جس شے سے ڈرتے تھے خداوندِ متعال نے اسے محقق فرما دیا ہے۔ علیؑ عراقیوں اور حجازیوں کے ہمراہ آ رہے ہیں۔ اب تم کیا کرو گے کیونکہ وہ تو تلوار اور نیزہ چلانے والے ہیں اور ان کا آئین خاکی ہے۔ انہوں نے طلحہ و زبیر (ناکثین) کو شکست دے دی ہے۔ اگر وہ عراقیوں کی حکومت کو پسند نہیں کرتے تو ہم اسے پسند کرتے ہیں اور اس پر خوش ہیں۔ کعب وائلی سے کہو: جو کمزور کا ساتھ اور بے اہمیت کو اہمیت دیتا ہے کیا تم اس علیؑ اور اس کے پیروؤں کو ہندہ کے بیٹے کی مانند جانتے ہو' کیا تمہیں شرم نہیں آتی؟''

جب جریر واپس آیا تو لوگوں نے اس کے بارے میں بہت سی باتیں کیں اور ان میں اُسے متہم قرار دیا۔ وہ اور مالکِ اشترؓ حضرت علیؑ کے پاس تھے۔ مالکِ اشترؓ نے کہا: اے امیر المومنینؑ خدا کی قسم! اگر مجھے اس کام کے سلسلہ میں بھیجا ہوتا تو معاویہ سے خالی واپس نہ لوٹتا جیسے بھی ہو سکتا' کرتا۔ اسے ذرا بھر بھی سوچنے کا موقع نہ دیتا۔

جریر نے کہا: اب آپ کے لیے کیا رکاوٹ ہے۔ جائیے اس کے پاس اور اسے سمجھائیے۔

مالکِ اشترؓ نے کہا: ان لوگوں کو تم نے تباہ کر دیا ہے۔ خدا کی قسم! تم تو اس کے دل میں جگہ پیدا کرنے کے لیے وہاں گئے تھے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تم بتا رہے ہو کہ اس کے مددگار زیادہ ہیں اور ہمیں ان کی کثرت سے ڈرا رہے ہو۔ اگر مولاؑ میری خواہش کو قبول کر لیں تو میں تمہیں اور تمہاری قسم کے لوگوں کو قید کر دوں یہاں تک کہ مسئلہ پایۂ تکمیل کو جا پہنچے''۔

جریر مالکِ اشترؓ کی گفتگو سے سخت رنجیدہ ہوئے اور اپنے گھر والوں کو لے کر راتوں رات کوفہ سے چلے گئے اور جزیرہ کے نواحی علاقے قرقیسا میں جا کر آباد ہو گئے۔

ادھر حضرت عمر کے بیٹے عبیداللہ نے ہرمذان نامی شخص کو قتل کیا ہوا تھا۔ اسے خوف لاحق ہوا کہ کہیں علیؑ مجھ سے ہرمذان کے خون بہا میں قصاص نہ لیں۔ یہ بھی کوفہ سے چلا اور جا کر معاویہ سے مل گیا۔

معاویہ نے عمرو عاص سے کہا: عبیداللہ کے ہمارے ساتھ مل جانے سے حضرت عمر کی یاد تازہ ہو گئی ہے۔ معاویہ نے عبیداللہ بن عمر سے کہا کہ لوگوں میں جاؤ اور اعلان کرو کہ حضرت عثمان کا خون علیؑ کے ذمہ ہے۔ اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ معاویہ نے پہلے تو اسے ڈرایا دھمکایا لیکن بعد میں اسے اپنے نزدیک کر لیا۔

معاویہ اور جنگ کی تیاری

جب اہلِ شام نے معاویہ کی نصرت کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور اس کے ساتھ قیام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ایک عابد ابو مسلم خوارزمی معاویہ کے پاس آیا۔ وہ اپنے ہمراہ چند عابد اور پارسا لوگوں کو بھی لایا اور کہا:

اے معاویہ! ہمیں پتہ چلا ہے کہ تم نے علی بن ابی طالبؑ سے جنگ کرنے کا پختہ

ارادہ رکھتے ہو لیکن یاد رکھو تمہارا اسلام میں سابقہ اس جیسا نہیں۔ اس کے باوجود تم اس سے کیسے جنگ کرنا چاہتے ہو؟

معاویہ نے ان لوگوں سے کہا: میں اپنے آپ کو علیؑ سے افضل نہیں سمجھتا لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ عثمان مظلومیت کے ساتھ مارے گئے ہیں؟

انہوں نے کہا: ہاں۔ معاویہ نے کہا: علیؑ اُن کے قاتلوں کو پکڑ کر ہمارے حوالے کردے تو ہم حکومت اس کے سپرد کردیں گے۔

ابومسلم نے کہا: اسی مضمون پر مشتمل مضمون لکھو میں اسے علیؑ کی خدمت میں لے جاتا ہوں۔

معاویہ نے خط لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معاویہ بن ابی سفیان کا خط ......علی بن ابی طالبؑ کے لیے

آپ پر درود و سلام ہو۔ میں ایسے خدا کی پرستش کرتا ہوں جس جیسا اور کوئی نہیں ہے۔ امابعد! خلیفہ حضرت عثمان مدینہ میں قتل کیے گئے ہیں اور آپ نے ان کے گھر سے مدد کے لیے (پکارنے کی) آوازیں سنیں تو زبان سے، نہ عمل سے ان کا دفاع کیا۔ خدا کی قسم! اگر آپ نے عثمان کے بارے میں سنجیدگی سے کام لیا ہوتا اور ان کی پریشانی کو دُور کیا ہوتا تو آج کوئی شخص بھی (جو ہمارے پاس موجود ہیں) آپ سے روگردان نہ ہوتا۔

آپ پر دوسری تہمت یہ ہے کہ آپ نے ان کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے اور وہ اب بھی آپ کے زور بازو ہیں اور ان کا شمار آپ کے دوستوں میں ہوتا ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ آپ نے خود کو تو قتل عثمان سے بری الذمہ رکھا ہوا تھا۔ اگر آپ سچے ہیں تو عثمان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کردیں تاکہ ہم انہیں ان کے قصاص میں قتل کردیں اور اس کے بعد ہم سب آپ کے گروہ میں شامل ہوجائیں گے۔ اس کے علاوہ سوائے جنگ

کے کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

خدا کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ ہم خشکی یا دریا میں عثمان کے قاتلوں کو پالیں گے اور پھر انہیں قتل کردیں گے اور اس کام میں کوشاں رہیں گے یہاں تک کہ ہمیں (طویل) مدت دامن گیر ہوجائے۔۔۔۔ والسلام!

ابومسلم معاویہ کا خط لے کر کوفہ آیا اور حضرت علیؑ سے ملاقات کی اور انہیں خط دیا۔

حضرت علیؑ نے خط پڑھا تو ابومسلم نے آپؑ سے عرض کیا:

اے ابوالحسنؑ! آپؑ نے ایسے کام کے لیے قیام کیا ہے اور ایسا کام کیا ہے کہ بخدا ہم اسے پسند نہیں کرتے۔ آپؑ اپنے بارے میں بھی حق بیانی سے کام لیں۔ حضرت عثمان (خدا ان سے خوش ہو) کو قتل کردیا گیا ہے۔ اب آپؑ ان کے قاتل ہمارے حوالے کردیں تو آپؑ ہمارے امیر ہیں اور جو آپؑ کی مخالفت کرے گا ہم قولاً و فعلاً آپؑ کے مددگار ہوں گے۔ تو اس وقت آپؑ مخالفین پر حجت اور معذور ہوں گے"۔

حضرت علیؑ نے اس سے فرمایا: کل صبح نماز فجر کے بعد جلد میرے پاس آجانا۔ اسے حضرتؑ کے حکم سے گھر میں لایا گیا اور عزت و احترام سے رکھا گیا۔ آئندہ روز صبح نماز فجر کے بعد وہ حضرت علیؑ کی خدمت میں آیا اور وہاں اس نے دس ہزار مسلح فوجیوں کو دیکھا جو لباس حرب سے لیس تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم ہی عثمان کے قاتل ہیں۔

ابومسلم نے حضرت علیؑ سے کہا: ان لوگوں کو میرے یہاں پر آنے کی وجہ معلوم ہے اور یہ کام آپ اس خوف سے کر رہے ہیں کہ انہیں میرے حوالے نہ کیا جائے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں نے سنجیدگی سے سوچا ہے اور میرا خیال ہے کہ انہیں تمہارے حوالے یا کسی اور کے حوالے کرنا ممکن نہیں ہے۔ بیٹھو تجھے خط کا جواب دوں اور جواب یوں لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بندۂ خدا امیر المومنین علیؑ کا خط معاویہ ابن ابوسفیان کی طرف

امابعد! یہ خولانی میرے پاس تمہارا خط لے کر آیا ہے جس میں لکھا تھا کہ میں نے عثمان کے ساتھ قطع رحم کیا اور اس کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا ہے۔ تو سنو میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگ اس پر غصے میں تھے۔ بعض اسے قتل کرنا چاہتے تھے اور بعض اس کی مدد کر رہے تھے۔ میں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ میں نے ان کے انجام کے انتظار میں کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ اب جو چاہو کہو' اور جو تم نے کہا ہے کہ اس کے قاتلوں کو تیرے حوالے کر دوں۔ میں ایسا نہیں کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم اپنی خواہشوں کو پانے کے لیے بہانے بنانا چاہتے ہو اور اسے وسیلہ بنا رہے ہو۔ درحقیقت تم عثمان کے خون کا بدلہ نہیں لینا چاہتے ہو۔ مجھے اپنی جان کی قسم! اگر تم اپنی گمراہی سے باز نہ آئے تو تمہارے ساتھ وہی کچھ ہوگا جو ہر سرکش کی سزا ہوتی ہے"۔

حضرت علیؑ کا عمرو عاص کو خط

حضرت علیؑ نے عمرو عاص کی طرف خط لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بندۂ خدا علی بن ابی طالبؑ کا خط عمرو عاص کی طرف

امابعد! دنیا اُس انسان کو دوسرے کاموں سے باز رکھتی ہے جو دنیا کی حرص میں مبتلا رہتا ہے۔ دنیا میں جوں جوں چیزیں ملتی جاتی ہیں' حرص بڑھتی جاتی ہے۔ جو شے مل جاتی ہے وہ اس شے سے جو نہیں ملتی بے نیاز نہیں کرتی۔ سعادت مند وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت اور عبرت حاصل کرے۔ معاویہ کی دوستی میں اپنے اعمال کو باطل مت کرو کیونکہ اس نے حق کو بھلا دیا ہے اور باطل کو منتخب کر چکا ہے ____ والسلام!

عمرو عاص نے حضرت علیؑ کے خط کا جواب یوں دیا:

"عمرو عاص کا خط علی ابن ابی طالبؑ کے نام"

امابعد! وہ شے کہ جس میں ہم سب کی مصلحت ہے اور جو شے ہمارے درمیان الفت اور محبت کا باعث ہے' یہ ہے کہ آپؑ ہماری دعوت کو قبول کریں اور اس کام کو شوریٰ کے حوالے کر دیں اور اگر ہم شوریٰ کی رائے کو قبول کر لیں تو لوگوں کی نگاہ میں معذور ہوں گے ____ والسلام!

حضرت علیؑ کی شام کی طرف روانگی

جب حضرت علی علیہ السلام نے شام کی طرف روانگی کا ارادہ کیا تو جمعہ کے دن کا انتظار کیا۔ جب جمعہ کا دن آیا تو منبر پر تشریف لے گئے۔ خداوندِ قدوس کی حمد و ثنا کی اور آنحضرتؐ پر درود پڑھا اور فرمایا:

"اے لوگو! قرآن و سنت کے دشمنوں کی طرف کوچ کرو۔ مہاجرین و انصار کے قاتلوں کی طرف کوچ کرو۔ جو جفاکاری اور مکر و زور کے بل بوتے پر اسلام لائے۔ ان کی طرف کوچ کرو جو لوگوں کے دلوں کو موہ لینے کے لیے مال دیتے ہیں' ان کی طرف کوچ کرو"۔

دریں اثناء قبیلہ فزارہ کا ایک اربد نامی شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا: کیا آپؑ ہمیں شامی بھائیوں کے ساتھ لڑانا چاہتے ہیں تاکہ ہم انہیں قتل کریں جس طرح آپؑ نے ہمیں بصریوں کے ساتھ لڑایا اور انہیں قتل کرایا؟ خدا کی قسم! ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔

مالکِ اشترؓ کھڑے ہوئے اور کہا:

اے لوگو! یہ کون ہے؟

فزاری دوڑا اور لوگوں کا ایک گروہ اس کے پیچھے دوڑا اور کناسہ نامی جگہ پر اسے پکڑ کر مارا گیا۔ جس سے وہ گر گیا۔ پھر ایسا پٹا کہ وہ وہیں پر مر گیا۔

جب یہ خبر حضرت علیؑ کو ملی تو آپؑ نے فرمایا:

ایسا گمراہ مارا گیا ہے کہ جس کا قاتل معلوم ہی نہیں ہے۔ اس کا خون بہا اس کے ورثہ کو بیت المال سے دیا جائے۔ بنی تمیم کے شعراء میں سے ایک شاعر نے یوں شعر کہے:

''اس شخص کی سوت جیسی بازاری موت سے خداوند کی پناہ مانگتا
ہوں جس کو قبیلہ ہمدان کے لوگوں نے جوتیوں سے اس طرح مارا
کہ ایک ہاتھ بلند ہوتا تھا تو دوسرا اسے جا لگتا تھا''۔

مالکِ اشترؒ کھڑے ہوئے اور کہا: اے امیرالمومنینؑ! آپؑ نے اس خائن سے جو سنا ہے اس کے سبب نا اُمید نہ ہوں۔ یہاں موجود سب لوگ آپؑ کے پیرو ہیں' آپؑ پر جان قربان کرنے والے ہیں اور آپؑ کے بغیر زندگی کو پسند نہیں کرتے۔ ہمارے ہمراہ دشمنوں کی طرف کوچ کریں۔ خدا کی قسم! جو موت سے ڈرتا ہے اس سے بچ نہیں سکتا۔ جو بقاء اور ہمیشہ باقی رہنے کو پسند کرتا ہے اسے ہمیشہ کی زندگی عطا نہیں ہوتی۔ کوئی شخص غرور اور آزار سے کسی شے کو حاصل نہیں کر سکتا۔

عبداللہ بن مسعود وغیرہ کا صفین میں شمولیت سے انکار

تمام لوگوں نے حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ کو قبول کیا لیکن عبداللہ بن مسعود اور عبیدہ سلمانی اور ربیع بن خثیم اور ان کے ساتھیوں نے شرکت نہ کی۔ یہ لوگ چار سو قاریوں کے ساتھ حضرتؑ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا:

''اے امیرالمومنینؑ! ہم آپؑ کے فضل کے معترف ہیں لیکن اس جنگ میں شک و تردد سے دوچار ہیں۔ آپؑ ہمیں اسلامی سرحد کی نگہداری کے جہاد کے لیے روانہ کریں''۔

حضرت علی علیہ السلام نے انہیں شہری اور قزاوین کے لیے بھیجا۔ ربیع بن خثیم کو کمانڈر مقرر فرمایا' اس کے لیے پرچم تیار کیا۔ یہ کوفہ میں پہلا پرچم تیار ہوا۔

ان دنوں حضرت علی علیہ السلام کو خبر پہنچی کہ حجر بن عدی اور عمرو بن حمق علی الاعلان

معاویہ پر لعنتیں کر رہے ہیں اور شامیوں کو بھی گالیاں دے رہے ہیں۔ تو حضرتؑ نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ ان کاموں سے پرہیز اور اجتناب کریں۔ یہ دونوں حضرت علیؑ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: اے امیرالمومنینؑ! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟

فرمایا: ربِ کعبہ کی قسم! ہم حق پر ہیں۔

انہوں نے کہا تو پھر آپؑ ہمیں لعنت اور گالیوں سے منع کیوں کر رہے ہیں؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں پسند نہیں کرتا کہ تم ان لوگوں کو لعنتیں اور گالیاں دو بلکہ کہو کہ پروردگار ہمارے خون کی حفاظت فرما' ہماری اصلاح فرما اور انہیں ہدایت فرما تا کہ جنہوں نے حق کو نہیں پہچانا وہ پہچان لیں اور جو باطل پر ہیں وہ اس سے باز آ جائیں۔ اور جب حضرت علیؑ نے جنگ کے لیے حرکت کا ارادہ کیا اور منادی کو ندا کا حکم دیا کہ لوگ نخیلہ کی وادی میں جمع ہو جائیں اور (جنگ کے لیے) تیار ہو کر باہر آ جائیں۔

حضرت علیؑ کا اپنے نمائندوں کو بلا بھیجنا

حضرت علیؑ نے ابومسعود انصاری کو کوفہ میں مقرر فرمایا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے آنحضرتؐ کی شب ستر آدمیوں کی ہمراہی میں بیعت کی تھی۔ اسے کوفہ میں متعین کرنے کے بعد خود نخیلہ کی طرف چلے۔ حضرت عمار یاسرؓ سب سے آگے تھے۔ حضرت علیؑ نخیلہ آئے اور اپنے نمائندوں کی طرف خط لکھے کہ وہ ان کے پاس آ جائیں۔ جب امام علیؑ کا خط ابن عباس کے پاس پہنچا تو اس نے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے خطاب کیا۔ سب سے پہلے احنف بن قیس نے' اس کے بعد خالد بن معمر سروی نے' اس کے بعد عمرو بن مرحوم عبدی نے اور اس کے بعد باقی تمام اہلِ بصرہ نے اپنی آمادگی کا اعلان کیا۔

ابن عباس نے ابوالاسود دوئلی کو بصرہ میں چھوڑا اور خود لوگوں کے ہمراہ سفر شروع کیا اور نخیلہ کے مقام پر حضرت علیؑ سے آ ملے۔

جب دُور اور نزدیک سے لوگ جمع ہوئے تو حضرت علی علیہ السلام نے نخیلہ سے

حرکت کی اور زیاد بن نضرہ اور شریح بن ہانی کو بلایا اور ہر ایک کو چھے ہزار سواروں پر مقرر فرمایا اور کہا:

""تم میں سے ہر ایک دوسرے سے الگ ہو کر سفر کرے اور اگر سامنے جنگ شروع ہو جائے تو زیاد بن نظر امیر لشکر ہوں گے۔ جان لو کہ مقدمۂ لشکر، لشکر کی آنکھ ہوتا ہے اور آنکھ کی طرح آگے ہوتا ہے اور دوسروں کے لیے جاسوسی کرتا ہے۔ تم اس کام سے تھک مت جایئے گا اور بغیر فوجی لباس اور مواظبت کے نہ گزریں اور جب دشمن کے سامنے آجاؤ یا دشمن تمہارے سامنے آجائے تو کوشش کرو کہ تم بلند جگہ پر رہو اور جب رات ہو جائے تو اپنی قیام گاہ کی نیزہ برداروں اور پہرہ داروں کے ذریعے سے نگہبانی کریں۔ اور ان کے پیچھے تیراندازوں کو کھڑا کرنا۔ جتنے بھی قیام کرنا رات اسی کیفیت سے بسر کرنا تاکہ تم پر شب خون نہ مارا جا سکے اور اپنی قیام گاہ کی خود حفاظت کرو اور کم سونا۔ خدا نے چاہا تو میں بھی بہت جلد تمہارے پیچھے آرہا ہوں۔ تم اس وقت تک پہل نہ کرنا جب تک وہ پہل نہ کریں یا میرا حکم نہ آجائے''۔

ان کے جانے کے تین دن بعد حضرت علی علیہ السلام کھڑے ہو گئے اور یوں ارشاد فرمایا:

""اے لوگو! کل ہم اپنے مقدماتی لشکر کے پیچھے جائیں گے۔ مبادا کوئی شخص سفر سے باز رہے۔ میں مالک بن حبیب بوعی کو مقرر کر رہا ہوں۔ وہ باقی لشکر کا امیر ہوگا۔ اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ کسی کو یہاں سے نہ گزرنے دے۔ وہ باقی تمام لوگوں کو لے کر ہم سے آملے گا''۔

حضرتؑ کا بابل کے خرابہ سے گزر

دوسرے روز صبح حضرت علیؑ کی طرف سے کوچ کا حکم صادر ہوا اور سفر شروع ہوا۔ حضرتؑ جب شہر بابل کے خرابہ میں پہنچے تو اپنے اصحاب سے فرمایا:

""یہ وہ شہر ہے جو کئی بار تباہ ہو چکا ہے اور زمین بوس ہو چکا ہے۔ اپنے گھوڑوں کو جلدی سے گزارو ان کی لگاموں کو ڈھیلا کر دو تاکہ اس شہر سے گزر جائیں شاید (ہم) نمازِ عصر کے وقت تک اس شہر سے نکل جائیں''۔

امامؑ نے حرکت کی، لشکر نے بھی حرکت کی اور وہ اس شہر کی حدود سے باہر نکل آئے۔ جب نمازِ عصر کا وقت ہوا تو سب اپنی اپنی سواریوں سے اترے اور نماز ادا کی۔ نماز کے بعد دوبارہ سوار ہوئے اور دیرِ کعب پہنچے۔ وہاں سے گزر کر ساباط مدائن پہنچے۔ وہاں لوگوں نے آرام کیا اور اپنی تھکن دُور کی۔ صبح پھر سفر شروع کیا۔ اس وقت اس لشکر کی تعداد ۸ ہزار یا اس سے زیادہ تھی۔ یہ تعداد پیرووں اور نوکروں کے علاوہ تھی۔

معقل کی علمداری

حضرت علیؑ نے حرکت کی اور شہر انبار پہنچے۔ مدائن میں معقل بن قیس کو ایک پرچم اور تین ہزار آدمی دیئے اور انہیں حکم دیا کہ موصل اور نصیبین کے راستے سے جائیں اور رقہ میں ان کے ساتھ مل جائیں۔ معقل نے حرکت کی اور موصل کے محلہ حدیثہ میں آیا۔ حدیثہ پہلے زمانے میں شہر تھا اور موصل کو بعد میں اسے مروان بن محمد نے بنایا تھا۔

جب معقل وہاں پہنچا تو اس نے دو شخصوں کو دیکھا جو ایک دوسرے کو شاخوں سے ...رہے تھے۔ قبیلہ خثعم کا ایک شخص بھی معقل کے ہمراہ تھا۔ اس نے فال نکالی اور جب ...نے انہیں دیکھا تو ہی ہی کہنا شروع کر دیا۔

دریں اثناء دو شخص آئے۔ انہوں نے ان میں سے ایک شخص کی ...

لے گئے۔ خثعمی شخص نے کہا: تم اس جنگ میں نہ غالب ہوگے اور نہ ہی مغلوب۔

معقل نے کہا: خدا نے چاہا تو بہتر ہی ہوگا۔ پھر اپنے رستہ پر چل پڑے، سفر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بلیخ نامی جگہ پر حضرت علیؑ سے آملے۔ حضرت علیؑ نے وہاں تین روز قیام فرمایا اور حکم دیا کہ فرات عبور کرنے کے لیے یہاں ایک پُل بنایا جائے۔ جب حضرت علیؑ فرات سے گزر گئے تو زیاد بن نضر اور شریح بن ہانی کو حکم دیا کہ اب بھی تم میرے آگے آگے سفر کرو۔ انہوں نے حرکت کی اور جب سور الروم پہنچے تو وہاں ابواعور سلمی کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ یہ شخص شامی تھا اور اس کے ساتھ بہت زیادہ سوار تھے۔ انہوں نے حضرت علیؑ کو پیغام دیا اور اپنے آنے کی اطلاع دی۔

حضرت علیؑ کا مالکِ اشترؓ کو امیر مقرر کرنا

حضرت علی علیہ السلام نے ان دونوں پر مالکِ اشترؓ کو امیر مقرر فرما کر ان کی طرف بھیجا۔ مالکِ اشترؓ ان کے پاس پہنچا اور ان کے وہاں پہنچتے ہی جنگ شروع ہوگئی۔ دونوں گروہ استقلال سے لڑے لیکن جب رات ہوئی تو ابواعور سلمی میدان سے فرار کر کے معاویہ کے پاس پہنچا۔ معاویہ نے بھی اپنے سواروں کے ساتھ حرکت کی۔ سفیان بن عمرو آگے آگے آ رہا تھا اور لشکر کے آخر میں بسر بن ابوی ارطاہ عامری تھا۔ سفیان ابواعور کے ہمراہ صفین آیا۔

مقامِ صفین میں لشکروں کا پڑاؤ

صفین ایک ویرانہ نما میدان تھا جسے رومیوں نے بنایا تھا اور دریائے فرات کے رودخانہ کے قریب تھا۔ پس فرات کے کنارے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔ سفیان بن عمر اور ابواعور اور انہوں نے صفین میں پڑاؤ کیا۔ ان کے بعد معاویہ بھی تمام فوج کو لے کر ان کے ساتھ شامل ہوگیا۔

معاویہ نے ابواعور سلمی کو حکم دیا کہ دس ہزار فوجیوں کے ساتھ فرات پر پہرہ دو اور جو عراقی (علیؑ کی فوج کا سپاہی) یہاں پانی پینا چاہے اسے روکو۔ حضرت علی علیہ السلام جب وہاں پہنچے اور پتہ چلا کہ شامیوں نے فرات پر قبضہ کرلیا ہے تو آپؑ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ معاویہ کی فوج کے قریب ہی پڑاؤ ڈالو۔ تھوڑی دیر کے بعد جب چند لوگ پانی بھرنے کے لیے فرات پر آئے تو ابواعور نے انہیں پانی بھرنے سے روک دیا۔

جب اس بات کا حضرت علی علیہ السلام کو پتہ چلا تو حضرتؑ نے صعصعہ بن صوحان سے فرمایا:

"معاویہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو ہم جنگ سے پہلے اتمامِ حجت کے لیے آئے ہیں، صلح کرلو تو یہ بہت اچھا ہے۔ اب تم ہمارے اور پانی کے درمیان مانع ہو رہے ہو۔ اگر صلح نہیں کرنا چاہتے تو لوگوں کو چھوڑ دو تا کہ جنگ کریں اور پھر پانی جس کے قبضہ میں آجائے گا وہ پیئے گا"۔

ولید نے کہا: اے معاویہ! تم ان کا اسی طرح پانی بند کرو جس طرح انہوں نے حضرت عثمان کا پانی بند کیا تھا اور انہیں پیاسا قتل کرو۔

معاویہ نے عمرو عاص سے کہا: تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

عمرو عاص نے کہا: پانی سے کنارہ کرو کیونکہ اگر تم سیراب ہوئے تو یہ ہرگز پیاسے نہیں رہیں گے۔

حضرت عثمان کے مادر زاد بھائی عبداللہ بن ابی سرح نے کہا: آج رات ان کا پانی بند رکھو چنانچہ صعصعہ نے معاویہ سے کہا: تمہارا کیا خیال ہے؟

معاویہ نے کہا: تم چلے جاؤ بعد میں میرا پیغام تم تک پہنچ جائے گا۔ صعصعہ نے حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر سب باتوں سے آگاہ کیا۔ عراقیوں نے وہ دن اور رات بغیر پانی کے گزارا۔ صرف چند ایک غلاموں نے رات گئے دُور سے جا کر پانی پیا۔

اس صورت حال میں حضرت علی علیہ السلام بہت غمگین ہوئے اور لوگوں کی تشنگی سے بہت افسردہ ہوئے۔ اشعث بن قیس حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے امیرالمومنینؑ! کیا آپؑ کے ہوتے ہوئے اور ہماری تلواروں کے ہوتے ہوئے یہ لوگ ہمیں پانی سے روک سکتے ہیں؟

آپ مجھے حکم دیں خدا کی قسم جب تک مر نہ جاؤں واپس نہیں آؤں گا اور مالکِ اشترؓ اور اشعث دونوں نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا جس سے ابواعور اور اس کے ساتھی فرات سے پسپا ہوگئے اور فرات مالکِ اشترؓ کے ہاتھ آ گیا۔

عمرو عاص نے معاویہ سے کہا: اگر آج وہ ہمارے ساتھ ایسا ہی کریں جیسا کہ کل ہم نے ان کے ساتھ کیا تھا تو تم کیا کرو گے؟

معاویہ نے کہا: جو گزر چکا ہے اس کی بات نہ کرو، تم علیؑ کے بارے میں کیسی فکر رکھتے ہو وہ ایسا نہیں کرے گا۔

عمرو نے کہا: میرا تو یہ خیال ہے کہ تم نے ان کے ساتھ جیسا سلوک کیا ہے وہ ویسا نہیں کرے گا۔

عبیداللہ بن عمر کو حضرت علیؑ کی سرزنش

کچھ جنگ ٹھنڈی ہوئی تو حضرت علی علیہ السلام نے حکم دیا کہ شامیوں پر پانی بند مت کرنا۔ جب پانی کو کھلا رکھا گیا تو عراقی اور شامی آپس میں ملنے جلنے لگے۔ کسی قسم کی ناروا گفتگو نہ کی بلکہ ایک دوسرے سے صلح و آشتی کے امیدوار تھے۔ عبیداللہ بن عمر بن خطاب حضرت علیؑ کے خیموں میں آیا اور حضرت علیؑ سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ اسے اجازت دے دی گئی۔ جب وہ حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت علیؑ نے فرمایا: ہرمذان جو میرے چچا عباس کے ہاتھوں مسلمان ہوا تھا تم نے اسے قتل کر دیا جبکہ تمہارے باپ نے اس کے لیے ماہانہ دو ہزار درہم مقرر کیے ہوئے تھے اور اب تم

ھ سے اپنی سلامتی کی امید رکھتے ہو؟

عبیداللہ نے کہا: حمد و ثنا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے اگر آپ مجھ سے ہرمذان کے خون کا صاص طلب کریں گے تو میں بھی آپ سے حضرت عثمان کے خون کا مطالبہ کروں گا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: عنقریب جنگ میں آمنا سامنا ہوگا اور تمہیں پتہ چل جائے

یع الثانی سے محرم تک کے مختصر حالات

ماہ ربیع الثانی اور جمادی الاول میں ایک دوسرے کی طرف نمائندے آتے جاتے ہے اور ایک دوسرے کو پیغامات دیتے رہے۔ بسا اوقات چھوٹی موٹی جھڑپیں بھی ہوتی ں لیکن قاریوں اور نیک لوگوں نے لڑائی جھگڑے سے اجتناب کیا۔ ان دونوں مہینوں ۸۵ دفعہ حملے کیے گئے۔ قرآن کے قاریوں نے لوگوں کو لڑائی سے روکنے کی کوششیں ں۔

جب ماہ جمادی الاول مکمل ہوا تو حضرت علی علیہ السلام نے اپنی سپاہ کو تیار کیا اور لڑائی کے لیے آمادہ کیا۔ پھر معاویہ کو پیغام بھیجا کہ اب جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ت علی علیہ السلام کا پیغام ملتے ہی اس نے بھی اپنے لشکر کو جنگ کے لیے تیار کیا۔ محاذ گرم ہوا۔ ہر ایک گروہ اپنے اپنے پرچم کے نیچے جمع ہو گیا اور حملہ کرنے کے لیے تیار لیکن ابھی جنگ نہ ہو سکی اور اس خوف سے کہ کہیں جنگ سے دونوں گروہ نابود نہ ئیں جنگ سے باز رہے۔ لیکن دونوں گروہوں کے لوگ میدان میں ایک دوسرے ست و گریباں ہوئے۔ رجب کا مہینہ آیا تو دونوں گروہوں نے جنگ سے ہاتھ کھینچ ہتے ہیں کہ ابودردا اور ابوامامہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ معاویہ کے پاس آئے اور اسے م حضرت علیؑ کے ساتھ کس طرح جنگ کریں دریں حالیکہ وہ تم سے خلافت کے زیادہ یں؟

معاویہ نے کہا: میں تو حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے جنگ کر رہا ہوں۔

انہوں نے کہا: کیا اسے علیؑ نے قتل کیا تھا؟

معاویہ نے کہا: اس نے حضرت عثمان کے قاتلوں کو پناہ دی ہوئی ہے۔ اب اسے کہو کہ انہیں ہمارے حوالے کردے تو میں شامیوں میں سب سے پہلے اس کی بیعت کروں گا۔

وہ دونوں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری بات سنائی تو بیس ہزار فوجی حضرت علیؑ کی فوج سے باہر نکل آئے اور اعلان کیا کہ ہم سبھی عثمان کے قاتل ہیں۔

ابودردا اور ابوامامہ وہاں سے نکلے اور کسی ساحل کی طرف چلے گئے اور انہوں نے اس جنگ میں کسی طرف سے بھی شرکت نہ کی۔ اس کے بعد معاویہ نے شرجیل بن سمط کندی اور حبیب بن مسلمہ اور معن ابن یزید بن اخنس کو بلایا اور کہا:

"علیؑ کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ عثمان کے قاتلوں کو میرے حوالے کردو اور خلافت سے دُور ہو جاؤ تاکہ اس مسئلہ کو مسلمانوں کی شوریٰ میں رکھا جائے۔ وہ جس کو پسند کریں گے اس خلیفہ بنالیں گے"۔

یہ لوگ حضرت علیؑ کے پاس آئے۔ حبیب بن مسلمہ نے بات شروع کی اور جو باتیں معاویہ نے کہیں تھیں آپ کو بتائیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اے ابن مادر! تمہیں اس کام سے کیا سروکار جو تیرے شایانِ شان نہیں۔ حبیب غصے سے چلا گیا اور جاتے وقت کہا: بخدا آپ مجھے ایسی جگہ پر دیکھیں گے جہاں دیکھنا پسند نہیں کرتے۔

شرجیل نے کہا: کیا آپ عثمان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے نہیں کریں گے؟

آپؑ نے فرمایا: میں یہ کام سرانجام نہیں دے سکتا کیونکہ وہ تو بیس ہزار لوگ ہیں۔

دونوں اٹھے اور باہر آگئے۔ لوگ محرم کے آخر تک اس کیفیت ہی میں رہے۔

حابس بن سعد طائی جو کہ معاویہ کا دوست اور قبیلہ بنی طی کا علم دار تھا' نے یوں چند اشعار بیان کیے:

"ہمارے اور موت کے درمیان سات آٹھ دن سے زیادہ فاصلہ نہیں ہے اس لیے کہ محرم کے اتنے ہی دن باقی ہیں۔ ہم اور وہ علی الاعلان موت پر ہجوم کر رہے ہیں کیا قرآنی آیات ہمیں جنگ سے منع کرتی ہیں البتہ انہیں ہمارے ساتھ لڑنے سے منع نہیں کرتیں"۔

جب ماہ محرم ختم ہوگیا تو حضرت علی علیہ السلام نے غروبِ آفتاب کے وقت ایک شخص کو حکم دیا کہ معاویہ کے لشکر کے نزدیک آواز دو کہ جب تک حرمت والے مہینے تھے ہم نے جنگ نہیں کی اور اب حرمت والے مہینے ختم ہوگئے ہیں لہٰذا اب ہم اعلانِ جنگ کرتے ہیں اور خداوند متعال خیانت کاروں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت علیؑ کے جنگِ صفین میں علم دار

اس رات ہر ایک گروہ نے اپنی اپنی سپاہ کو منظم اور تیار کیا اور دونوں طرف آگ کے بیچ جلتے رہے اور صبح کے وقت صف بندی کی گئی۔ حضرت علی علیہ السلام نے عمار بن یاسر کو سواروں پر اور عبداللہ بن بدیل بن ورقاء خزاعی کو پیادہ لوگوں پر مقرر فرمایا۔ اپنا سب سے بڑا علم ہاشم بن عتبہ مرقال کو دیا۔ اشعث بن قیس کو میسرہ پر اور عبداللہ بن عباس کو میمنہ پر متعین فرمایا اور میمنہ کے پیادہ فوجیوں پر سلیمان بن صرد کو نیز میسرہ کے پیادہ فوجیوں پر حارث بن حرہ عدی کو مقرر کیا۔ قبیلہ معز کے لوگوں کو قلب لشکر پر متعین کیا اور قبیلہ ربیعہ کو دائیں سمت اور اہل یمن کو بائیں سمت متعین فرمایا۔ قبیلہ قریش' اسد' کنانہ کے افراد کو عبداللہ بن عباس کے حوالے کیا۔ قبیلہ کندہ کو اشعث کے اور قبیلہ بکر بصری کو صفین بن منذر

اور قبیلہ تمیم بعدی کو نعیم بن جرہ کے' اور سعد رباب بصرہ کو خارجہ بن قدامہ کے' اور قبیلہ بجیلہ کو رفاعہ بن شداد کے اور ذیل کوفی کو رویم شبانی کے' اور قبیلہ حنظلہ کو اعین بن ضبیعہ کے' اور قبیلہ قضاعہ کو عدی بن حاتم کے' اور لہازم کوفیوں کو عبداللہ بن بدیل کے' قبیلہ تمیم کوفہ کو عمیر بن عطارد کے' اور قبیلہ ہمدان کو سعد بن قیس' اور لہازم بصرہ کو خزعیہ خازم کے' اور سعد رباب کوفہ کو ابوصرمہ کے' اور قبیلہ مذحج کو مالکِ اشترؓ کے' اور قبیلہ عبدقیس کو عبداللہ بن طفیل کے' اور قبیلہ عبدقیس بصرہ کو عمرو بن حنظلہ کے' اور قبیلہ قیس بصرہ کو شداد ہلالی کے' اور باقی دُور سے آنے والے گروہوں کو قسم بن حنظلہ جہنی کے حوالے کیا۔

معاویہ کے جنگ صفین میں علَم دار

معاویہ نے سواروں پر عبداللہ بن عمرو عاص کو امیر مقرر کیا۔ پیادہ لوگوں پر مسلم بن عقبہ (خدا اس پر لعنت کرے) کو مقرر کیا۔ میمنہ پر عبیداللہ بن عمر خطاب کو مقرر کیا۔ میسرہ پر حبیب بن مسلمہ کو مقرر کیا' اپنا بڑا پرچم عبدالرحمٰن بن خالد کے حوالے کیا۔ ضحاک بن قیس کو دمشق کے لوگوں پر مقرر کیا۔ ذوالکلاع کو حمص کے لوگوں پر مقرر کیا۔ زفر بن حارث کو قنسرین کے لوگوں پر مقرر کیا۔ سفیان بن عمرو کو اُردن کے لوگوں پر مقرر کیا۔ مسلمہ بن خالد کو فلسطین کے لوگوں پر مقرر کیا۔ بسر بن ابی ارطاۃ کو دمشق کے پیادہ لوگوں پر مقرر کیا۔ حوشب ذوظلم کو حمص کے پیادہ لوگوں پر مقرر کیا۔ طریف بن حابس کو قنسرین کے پیادہ لوگوں پر مقرر کیا۔ عبدالرحمٰن قینیؔ کو اُردن کے پیادہ لوگوں پر مقرر کیا۔ ہلال بن ابی ہیرہ کو قیس حمص پر مقرر کیا۔

حابس بن ربیعہ کو میمنہ کے پیادہ لوگوں پر مقرر کیا۔ حسان بن بجدل کو دمشق کے قبلہ قضاعہ پر مقرر کیا۔ عباد بن زید کو حمص کے قاضیوں پر مقرر کیا۔ عبداللہ بن جون سکسکی کو دمشق کے قبیلہ کندہ پر مقرر کیا۔ یزد بن ہیرہ کو حمص کے قبیلہ کندہ پر مقرر کیا۔ یزید ابن اسد عجلی کو نمر بن قاسط کے قبیلہ قضاعہ پر مقرر کیا۔ نابل قیس کو فلسطین کے قبیلہ لخم پر مقرر کیا۔ حمزہ

بن مالک کو اُردن کے قبیلہ ہمدان پر مقرر کیا۔ زید بن حارث کو اُردن کے قبیلہ غسان پر مقرر کیا۔ قعقاع بن ابرہہ کو ان لوگوں پر جو دُور سے آئے تھے مقرر کیا۔ عمرو بن عاص کو تمام سواروں پر اور ضحاک بن قیس کو تمام پیادہ لوگوں پر مقرر کیا۔

دونوں گروہوں نے اپنی صفوں کو سات سات صفوں میں تقسیم کیا۔ دو صفوں کو دائیں جانب اور دو صفوں کو بائیں طرف مقرر کیا اور تین صفوں کو قلب لشکر قرار دیا۔ دونوں گروہوں کی کُل چودہ صفیں ہوئیں۔ ہر گروہ کے افراد اپنے اپنے پرچم کے نیچے کھڑے ہوگئے اور کچھ دیر تک سناٹا سا چھا گیا۔

باپ بیٹے کے مقابلے میں

اس خاموشی کو توڑتے ہوئے تحمل بن اثال (عراقی فوجی) جس کا تذکرہ عرب کے شجاع لوگوں میں ہوتا تھا' میدان میں نکلا۔ دو صفوں کے درمیان کھڑا ہوگیا اور آواز بلند کی۔ دوسری طرف سے اس کا باپ (اثال) سر پر لوہے کا خود پہنے باہر نکلا۔ اثال کا ذکر شام کے شجاع لوگوں میں ہوتا تھا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کو پہچان نہ سکے۔ انہوں نے ایک دوسرے پر نیزوں سے حملے کیے لیکن کوئی بھی زخمی نہ ہوا۔ بالآخر اثال نے نیزہ مارا جس سے تحمل زمین پر گرا۔ اثال بیٹے کے سینے پر چڑھا' دونوں نے ایک دوسرے کو غصّے سے دیکھا تو ایک دوسرے کو پہچان گئے۔

جب انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا' فوراً ایک دوسرے کو چھوڑ دیا اور اپنے اپنے لشکر کی طرف واپس لوٹ گئے۔ اس کے علاوہ کوئی اور ناخوش گوار واقعہ اس دن پیش نہ آیا۔ لوگ متفق ہوگئے اور اپنی قیام گاہوں کو چلے گئے۔

جعدہ اور عتبہ برادرِ معاویہ کے درمیان معرکہ

دوسرے روز بھی صف بندی کی گئی۔ اس دن عتبہ بن ابوسفیان گھوڑے پر سوار

میدان میں آیا اور دونوں لشکروں کے درمیان کھڑا ہوگیا اور جعدہ بن میسرہ بن ابی وہب قرشی کو مبارزہ کے لیے بلایا۔ جعدہ آیا اور عتبہ کے نزدیک آ کر رُک گیا۔ عتبہ پہلے باتیں کرنے میں لگا رہا۔ جعدہ نے اسے غصہ دلایا تو جعدہ کو گالیاں دینے لگ گیا۔ مگر دونوں ایک دوسرے پر غصّے میں بھرے ہوئے واپس چلے گئے۔ پھر دونوں نے اپنے اپنے گروہ تیار کیے اور جنگ کے لیے آمادہ ہوگئے۔

دونوں میدانِ جنگ میں آئے۔ لوگوں کی آنکھیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ جب جعدہ لڑائی کے لیے تیار ہوا تو عتبہ چلا گیا جس سے دونوں کے فوجی بھی واپس چلے گئے۔ اس دن بھی اس کے علاوہ کوئی اور واقعہ رونما نہ ہوا۔

نجاشی نے ان دونوں کی کیفیت دیکھ کر چند اشعار کہے جن کا مفہوم یہ ہے:

''اے عتبہ! مرد بزرگوار کو گالی دینا بہت بڑی خطا ہے اور یہ ناپسند خطاؤں میں سے ہے۔ اس کی ماں اُم ہانی ہے اور اس کا باپ لوحی بن غالب کے خاندان سے ہے اور وہ ہبیرہ بن وہب ہے کہ تمام بنی مخزوم اس کے فضل اور برتری کے شاہد ہیں''۔

ادھر سے بھی چند اشعار کہے گئے جن کا مفہوم یہ ہے:

''انسان کو تکبر اور ناز نہیں کرنا چاہیے۔ خود پسندی اسے بڑا نہیں بنا سکتی۔ جب تلواریں باہر آئیں اور سوار بھی آئے تو تم نے کہا میرے پاس آؤ لیکن وہ نہ آئے اور چالاکی بھی نہ کی۔ تم قبیلہ سکون' ازدٗ صدف کے کشتہ جو زمین پر گرے پڑے ہیں' کو کیوں نہیں دیکھتے۔ اے عتبہ! اگر تم میں بے عقلی اور تن آسانی نہ ہوتی تو اس بدنامی اور رسوائی سے دُور ہوتے''۔

ایک دن اشعث عراق کے شجاع جوانوں کے ساتھ باہر آیا تو معاویہ کی طرف سے

ب بن مسلمہ بھی چند سواروں کے ساتھ نکلا۔ اس قدر جنگ ہوئی کہ ہر طرف سے وفغاں ہونے لگی۔ پھر ایک دن ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص جو کہ مرقال کے نام سے روف تھا' میدانِ جنگ میں آیا اور اس کے ہمراہ چند ایک سوار بھی تھے۔

ادھر معاویہ کے لشکر سے ابواعور سلمی بھی چند ایک سواروں کے ساتھ آیا۔ سارا دن دو گروہوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ کوئی بھی پسپا نہ ہوا۔

رو عاص کے پرچم کی داستان

دوسرے روز حضرت علیؑ کی فوج سے عمار یاسر میدانِ کارزار میں آئے اور معاویہ طرف سے عمرو عاص جنگ کے لیے میدان میں وارد ہوا۔ اس کے پاس سیاہ پرچم تھا کو اس نے نیزہ کے ساتھ باندھا ہوا تھا۔ جس کے بارے میں لوگوں نے کہا کہ اس م کو رسولؐ اللہ نے باندھا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اس پرچم کی داستان میں تمہیں سناتا ہوں' یہ ت ہے کہ اس پرچم کو آنحضرتؐ نے باندھا تھا لیکن انہوں نے فرمایا تھا: جو کوئی اس م کو لے گا اسے چاہیے کہ اس کا حق بھی ادا کرے''۔ تو اس وقت عمرو عاص نے کہا کہ اس کا حق کیا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''اگر اسے کافر کے مقابلہ میں لے جاتا تو فرار نہ کرتا اور اس کے ساتھ مسلمانوں سے جنگ نہ کرتا''۔ جبکہ یہ آنحضرتؐ کے زمانے ں کافروں کے مقابلے پر اس پرچم کو لے گیا تو راہِ فرار اختیار کی اور آج اسے لے کر لمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے آیا ہے۔

بن حنفیہ بمقابلہ عبیداللہ ابن عمر

عمار اور عمرو عاص نے سارا دن جنگ کی لیکن کوئی بھی پیٹھ دکھا کر نہ بھاگا۔

رے دن حضرت محمد بن حنفیہ میدانِ جنگ میں وارد ہوئے اور معاویہ کی طرف سے للہ بن عمر مقابلے کے لیے آیا۔ عبیداللہ نے محمد حنفیہ سے کہا: میرے ساتھ جنگ کے

لیے تیار ہو جاؤ۔

محمد بن حنفیہ نے کہا: پیادہ! عبیداللہ نے کہا: ٹھیک ہے۔ دونوں گھوڑے سے اُترے۔ جب حضرت علیؑ نے ان دونوں کو دیکھا تو اپنے گھوڑے کو دوڑا کر محمد کے پاس آئے اور خود گھوڑے سے اتر آئے اور محمد بن حنفیہ سے فرمایا: میرے گھوڑے کو پکڑو۔ محمد نے گھوڑے کو پکڑا۔ حضرت علیؑ عبیداللہ بن عمر کی طرف بڑھے لیکن عبیداللہ اپنے لشکر کی طرف چل پڑا اور کہا کہ مجھے تمہارے ساتھ جنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میرا قصد تو صرف تمہارے بیٹے کے ساتھ جنگ کرنا تھا۔ حضرت محمد بن حنفیہ نے کہا: (بابا جان) اگر آپ مجھے جنگ کی اجازت دیتے تو میں اسے قتل کر دیتا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: ہاں مجھے بھی یہی اُمید تھی لیکن اس بات کا خوف بھی تھا کہ کہیں وہ تمہیں قتل نہ کر دے۔ نیم روز تک نوجوانوں میں معرکہ آرائی ہوئی اور بغیر کسی نتیجہ کے ختم ہو گئی۔

دوسرے روز عبداللہ بن عباس حضرت علیؑ کی طرف سے میدان میں آئے اور ان کے مقابلے میں معاویہ کی طرف سے ولید بن عتبہ آیا۔ دونوں کے ہمراہ سواروں کا گروہ تھا۔ ولید نے کہا: اے ابن عباس! تم قطع رحم کے مرتکب ہوئے ہو اور اپنے امام (عثمان) کو قتل کیا ہے لیکن پھر بھی تمہاری خواہش پوری نہ ہو سکی۔

ابن عباس نے کہا: افسانہ بازی سے باز رہ اور جنگ کے لیے تیار ہو جا۔ ولید نے قبول کیا اور سامنے آیا۔ ابن عباس نے اس دن ایک سخت جنگ کی اور دونوں گروہ انتقامی کیفیت میں اپنے اپنے لشکر کی طرف لوٹ گئے۔ تیسرے روز عمرو عاص میدان میں آیا اور حضرت علیؑ کی طرف سے سعد بن قیس ہمدانی مقابلہ کے لیے آیا۔ عمرو نے یوں رجز پڑھا:

"اے ابوالحسن! تم امان میں نہ رہو' اس لیے کہ چھری سے تمہیں
آسیب پہنچنے والا ہے"۔

شام کا ایک حجر الشر نامی شخص میدان میں آیا اور اس کے مقابلے میں حضرت علیؑ کی فوج سے حجر بن عدی آئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو نیزے مارے۔ شامی نے حجر بن عدی کو نیزہ مارا جس سے وہ گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور زمین پر گر پڑے لیکن حجر بن عدی کے دوستوں نے انہیں اٹھا لیا اور بچا لیا۔ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ اس معرکہ میں حجر بن عدی زخمی ہو گئے تھے۔ ان کے زخمی ہونے کے بعد اہلِ کوفہ سے حکم بن ازھر حجر الشر کے مقابلے میں آیا۔ یہ اہلِ کوفہ کے اشراف سے تعلق رکھتا تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے پر وار کیے تو حجر الشر نے حکم بن ازھر کو شہید کر دیا۔ یہ دیکھ کر حکم بن ازھر کا چچازاد رفاعہ بن طلیق جلدی سے جنگ کے لیے آیا اور اس نے ایک ہی حملہ میں حجر الشر کا کام تمام کر دیا۔ تو حضرت علیؑ نے خداوند متعال کی حمد و ثنا کی۔

عبداللہ بن بدیل معاویہ کے سر پر پہنچ گئے

دوسرے دن عبداللہ بن بدیل خزاعی جو کہ حضرت علیؑ کے دوستوں میں سے تھا اپنے ساتھیوں کے ہمراہ میدان میں آیا۔ اس کے مقابلے میں ابواعور سلمی بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آیا۔ دن کا کچھ حصہ جنگ ہوتی رہی۔ عبداللہ نے اپنے دوستوں کو جنگ کا کہا اور خود گھوڑوں کو تازیانہ مار کر شامیوں پر حملہ آور ہوا۔ وہ ان کی صفوں کو چیرتا ہوا تلوار زنی کرتا ہوا آگے بڑھا اور جہاں معاویہ بیٹھا تھا' وہاں پہنچنے کی کوشش کی۔ معاویہ کے دوست اسے بچانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

معاویہ نے کہا: خیال رکھو' لوہا اور تلواریں اس پر اثر نہیں کرتیں۔ تم اس پر پتھروں کی بارش کر دو۔ چنانچہ معاویہ نے ان پر اتنے پتھر برسائے کہ وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گیا۔

معاویہ آیا اس کے سینہ پر سوار ہو گیا اور کہا: یہ اپنی قوم کا پہلوان تھا اور یہ ان لوگوں میں سے ہے جو اس شعر کے مصداق ہیں:

"جنگجو وہ ہے کہ اگر جنگ اسے ہلاک کرنا چاہے تو وہ بھی جنگ کو ہلاک کر دے۔ اگر جنگجو اس کی کمر شکنی کرے تو وہ بھی اس کی کمر شکنی کرے، جس طرح شیر اپنے ساتھیوں کا دفاع کرتا ہے۔ موت بھی اسے اپنے تیر کا نشانہ بنائے تو وہ اسے گرا دے"۔

معاویہ اور خوف ذوالفقار

جس سوار پر معاویہ کو فخر تھا وہ اس کا آزاد کردہ غلام حریث تھا۔ وہ معاویہ کا لباسِ حرب کو پہن کر اس کے گھوڑے پر سوار ہوتا اور اس کی شبیہ بن کر مخالفوں پر حملہ آور ہوتا تھا۔ لوگ اسے دیکھتے تو کہتے تھے کہ یہ سوار معاویہ ہے۔

معاویہ نے اسے کہا ہوا تھا کہ جہاں دل چاہے نیزہ چلانا لیکن علیؑ کے نزدیک نیزہ لے کر مت جانا۔ عمرو عاص نے اسے تنہائی میں دیکھا تو کہا کہ تُو بھی علیؑ کی طرح جنگجو ہے تو پھر اس کے ساتھ جنگ کیوں نہیں کرتا؟

اس نے کہا: میرے آقا نے مجھے اس سے مقابلہ کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔ عمرو عاص نے اسے کہا: بخدا مجھے امید ہے اگر تم اس پر حملہ کرو تو اسے قتل کر ڈالو گے اور علیؑ کے قاتل ہونے کا شرف تمہیں مل جائے گا۔ ان باتوں نے حریث کے دل میں مقام پیدا کیا۔

حریث باہر میدان میں آیا اور دو صفوں کے درمیان کھڑا ہو گیا اور کہا: اے ابوالحسن! میرے ساتھ جنگ کرو اس لیے کہ میں حریث (ایک بہادر سوار) ہوں۔ حضرت علیؑ اس کے مقابلے میں گئے اور ایک وار ہی سے اسے پچھاڑ دیا۔

حضرت علیؑ کی معاویہ کو پیشکش

انہی دنوں میں سے ایک دن حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ کی طرف پیغام بھیجا کہ خواہ مخواہ لوگوں کو کیوں موت کے منہ میں دے رہے ہو۔ آؤ میں اور تم دونوں نبرد آزما

ہوتے ہیں اور ہم میں سے ایک مارا گیا تو دوسرا خلیفہ بن جائے گا۔

جب حضرت علی علیہ السلام کا پیغام معاویہ کو ملا تو اس نے عمرو عاص سے مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے؟

عمرو عاص نے کہا: علیؑ کہتا تو انصاف کی بات ہے۔ جاؤ اور جنگ کرو۔

معاویہ نے کہا: تم یہ کہہ کر مجھے مغرور کر رہے ہو؟ میں اس کے مقابلے میں کیسے آ سکتا ہوں۔ دریں حالیکہ قبیلہ ملک و اشعری میرے ماتحت ہیں اور وہ میری حمایت کرتے ہیں پھر اس نے ایک شعر کہا جس کا مفہوم یہ ہے:

"بادشاہوں کو جنگ میں مرنے والوں سے کیا ہے، مبارزہ تو شاہین کے گوشت کے ٹکڑے سے ہوتا ہے"۔

عمرو عاص نے موت سے گھبرا کر حضرت علیؑ کے سامنے پیٹھ ننگی کر دی

معاویہ عمرو عاص پر ناراض ہو گیا اور چند دنوں تک اس سے ہمکلام نہ ہوا۔ ایک روز عمرو عاص نے معاویہ سے کہا: کل میں علیؑ سے اپنے ساتھیوں کی معیت میں جنگ کرنے کے لیے جاؤں گا۔ عمرو عاص میدانِ کارزار میں آیا اور دو لشکروں کے درمیان کھڑے ہو کر کہا:

"میری زرہ ٹھیک کر دو تا کہ وہ کھل نہ جائے۔ ایک دن قبیلہ ہمدان کا تو دوسرا صدف کا ہے۔ جب تک تمیمی منحرف نہ ہوں ان کا بھی دن ہے اور ربیعہ کے لیے دن بہت تنگ اور مشکل ہے۔ جب ہم بڑبڑاتے اُونٹ کی طرح جولان میں آئیں تو ان کو نیزوں کے ساتھ سیدھا کر دیں"۔

اس نے آواز بلند کی: "اے ابوالحسنؑ! میرے ساتھ جنگ کے لیے آؤ تمہیں معلوم ہے، میں عمرو عاص ہوں"۔

حضرت علیؑ میدان میں آئے۔ پہلے نیزہ سے جنگ کی پھر تلوار نکالی اور عمرو عاص

پر حملہ کیا۔ جب عمرو عاص پر قابض ہوئے تو اس نے اچانک اپنے آپ کو گھوڑے سے گرا دیا اور اپنے ایک پاؤں کو بلند کیا جس سے اس کی شرمگاہ نظر آنے لگی۔ حضرت علیؑ نے اپنے چہرے کو اس سے پھیر لیا اور اسے چھوڑ دیا۔ جب عمرو عاص معاویہ کے پاس گیا تو معاویہ نے اس سے کہا: خدا کا شکر کرو کہ بچ نکلے ہو!

عبیداللہ بن عمر اور مالکِ اشتر میں مقابلہ

ایک دن عبیداللہ بن عمر جو کہ عرب میں پہلوان کے لقب سے پہچانا جاتا تھا' اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مالکِ اشترؓ کے مقابلے میں آیا۔ جب ان کے درمیان جنگ نے زور پکڑا اور عبیداللہ اور مالکِ اشترؓ کا آمنا سامنا ہوا تو عبیداللہ نے مالکِ اشترؓ پر حملہ کیا۔ مالکِ اشترؓ نے بھی اسے نیزہ مارا جو خطا ہوگیا۔ اس کے بعد مالکِ اشترؓ نے عبیداللہ کے ساتھیوں پر حملہ کیا۔ کچھ دیر بعد جنگ تھم گئی اور حضرت مالکِ اشترؓ غالب رہے۔

اگلے روز عبدالرحمٰن ابن خالد بن ولید معاویہ کی طرف سے میدان میں اُترا اور اس کے مقابلے میں عدی بن حاتم آئے۔ سارا دن جنگ ہوتی رہی البتہ بغیر کسی کے غلبہ کے تمام ہوگئی۔

ایک دن ذوالکلاع اپنے چار ہزار ساتھیوں کے ہمراہ میدان میں آیا اور اس نے حضرت علیؑ کے میسرہ (قبیلہ ربیعہ) پر حملہ کردیا جن کا امیر عبداللہ بن عباس تھا' جنگ زوردار ہوئی اور ان کے درمیان کانٹے دار مقابلہ ہوا۔ لاشوں پہ لاشے گرے جا رہے تھے۔

عبیداللہ بن عمر کی ہلاکت

عبیداللہ بن عمر نے فریاد کی کہ میں پاک ابن پاک ہوں۔ عمار نے اس کی آواز کا جواب دیا کہ تو ناپاک ہے۔ عبیداللہ بن عمر نے حملہ کیا اور یہ رجز پڑھا:

''میں عمر کا بیٹا عبیداللہ ہوں۔ میرا باپ سوائے آنحضرتؐ اور ابوبکر کے قریش میں سب سے بہترین تھا۔ قبیلہ معز نے حضرت عثمان کی

مدد نہ کی اور ربیعہ نے بھی ایسا کام کیا کہ یہ بارش کے پانی سے بھی سیراب نہ ہوسکیں گے''۔

اس نے شمر بن ریان عجلی کو مارا اور وہ شہید ہوگیا۔ شمر قبیلہ ربیعہ کے پہلوانوں میں سے تھا۔ دوسرے روز صبح کے وقت عبیداللہ بن عمر اپنے سابقہ ساتھیوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں نکلا تو قبیلہ ربیعہ کے لوگ مقابلے کے لیے سامنے آئے۔ دونوں لشکروں کے درمیان جنگ ہوئی۔ عبیداللہ شامیوں کے آگے آگے تلوار چلا رہا تھا۔ حریث بن جابر حنفی نے اس پر حملہ کیا اور اس کے گلے پر نیزہ مارا جس سے عبیداللہ بن عمر ہلاک ہوگیا۔

عبیداللہ بن عمر کے قاتل کے بارے میں اختلاف ہے۔ ھمدانی کہتے ہیں کہ ہانی نے قتل کیا۔ قبیلہ حضرموت والے کہتے ہیں کہ مالک بن عمرو حضرمی نے قتل کیا ہے اور قبیلہ ربیعہ والے کہتے ہیں کہ حریث بن جابر حنفی نے قتل کیا ہے البتہ اس آخری قول پر اکثر مؤرخین کا اتفاق ہے۔

ذوالکلاع کی ہلاکت

ایک دن ذوالکلاع شامیوں کے قبائل عک اور لخم کے شہسواروں کے ساتھ میدان میں وارد ہوا۔ ادھر حضرت علی علیہ السلام کی فوج سے عبداللہ بن عباس قبیلہ ربیعہ کے جوانوں کی معیت میں مقابلے کے لیے آئے۔ دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا۔ عراقی قبیلہ مذحج کے ایک شخص نے آواز بلند کی:

''اے خاندانِ مذحج! جلدی کرو اور تیزی کے ساتھ حرکت کرو''۔ انہوں نے قبیلہ عک پر حملہ کردیا اور ان کے اُونٹوں پر اس قدر شمشیرزنی کی کہ وہ سنبھل نہ سکے اور گر گئے۔ ذوالکلاع نے آواز لگائی: ''اے قبیلہ عک! اپنے اُونٹوں کو بٹھا دو''۔

بکر بن وائل کے قبیلہ کا ایک حدف نامی شخص آگے بڑھا اور اس نے ذوالکلاع پر حملہ کردیا اور اتنے زور سے تلوار اس کے شانے پر ماری کہ شانہ جدا ہوگیا اور وہ اپنی

سواری سے گر پڑا اور وہیں فی النار ہوگیا۔ جب یہ قتل ہوا تو قبیلہ عک نے تلواروں کے مقابلے میں مقاومت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا حتیٰ کہ رات ہوگئی۔

جنگِ صفین کا عجیب پہلو

جنگِ صفین میں عراقی اور شامی جنگ کے بعد ایک دوسرے کی قیام گاہوں میں آتے جاتے تھے اور کوئی بھی دوسرے کو منع نہ کرتا تھا اور نہ ہی کوئی ناخوشگوار واقعہ دیکھنے میں آیا۔ وہ اپنے مقتولین کو میدان سے اُٹھا کر لے جاتے تھے اور دفن کر دیتے تھے۔

حضرت علیؑ کا اہم اعلان

ایک دن حضرت علیؑ نے اعلان فرمایا: ''آج میں اپنے تمام لشکر کے ساتھ (لشکرِ معاویہ پر حملہ کروں گا اور ان لوگوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرتا رہوں گا جب تک خداوند ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہ فرماوے''۔

یہ اعلان سن کر لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا اور کہنے لگے کہ پہلے تو کچھ اس طرف سے اور کچھ اس طرف سے مقابلہ کرتے تھے اب جب کہ سبھی لوگ آپس میں لڑیں گے تو ہمیں خوف ہے کہ عرب نیست و نابود ہو جائیں گے۔

حضرت علی علیہ السلام اپنی مسند سے اٹھے اور لوگوں سے خطاب فرمایا: ''کل تم سب نے مخالفین کا مقابلہ کرنا ہے لہٰذا آج رات نمازیں بہت زیادہ ادا کرو اور خداوندِ متعال سے ثابت قدمی اور توبہ کی قبولیت کی درخواست کرو اور ان (دشمنوں) کے ساتھ پختہ ارادے سے لڑو''۔

کعب بن جعیل نے یوں کہا: ''اُمت ایک ایسے تعجب سے دوچار ہے کل جو کامیاب ہوگا خلیفہ بنے گا۔ میں تو سچی بات کرتا ہوں اور بغیر جھوٹ کے کہتا ہوں کہ کل عرب کے بڑے بڑے برج گر جائیں گے''۔

شامی بھی معاویہ کے پاس جمع ہوئے تو معاویہ نے کہا: ''مقدمۃ الجیشِ لشکر کہاں ہے؟ حمص کے لوگ اپنے پرچموں کے نیچے اکٹھا ہونا شروع ہوگئے۔ ان سب کا سردار ابواعور اسلمی تھا۔

معاویہ نے کہا: اُردن کے لوگ کہاں ہیں؟ وہ سب اپنے پرچم کے نیچے اکٹھے ہوئے۔ زفر بن حارث کلابی ان کا امیر تھا۔ اس کے بعد معاویہ نے کہا: لشکر کا امیر کہاں ہے؟ دمشق کے لوگ اپنے پرچم کے نیچے جمع ہوئے اور معاویہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کا امیر ضحاک بن قیس تھا اور کل لشکر کا امیر عمرو عاص کو بنایا گیا۔ یوں معاویہ کی فوج نے تیار ہو کر حضرت علیؑ کی فوج کے سامنے میدانِ جنگ میں قدم رکھا۔

معاویہ ایک بلند منبر پر بیٹھا تا کہ دورانِ جنگ اسے دونوں گروہ نظر آئیں۔ قبیلۂ عک شام کے لوگ میدان میں آگے بڑھے۔ وہ اپنے چہرے عماموں سے چھپائے ہوئے تھے انہوں نے اپنے سامنے ایک بڑا پتھر پھینک کر کہا:

''ہم نے یہ پتھر اس لیے پھینکا ہے کہ جنگ سے پیٹھ نہ دکھا جائیں''۔

عمرو عاص نے اپنی فوج کو پانچ صفوں میں تقسیم کیا اور خود ان کے سامنے آ گیا اور یہ رجز پڑھا:

''اے ایمان دار سپاہیو! ٹھیک ٹھیک قیام کرو اور خداوند سے مدد طلب کرو۔ مجھے ایک بات معلوم ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ علیؑ نے حضرت عثمان کو قتل کیا ہے۔ انہیں کہو کہ ہمارے شیخ کو جس طرح تھا واپس کردو''۔

ایک شامی شخص آگے بڑھا اور یہ رجز پڑھا:

''جب کل لشکر میدان میں تلواریں نکال کر آئے گا تو حضرت عثمان پر گریہ وزاری کی جائے گی اور ہم خدا سے اپنا حق مانگیں گے حالانکہ

ہمارے مدمقابل علیؑ کے لیے حکومت چاہتے ہیں اور تم جو چاہتے ہو اس کی دلیلیں پیش کرو۔ ہم نے بات کر دی ہے پس تم دلیل پیش کرو"۔

حضرت علی علیہ السلام نے نمازِ فجر کو اوّل وقت میں ادا کیا اور بعد میں اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ اپنے اپنے علَم کے سائے میں آجاؤ اور پھر شامی فوج کے اردگرد چکر لگایا اور پوچھا یہ کن کا گروہ ہے؟

ہر ایک کے گروہ کے نام بتائے گئے۔ جب ہر ایک کا پتہ چل گیا تو حضرت علی علیہ السلام نے کوفہ کے ازدیوں سے فرمایا:

تم ازدی شامیوں کے لیے کافی ہو اور خثعم سے فرمایا: تم خثعمی لوگوں کے لیے کافی ہو۔

الغرض آپؑ نے حکم دیا کہ میری فوج کا ہر ہر قبیلہ شامیوں کے اسی نام کے قبائل کے ساتھ جنگ کرے' نیز حکم دیا کہ حملہ یکبارگی ہونا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

حضرت علی علیہ السلام کے کُل بارہ ہزار اصحاب' جو حجاز و قریش اور انصار سے تھے۔ حضرتؑ ان کے آگے آگے تھے' ان سب نے تکبیر کہی جس سے لرزہ پیدا ہوگیا۔ شام کے لوگ دوڑ کر بکھر بکھری ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ ان کے پرچم اِدھر اُدھر گر گئے۔ معاویہ اور عمرو عاص پیچھے چلے گئے اور معاویہ گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ کچھ دیر کے بعد شامیوں نے پراگندگی کے بعد اکٹھا ہونا شروع کر دیا اور عراقیوں کے ساتھ جنگ کے لیے آمادہ ہوئے۔ پھر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا اور جم کر جنگ ہوئی۔ رات گئے تک جنگ جاری رہی جس میں عرب کے بزرگ افراد قتل ہوئے۔ دوسرے روز ایک دوسرے کی قیام گاہوں میں جا کر اپنے اپنے لوگوں کی لاشوں کو اکٹھا کیا اور سارا دن اپنی لاشوں کو دفناتے رہے۔ دفن سے فراغت کے بعد شام کے وقت حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے خطاب فرمایا:

"اے لوگو! صبح دوبارہ جنگ ہوگی۔ تم دشمن کا سامنا کرو گے اپنی آنکھوں کو بند رکھنا' آوازیں دھیمی رکھو اور باتیں کم کرو' ثابت قدم رہنا اور خدا کو زیادہ یاد کرنا اور آپس میں جھگڑا مت کریں ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہارا احترام ضائع ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

اسی شام معاویہ نے بھی اپنے اصحاب سے خطاب کیا اور کہا:

"اے لوگو! اپنے دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہو' کمزوری مت دکھانا' کسی ایسے شخص کے ساتھ جنگ مت کرنا جس کا خون بہانا حرام ہو ورنہ آسمان پر تمہارا عذر قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا"۔

عمرو عاص بھی اٹھا اور کہا:

"اے لوگو! زرہ پوشوں کو آگے بھیجو اور پیادوں نیز و زرہ کے بغیر لوگوں کو پیچھے رکھو اور اپنی کثرت عاریتاً ہمیں دے دو۔ اب حق اپنی جگہ پر پہنچ گیا ہے۔ جلد ہی ظالم اور مظلوم کا پتہ چل جائے گا"۔

ساری رات دونوں لشکروں نے جنگ کی تیاری میں گزاری اور صبح کو میدان میں ئے۔ حبیب بن مسلمہ جو کہ معاویہ کے لشکر میسرہ کا امیر تھا اس بدنہاد نے حضرت علیؑ کے میمنہ پر حملہ کیا جس سے حضرت علیؑ کا لشکر تھوڑا سا پسپا ہوا۔ جب حضرت علیؑ ھا تو سہل بن حنیف سے کہا: ان کی مدد کے لیے اپنے ہمراہی حجازیوں کے ساتھ ل ان کی مدد کے لیے روانہ ہوا تو شامی لشکر نے ان کا سامنا کیا اور ایسا حملہ کیا جس ں بھی پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ پھر انہوں نے اس لشکر پر حملہ کیا جس میں حضرت ۔ چنانچہ حضرت علیؑ کے چند دلیر ساتھیوں کے علاوہ کوئی بھی باقی نہ رہا۔ حضرت علیؑ

نے اپنے میسرہ کی طرف گھوڑے کا رخ کیا جس میں قبیلہ ربیعہ کے لوگ تھے اور جو تا حال ثابت قدمی کے ساتھ لڑ رہے تھے۔

علیؑ و حسنینؑ اور محمد حنفیہ تیروں کی زد میں

زید بن وہب کہتا ہے: "میں نے اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے ہمراہ حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ اور محمدؒ تھے اور ربیعہ کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے اردگرد تیر گر رہے تھے۔ حضرت علیؑ پر ان کے بیٹے جان نچھاور کر رہے تھے"۔

حضرتؑ جب میسرہ کے قریب پہنچے تو حضرت مالکِ اشترؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"ان پسپا ہونے والوں کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ جس موت کے بغیر چارہ نہیں ہے اور جو ہمیشہ رہنے والی زندگی ہے اس سے اپنے آپ کو کیوں بچا رہے ہو"۔

مالکِ اشترؒ نے پسپا لوگوں کو حوصلہ دیا

مالکِ اشترؒ نے اپنے گھوڑے کو تیز دوڑایا اور اس پسپا لشکر کے قریب آیا اور کہا:

"اے لوگو! میں مالک بن حارث ہوں۔ میرے پاس آؤ"۔

لیکن کسی نے بھی اس کی بات کی طرف توجہ نہ دی۔ مالکِ اشترؒ نے سمجھا کہ لوگوں نے مجھے اس نام سے پہچانا نہیں ہے لہٰذا پھر سے کہا: میں اشتر ہوں۔ یہ سنتے ہی لوگ اس کے پاس آئے۔ اب اس نے اور باقی سب لوگوں نے مل کر معاویہ کی فوج کے میسرہ پر حملہ کیا اور اتنی سخت جنگ کی کہ شامی پسپا ہو گئے اور پیچھے ہٹتے ہٹتے اپنی قیام گاہوں میں گھس گئے۔ مالکِ اشترؒ نے حضرت علیؑ کی فوج کے میمنہ کو درست کیا اور قلب لشکر کو بھی مرتب کیا۔ جب فوجی مرتب ہوئے تو اپنی صفوں کا معائنہ کیا اور انہیں اس دن پسپائی دکھانے پر ڈانٹا۔ اس وقت شامیوں نے حضرت علیؑ کی فوج کے میمنہ پر دھاوا بول دیا اور اسے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

حضرت زحر کی شہادت

زحر بن جہتل نے فریاد کی اے فرزندان تمیمی! تم کہاں بھاگے جا رہے ہو؟

انہوں نے کہا: تم پر افسوس ہے کہ تم پسپا ہو رہے ہو اور پھر بہانے بنائے جا رہے ہو۔ اگر دین کے لیے نہیں لڑ سکتے تو اپنے نسب اور شرف کی حفاظت کے لیے ہی جنگ کر لو اور میرے ساتھ مل کر حملہ کرو۔

حضرت زحر نے حملہ کیا۔ تمیموں نے بھی ان کے ساتھ حملہ کیا۔ زحر جنگ کرتے کرتے شہید ہو گئے۔ دونوں گروہوں کا آپس میں زبردست مقابلہ ہوا۔ لوگ کٹ کٹ کر سنگریزوں اور خاک پر گرنے لگے۔ ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں تم میں سے کون ہے جو بیوی بچوں کے لیے باقی رہنا چاہتا ہے۔ خدارا خدارا اپنی بیویوں کا کچھ خیال کرو۔

اس وقت حضرت علی علیہ السلام شامیوں کے گھمسان میں داخل ہوئے اور ایسی تلوار چلائی کہ ان کی تلوار خمیدہ ہو گئی اور لہولہان ہو کر اس اژدہام سے باہر نکلے۔ آپؑ نے تلوار کو درست کیا اور پھر میدان میں تشریف لائے۔ قبیلہ ربیعہ نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ کی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اس وقت وہ معاویہ تک پہنچ گئے۔ معاویہ نے عمرو عاص سے مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے۔

عمرو عاص نے کہا: اپنے شاہی خیمہ کو چھوڑ دو۔ معاویہ اپنے منبر سے اُتر آیا اور خیمہ سے باہر نکل گیا۔

قبیلہ ربیعہ کے چند لوگ حضرت علیؑ کی قیادت میں وہاں پہنچے اور اسے وہاں نہ پاکر اس کے خیمہ کو اُکھاڑ ڈالا۔ حضرت علی علیہ السلام نے وہ رات قبیلہ ربیعہ کے ہمراہ گزاری۔

ہاشم مرقال اور ابن ہاشم علم برداران علیؑ

جب صبح ہوئی تو شامیوں کے ساتھ جنگ کا آغاز کیا اور اپنا سب سے بڑا علم ہاشم

بن عتبہ المعروف مرقال کے حوالے کیا۔ مرقال نے سارا دن اس علم کے ساتھ جنگ کی۔ جب رات ہوئی تو اس کے کچھ ساتھی پسپا ہوگئے لیکن پھر بھی ہاشم اپنے دلیر ساتھیوں کے ساتھ ثابت قدم رہا۔

حارث بن منذر تنوخی نے اس پر حملہ کردیا اور اس نے ہاشم کو ایک زوردار نیزہ مارا لیکن پھر بھی اس نے جنگ جاری رکھی۔ چنانچہ اس کے پاس حضرت علیؑ کی طرف سے ایک نمائندہ آیا اور پیغام دیا کہ پرچم کو لے کر آگے بڑھو۔ نمائندے نے دیکھا کہ ہاشم کا پیٹ پھٹ چکا ہے۔ نمائندہ حضرت علیؑ کے پاس آیا اور ہاشم کی رپورٹ دی۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ ہاشم زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے زمین پر گر پڑے۔ جب ان کے ساتھیوں نے اسے زمین بوس دیکھا تو وہ پیچھے ہٹ گئے انہیں لاشوں کے بیچ چھوڑ گئے۔ رات ہوگئی تھی جنگ روک دی گئی۔ جب صبح ہوئی تو حضرت علیؑ نے نمازِ فجر سے فراغت کے بعد تیار ہوکر حملہ کردیا۔ اب سب سے بڑا علم ہاشم کے بیٹے کے حوالے کیا۔ دونوں گروہوں کے درمیان حملہ اور جنگ شروع ہوگئی۔

تعاقع ظفری روایت کرتے ہیں کہ اس روز ہم نے تلواروں کی ایسی جھنکار سنی جس سے بجلی کی چمک اور کڑک بھی کم تھی اور حضرت علیؑ جنگ کی نظارت کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ فرما رہے تھے:

''خداوند متعال کے علاوہ کوئی طاقتور نہیں ہے اور ہم خدا سے مدد چاہتے ہیں۔ خدایا! ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان حق کا فیصلہ فرما کیونکہ تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''۔

علیؑ لشکرِ شام میں چھپ گئے

اس کے بعد حضرت علیؑ نے شامیوں پر حملہ کردیا اور اس قدر لڑے کہ شامیوں میں چھپ گئے اور خون آلود ہوکر واپس لوٹے۔ اس سارے دن اور رات کی ایک تہائی تک

ـ جاری رہی۔ حضرت علیؑ کے جسمِ نازنین پر پانچ زخم لگے۔ تین زخم سر پر اور دو زخم ـے پر لگے۔ اس کے بعد جنگ ختم ہوگئی۔ دوسرے روز پھر جنگ کے لیے میدان سج گیا۔

عمرو عاص شامیوں کے آگے آگے تھا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار نے عمرو عاص ـملہ کیا اور جنگ کی۔ انصار کے دو نوجوان اس طرح تیزی سے آگے بڑھے کہ معاویہ ـے شاہی خیمہ میں داخل ہوگئے لیکن اس خیمہ کے کنارے پر انہیں قتل کردیا گیا۔ آج رات ـی ایک تہائی شب تک جنگ جاری رہی اور جب صبح ہوئی تو لوگ ایک دوسرے کی قیام ـاہوں میں گئے اور لاشے اٹھائے اور انہیں دفن کیا۔

ـعاویہ کا حضرت علیؑ کی طرف خط

معاویہ نے حضرت علیؑ کی طرف خط لکھا' اما بعد:

''میری آپ سے حضرت عثمان کے خون کی وجہ سے جنگ ہے اور اس کام میں ـستی کا مظاہرہ نہیں کروں گا۔ اگر خون کا بدلہ لے لیا تو اپنے مقصود کو پالوں گا ورنہ راہِ خدا ـں میری موت واقع ہوگی''۔

ـضرت علیؑ کا معاویہ کو جواب

حضرت علیؑ نے اس کے جواب میں لکھا' اما بعد:

میں تم سے وہی بات کرتا ہوں جو مخارق نے بنی فالج سے کی اور وہ یہ ہے: ''اے ـور اگر تم بنی فالج کی قیام گاہ سے گزرو تو ان سے کہہ دینا ہماری طرف جلدی سے آؤ لیکن ـانہ ہوا کہ صحرا کی خشکی کی طرح کہ جس کی گرد اور خاک اُڑ چکی ہو۔ قبیلہ سلیم بن منصور ـز لوگ ہیں اور ان کی سرزمین درختوں سے پُر ہے''۔

معاویہ نے پھر جواب دیا:

''پہلے ہم امیر کے ذریعے جنگ کرتے رہے ہیں۔ تمہاری اور میری مثال ایسے

ہے جیسے اوس بن حجر نے کہا ہے: ''جب قبیلوں کے درمیان جنگ چھڑ جاتی ہے تو ان کے پوشیدہ عیب بھی آشکار ہو جاتے ہیں اور جب جنگ ہو تو ضروری ہے کہ جو لائق لوگ ہوں وہ حمایت کریں اور چند لوگ ایسے ہیں جو بظاہر آراستہ و پیراستہ تو ہوتے ہیں لیکن ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا''۔

دوسرے روز صبح سویرے جنگ شروع ہوگئی۔ شامیوں کا سب سے بڑا پرچم عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کے ہاتھ میں دیا گیا۔ عبدالرحمٰن جو کہ عرب کے شجاع اشخاص میں سے تھا۔ وہ ایسا تھا کہ اس کے سامنے جو شے آتی اسے نابود کر دیتا تھا۔

مالکِ اشترؒ علم بدست

ان کے مقابلہ سے عراقی فوج پسپا ہوگئی اور انہوں نے مالکِ اشترؒ سے کہا: کیا آپ نہیں دیکھتے کہ پرچم کس کو ملا ہے؟

حضرت علیؑ کی طرف سے مالکِ اشترؒ علم لے کر سامنے آئے اور رجز پڑھا:

''میرا نام اشتر ہے میں دوسروں کو پچھاڑنے میں مشہور ہوں اور عراقی افعی نر ہوں''۔

انہوں نے ایسی جنگ کی کہ شامیوں کو پہلے حملے ہی میں پسپا کر دیا۔ نجاشی شاعر نے اس کے بارے میں یوں کہا:

''میں نے پرچم کو عقاب کے سایہ میں دیکھا جس کو ایک شامی جلدی سے لے جا رہا تھا۔ ہم نے ان کے مقابلے میں عراقی فوج کو بلایا۔ اس وقت لشکر سے لشکر ملے ہوئے تھے۔ اشتر نے انہیں پسپا کر دیا اور وہ اپنے ہدف اور اپنی آرزو کو پہنچ گئے''۔

اس وقت جندب بن زہیر نے پرچم کو لیا۔ شامیوں کا پرچم حوشب ذوظلیم کے ہاتھ میں تھا۔ یہ آگے بڑھا اور عراقیوں کے ایک گروہ کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اور کئی کو زخمی

کیا۔ حضرت علیؑ کے دوستوں میں سے ایک شجاع سلیمان بن صرد اس کے مقابلے میں آئے اور حوشب مارا گیا۔

اس صورت حال میں صفیں درہم برہم ہوگئیں۔ وہ حضرت علیؑ کی طرف بڑھے کہ آپ دوسری جگہ جنگ کرنے میں مصروف تھے۔ جنگ جاری رہی۔ عدی بن حاتم جگہ سے حضرت علیؑ سے جدا ہوا تھا' وہاں آیا لیکن جب حضرت نظر نہ آئے تو آپ کا ڈھونڈنے لگا۔ اس کی حضرت کی طرف رہنمائی کی گئی۔ وہ حضرت علیؑ کی خدمت میں آیا اور کہا:

''اب جب کہ آپؑ کو زندہ دیکھ رہا ہوں ہمارا کام آسان ہوگیا ہے لیکن جان لو میں لاشوں سے گزر کر آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں''۔

جنگِ صفین میں جن لوگوں نے سب سے زیادہ حضرت علیؑ کا ساتھ دیا اور ثابت رہے وہ قبیلہ ربیعہ کے لوگ تھے جن کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اے قبیلہ ربیعہ کے لوگو! تم میری تلوار اور زرہ ہو۔ اس کے بعد رسولؐ خدا کے ربیع نامی گھوڑے پر سوار ہوئے۔ آنحضرت کا شہبا نامی استر نکالا اور رسولؐ خدا کے سیاہ عمامہ کو سر پر رکھا۔ پھر اپنے منادی سے کہا' ندا دو:

''اے لوگو! تم میں سے کون ہے جو اپنی جان کو خدا کے ہاتھ فروخت کرے؟''

کئی لوگ آمادہ ہوگئے اور حضرتؑ کے ساتھ مل گئے۔ ان کو ساتھ ملا کر حضرتؑ نے شامیوں پر حملہ کر دیا اور ایسی سخت جنگ کی کہ شامی اپنے پرچم وہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کو دیکھ کر معاویہ نے ہوشیاری دکھاتے ہوئے اپنا گھوڑا منگوایا۔

معاویہ کے منادی نے شامیوں سے کہا: اے لوگو! کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ ثابت قدم رہو فتح اور شکست تو باری باری جنگ میں آتی ہی رہتی ہے۔ دوبارہ شامی معاویہ کے گرد جمع ہوگئے اور انہوں نے پلٹ کر حضرت علیؑ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ معاویہ نے عمرو عاص سے کہا: قبیلہ عک اور اشعری کے لوگوں کو میدان میں بھیجو۔ عمرو عاص ان کے پاس

گیا اور معاویہ کا پیغام سنایا تو ان کے امیر مسرق عکی نے کہا: آپ سب انتظار کریں میں معاویہ کے پاس سے ہو کر آتا ہوں؟

وہ معاویہ کے پاس آیا اور کہا: میری قوم کے لیے ۴۰ لاکھ درہم مقرر کریں اور ہمارے ساتھ یہ شرط طے کریں کہ ان میں سے جو قتل ہو جائے گا اس کا چچا زاد اس کا جانشین بنے گا۔ معاویہ نے اس شرط کو قبول کرلیا تو وہ اپنی قوم کے پاس واپس آ گیا اور وہ خبر انہیں سنائی۔ چنانچہ وہ جنگ کے لیے آگے بڑھے۔ قبیلہ عک اور قبیلہ ہمدان آپس میں نبرد آزما ہوئے تو تلواروں کی جھنکار کی آوازیں بلند ہوئیں۔ قبیلہ عک والوں نے قسم کھائی کہ وہ جب تک ہمدانیوں کو میدان سے بھگا نہ دیں اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ ہمدانیوں نے بھی یہی قسم اٹھائی۔

عمرو عاص نے معاویہ سے کہا: شیر شیروں کے ساتھ نبرد آزما ہیں۔ میں نے آج جیسی جنگ کبھی نہیں دیکھی۔

معاویہ نے کہا: اگر ہمارے پاس قبیلہ عک کی طرح کا کوئی اور قبیلہ ہوتا اور علیؑ کے پاس قبیلہ ہمدان کی طرح کا کوئی اور قبیلہ ہوتا تو یہاں سبھی نیست و نابود ہو جاتے۔

معاویہ کا حضرت علیؑ کی طرف ایک اور خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاویہ بن ابوسفیان کا خط علی ابن ابی طالبؑ کی طرف

"امابعد! میرا خیال یہ ہے کہ اگر تمہیں اور مجھے یہ پتہ ہوتا کہ جنگ میں یہ نوبت آ پہنچے گی تو ایسا ستم روا نہ رکھتے۔ دوسرے لوگ ہماری عقل پر کامیاب ہوئے لیکن اب بھی کچھ نوبت باقی ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ گذشتہ پر پشیمان ہو جائیں اور آئندہ احتیاط کریں کہ زندگی سے مستفید ہونے کی جو میری امیدیں ہیں تمہاری بھی وہی ہیں اور قتل و غارت سے جتنا تم ڈرتے ہو میں بھی اتنا ہی ڈرتا ہوں۔ بخدا اب لشکری فوجی کمزور اور ناتوان

ہو چکے ہیں اور (بہت سے) لوگ مر چکے ہیں۔ اور ہم عبد مناف کی اولاد کو ایک دوسرے پر کوئی برتری اور فضیلت نہیں ہے سوائے اس شے کے، جس کی وجہ سے غالب لوگ خوار ہوتے ہیں اور آزاد غلام بنتے ہیں۔ والسلام!"

حضرت علیؑ کا معاویہ کو جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"تمہارا خط ملا۔ تم نے لکھا ہے کہ اگر مجھے اور تجھے معلوم ہوتا کہ جنگ سے یہ نوبت آ پہنچے گی، تو جان لو کہ تمہارا اور ہمارا اس جنگ میں ہدف کیا ہے۔ ابھی تک وہ ہدف ہمیں حاصل نہیں ہوا۔ اور تم نے جو کہا کہ جنگ میں ہم دونوں کو یکساں خوف ہے تو جان لو کہ تم میرے یقین میں اپنے شک سے زیادہ ثابت قدم نہیں ہو۔ شامی اتنے دنیا کے حریص نہیں ہیں جتنے عراقی آخرت کے حریص ہیں۔ اور جو تم نے کہا ہے کہ ہم سب اولاد عبد مناف ہیں اور کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہے تو تمہاری یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ اُمیہ کا درجہ بنی ہاشمؑ جیسا نہیں ہے۔ اور حرب کا درجہ عبدالمطلبؑ جیسا نہیں ہے اور ابوسفیان کا درجہ ابوطالبؑ جیسا نہیں ہے۔ مہاجر اور وہ غلام جو آزاد ہوئے ہیں ـــــ برابر نہیں ہیں۔ نبوت کی فضیلت ہمارے ہاتھ میں ہے جس کی وجہ سے غالبوں کا خاتمہ ہوا اور ناتواں ہمارے مطیع ہوئے"۔

ایک دن حضرت علیؑ نے صبح سویرے نماز فجر ادا کی اور اپنے ہاتھ میں نیزہ لیا اور شامیوں پر ٹوٹ پڑے۔ آپؑ کے ہمراہی بھی آپؑ کے ساتھ تھے۔ آپؑ نے تین نیزوں کو شامیوں کے سینوں میں توڑا۔ اس جنگ اور حملے میں تلواروں اور گرزوں والوں نے ایک دوسرے پر حملے کیے۔ ایک شامی لوہے سے لیس اپنے چہرہ کو چھپائے میدان میں وارد ہوا اور اس نے آ کر کہا:

"اے ابوالحسن! میرے سامنے آؤ تا کہ میں آپ سے ہم کلام ہوں۔ حضرت علیؑ

اس کے سامنے آئے تو اس شخص نے آپؑ سے یوں کہا:

"آپ کا اسلام میں وہ مقام ہے جو کسی اور کا نہیں ہے۔ آپؑ نے آنحضرتؐ کے ہمراہ ہجرت فرمائی اور متعدد جہاد فرمائے۔ کیا آپؑ اس خون ریزی کو روکنا چاہتے ہیں؟ آپؑ خود عراق لوٹ جائیں تو یہ جنگ ختم ہوسکتی ہے۔ ہم شام چلے جاتے ہیں اس سے آپؑ اپنے گھر والوں میں اور ہم اپنے گھر والوں میں خوش وخرم رہیں گے"۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: "میں اس طریقے کو آزما چکا ہوں اور اس کی تمام صورتِ حال کو دیکھ چکا ہوں۔ اب دو کاموں میں سے ایک کام ہوسکتا ہے: جنگ یا پھر جو محمدؐ پر نازل ہوا اس سے انکار کردوں۔ جب زمین میں گناہ بڑھ جائے تو خدا اپنے بندوں پر راضی نہیں ہوتا۔ وہ لوگ اپنی حیثیت سے سکوت کرجاتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے۔ میں جنگ کو جہنم میں زنجیروں سے جکڑے ہوئے جانے پر ترجیح دیتا ہوں اور آسان سمجھتا ہوں"۔

وہ شامی انا للہ وانا الیہ راجعون کہتا ہوا واپس چلا گیا۔

لیلۃ الہریر کا منظر

اس کے بعد ایسی جنگ ہوئی کہ نیزے ٹوٹ گئے اور تلواریں کام کرنا بند کرگئیں۔ زمین سے بادوخاک کا ایسا غبار اُٹھا کہ لوگوں کو سانس لینا مشکل ہوگیا' یہاں تک کہ رات ہوگئی اور یہ لیلۃ الہریر ہے صبح دونوں گروہوں کے لوگ ایک دوسرے کی قیام گاہوں کی طرف گئے اور اپنے اپنے کشتوں کے لاشے اُٹھا کر دفنائے۔

اس روز حضرت علیؑ نے خداوند متعال کی حمد وثنا کی اور لوگوں سے خطاب فرمایا:

"اے لوگ! تمہارا اور دشمن کا امر اس نوبت تک آ پہنچا ہے کہ جسے تم دیکھ رہے ہو۔ اب تو اس قوم سے چند لوگ باقی بچے ہیں۔ خدا تم پر رحمت نازل فرمائے۔ صبح دشمن سے جنگ کے لیے تیار ہوجاؤ اور

ایسی جنگ کرو کہ خدا ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کردے کیونکہ وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے"۔

جب یہ خبر معاویہ کے پاس پہنچی تو اس نے عمرو عاص سے کہا: آپ کیا دیکھتے ہیں جب کہ آج کا دن اور رات ہمارے لیے باقی بچی ہے؟

عمرو عاص نے کہا: میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔ اگر انہوں نے اسے مان لیا تو ان میں اختلاف پیدا ہوجائے گا اور اگر انہوں نے نہ مانا تو پراگندہ ہوجائیں گے۔

معاویہ نے کہا: وہ کیا ہے؟

عمرو عاص نے کہا: انہیں کہو کہ تمہارے اور ہمارے درمیان قرآن فیصلہ کرے گا۔ ایسا کرنے سے جو چاہتے ہو وہی ہوجائے گا۔

معاویہ نے کہا: بات یہی ہے جو تم بیان کر رہے ہو۔ اِدھر اشعث بن قیس نے اپنے گرد جمع اپنی قوم سے کہا: کل تم نے نیست و نابود کرنے والی جنگ کو دیکھا کہ کیسی تھی؟ لہٰذا اگر ہم کل آمنے سامنے آئے تو عرب حتماً نیست و نابود ہوجائیں گے۔

قرآن کو نیزوں پر بلند کرنے کی سازش

جاسوسوں نے یہ بات معاویہ تک پہنچائی تو اس نے کہا: اشعث نے صحیح کہا ہے۔ اگر کل جنگ میں ہمارا آمنا سامنا ہوا تو رومی ہماری عورتوں بچوں پر حملہ کردیں گے اور ایرانی دیہاتی عراقیوں کی عورتوں اور بچوں پر حملہ کردیں گے۔ اس بات کو فقط صاحبانِ عقل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اب آپ کا فریضہ یہ ہے کہ قرآن کو نیزوں پر بلند کرکے فیصلے کرواؤ۔

چنانچہ صبح سویرے معاویہ کے طرف داروں نے ایک بہت بڑے قرآن کو پانچ نیزوں پر بلند کیا جسے پانچ آدمیوں نے اٹھا رکھا تھا اور ان کے پیچھے باقی لوگوں نے قرآن نیزوں پر بلند کیے ہوئے تھے۔ وہ حضرت علیؑ کی فوج کی طرف بڑھتے آرہے تھے۔ جب حضرت علیؑ کے اصحاب نے دیکھا کہ معاویہ کے لوگ قرآن کو نیزوں پر بلند کیے آرہے ہیں (البتہ

ان کے سامنے پرچم کی طرح کی کوئی شے تھی جسے پہچان نہ سکے) جب روشنی ہوئی تو پتہ چلا کہ باقی بھی قرآن ہیں۔

دریں اثناء فضل بن ادھم قلبِ لشکر کے مقابلے میں اور شریح جزامی میمنہ کے مقابلے میں اور ورقا بن معمر میسرہ کے مقابلے میں آ کر کھڑے ہوگئے اور آواز دی: اے اہلِ عرب! خدارا اپنی عورتوں اور بچوں کو رومیوں اور ایرانیوں کے حملے سے بچا لو۔ تمہارے اور ہمارے درمیان کتابِ خدا حَکَم ہے جو فیصلہ کرے گی ہمیں منظور ہوگا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ تم کتاب خدا کو مکرو بہانہ کے لیے استعمال کر رہے ہو۔
اس کے بعد ابواعور سلمی سرخ گھوڑے پر سوار ہو کر قرآن نیزہ پر آویزاں کیے میدان میں وارد ہوا اور آتے ہی آواز دی:

''اے عراق کے لوگو! یہ کتابِ خدا ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے''۔ ☆

جب عراقیوں نے یہ سنا تو کردوس بن ہانی بکری اپنی نشست سے اُٹھا اور کہا:
''اے عراق کے لوگو! یہ قرآن آپ کو دھوکا دینے کے لیے ہیں۔ ان کا اعتبار مت کرو۔

اس کے بعد سفیان بن ثور نکری (یا بکری) نے کہا: اے لوگو! ہم نے سب سے پہلے شامیوں کو کتابِ خدا کی دعوت دی تھی لیکن انہوں نے قبول نہ کی تھی۔ اسی وجہ سے ہم نے ان سے جنگ کو جائز قرار دیا تھا۔ اب اگر ہم ان کی بات کو قبول نہ کریں تو ہمارے اور ان کے درمیان جنگ پھر سے جائز قرار پائے گی اور اس صورت میں ہم عذابِ خدا اور رسولؐ اللہ کی ناراضگی سے نہ ڈریں۔ اس پر خالد بن معمر اپنی جگہ سے اٹھا اور حضرت علیؑ سے کہا: اے امیرالمومنینؑ! اگر دیکھا جائے تو ان کی بات کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے اور اگر ان کی بات میں مصلحت نہیں ہے تو آپؑ کا جو حکم ہو وہ برتر ہے۔

☆ حکم کے معنی فیصلہ کے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب دو گروہ آپس میں جھگڑ پڑیں تو کسی ایسے شخص کو فیصلہ کے لیے معین کریں جس پر فریقین راضی ہوں۔

اس کے بعد حصین بن منذر نے کہا: اے لوگو! ہمارا ایک امام اور راہبر ہے جو کہ امین اور سوروِ اعتماد ہے۔ اگر وہ حکم کے مسئلہ میں کہے نہ تو نہ ہی ہے اور اگر کہے ہاں تو ہم بھی ہاں ہی کہیں گے۔

حضرت علیؑ کا اپنے اصحاب کو معاویہ کی سازش سے آگاہ کرنا

اس کے بعد حضرت علیؑ نے فرمایا:

''اے بندگانِ خدا! میں زیادہ بہتر جانتا ہوں کہ اس قرآن کی دعوت کو قبول کروں۔ اسی طرح تم اس کام کے لیے دوسروں سے زیادہ بہتر جانتے ہو لیکن کیا کیا جائے کہ ان لوگوں کا سوائے دھوکا دہی کے کوئی قصد نہیں ہے۔ اس جنگ نے ان لوگوں کو تھکا دیا ہے۔ بخدا انہوں نے فقط قرآن کو اٹھایا ہوا ہے ان کا قصد قرآن پر عمل کرنا نہیں ہے۔ البتہ میرے لیے یہ بات اچھی نہیں ہے کہ مجھے قرآن کی دعوت دی جائے اور میں اسے قبول نہ کروں کیونکہ ہم تو اس لیے جنگ کر رہے ہیں کہ قرآن کے حکم کو تسلیم کیا جائے''۔

اشعث نے کہا: امیرالمومنینؑ! ہم آج بھی کل کی طرح آپؑ کی رائے کو قبول کرتے ہیں البتہ صحیح رائے یہ ہے کہ ان کی دعوت کو قبول کرلیں۔ عدی بن حاتم اور عمرو بن حمق نے کسی قسم کی بات نہ کی اور نہ ہی اظہارِ رائے کیا۔

جب حضرت علیؑ نے ان کی بات کو قبول کرلیا تو انہوں نے کہا: کسی کو بھیجو کہ جا کر مالکِ اشترؒ کو بلا لائے اور کہے کہ مزید پیش رفت نہ کرے۔ مالکِ اشترؒ میمنہ پر حملہ کیے ہوئے تھے۔ حضرت علیؑ نے یزید بن ہانی سے فرمایا: مالکِ اشترؒ کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ جنگ کو بند کردو اور فوراً میرے پاس آ پہنچو۔ وہ گیا اور مالکِ اشترؒ کو پیغام دیا۔ مالکِ اشترؒ نے کہا: تم واپس لوٹ جاؤ اور امیرالمومنینؑ سے میری طرف سے عرض کرو کہ اب جنگ زور پر ہے اور میرے لیے واپسی اچھی نہیں ہے۔

یزید بن ہانی حضرت علیؑ کی خدمت میں آیا اور ساری بات سے آگاہ کیا۔ اس

وقت جہاں مالکِ اشترؓ تھے وہاں سے بے تحاشا گردوغبار اٹھا تو کوفیوں نے کہا: بخدا ہم خیال نہیں کرتے کہ آپؑ نے انہیں جنگ کا حکم دیا ہو۔ آپؑ نے فرمایا: کیسے ممکن ہے کہ میں نے اسے جنگ کا حکم دیا ہو درایں حالیکہ اس کے ساتھ خلوت میں میری کوئی بات نہیں ہوئی۔ پھر آپؑ نے یزید سے فرمایا: مالکِ اشترؓ سے کہو جنگ بند کردو اور واپس آ جاؤ کیونکہ یہاں نیا فتنہ کھڑا ہوگیا ہے۔ یزید مالکِ اشترؓ کے پاس آیا اور اسے امام کا حکم سنایا۔ مالکِ اشترؓ نے عرض کیا: کیا یہ سب کچھ قرآن کے نیزوں پر بلند ہونے کے سبب سے ہے؟

یزید نے کہا: ہاں۔

مالکِ اشترؓ نے کہا: بخدا میں نے جس وقت قرآن کو نیزوں پر بلند دیکھا سمجھ گیا تھا کہ آج لوگوں میں اختلاف اور پراگندگی پھیل جائے گی۔ مجبوراً مالکِ اشترؓ واپس لوٹ آئے اور کہا: ”اے لوگو! تم پست اور ناتواں ہو۔ اب جب تم دشمن پر غالب ہو رہے ہو تو محض قرآن کو دیکھ کر سُستی نہ کرو۔ مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو۔ میں جنگ فتح کر کے دکھاتا ہوں“۔

انہوں نے کہا: ہم تمہارے گناہ میں شریک نہیں ہو سکتے۔

مالکِ اشترؓ نے کہا: ”تم پر افسوس ہے، تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ نیک اور برگزیدہ شہید ہو چکے ہیں اور سُست اور کمزور باقی بچے ہیں۔ بتاؤ یہ (شامی) کب حق پر تھے اب یا پہلے؟ جو اصحاب شہید ہو چکے ہیں وہ تو انہیں افضل اور برتر نہیں سمجھتے تھے۔ بتاؤ وہ بہشت میں ہیں یا دوزخ میں ہیں؟“

انہوں نے کہا: ”پہلے ہم نے راہِ خدا میں جہاد کیا ہے اور اب بھی راہِ خدا میں جنگ کو چھوڑ رہے ہیں“۔

مالکِ اشترؓ نے کہا: ”وہ لوگ جن کی پیشانی پر سیاہ داغ ہیں میں ان کو نصیحت کرتا ہوں: تمہاری نمازیں عبادت اور بہشت کے شوق میں ہیں۔ اب دنیا کی طرف کیوں پناہ لیتے ہو۔ اس سے برائی اور بدنامی تمہارا مقدر بن جائے گی“۔

انہوں نے مالکِ اشترؓ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور مالکِ اشترؓ کے گھوڑے کو تازیانہ بھی مارا۔ اس نے بھی سواروں کو تازیانہ مارا۔ ابن ندی اور ابن کواء اور چند وہ قاری جو بعد میں خارجی بن گئے قرآن کے فیصلے کے شدت سے طرفدار تھے۔

معاویہ شام کے لوگوں میں کھڑا ہوا اور کہا: اے لوگو! جنگ ختم ہو چکی ہے اور دونوں طرف کے لوگ یہی کہتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں اور دوسرے باطل پر ہیں۔ اب ہم نے انہیں دعوت دی ہے کہ ہمارے درمیان قرآن حکم ہے۔ اگر ہماری دعوت قبول کرلیں تو بہتر ورنہ ہم نے تو حجت تمام کردی ہے“۔

پھر معاویہ نے حضرت علیؑ کی طرف خط لکھا:

”وہ پہلے شخص جو اس جنگ کے لیے جواب دہ ہیں اور جن سے حساب کتاب ہونا چاہیے وہ میں ہوں اور آپ ہیں۔ میں آپ کو خون بہانے سے روکتا ہوں اور دین میں محبت و دوستی پیدا کرنے اور دلوں سے کینہ دُور کرنے کا کہتا ہوں۔ اب دو حکم میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کریں۔ ایک میری طرف سے ہو اور دوسرا تمہاری طرف سے۔ جو قرآن کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ اگر تم اہلِ قرآن ہو تو قرآن کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ“۔

اس کے خط کا حضرت علیؑ نے یوں جواب دیا: ”تم نے مجھے دعوت دی ہے کہ قرآن کو حکم تسلیم کروں اور میں جانتا ہوں کہ (دراصل) تم قرآن کو حکم نہیں چاہتے۔ (البتہ) ہم نے قرآن کے حکم کو قرآن کے لیے مانا ہے نہ کہ تمہارے لیے۔ اور جو قرآن کے حکم پر راضی نہ ہو وہ سخت گمراہ ہے“۔

حضرت علیؑ نے عمرو عاص کو یوں خط لکھا:

”امابعد! جب کہ معلوم ہے کہ دنیا انسان کو دوسرے کاموں سے روکتی ہے۔ دنیا اسے لالچ اور حرص دیتی ہے جس سے انسان دنیا میں زیادہ رغبت کرتا ہے۔ دنیا میں وہ

جس شے کو پالیتا ہے وہ اُسے اس شے سے جسے وہ نہیں پاسکتا بے نیاز نہیں کرتی۔ تم معاویہ کے ساتھ مل کر اپنے اعمال کو باطل قرار مت دو ورنہ اپنے علاوہ کسی دوسرے کو نقصان مت دو۔ والسلام!''

عمرو عاص نے کہا: ''امابعد! ہماری اصلاح اور اُلفت اس میں ہے کہ حق کی بازگشت ہو جائے۔ ہم نے اپنے اور تمہارے درمیان قرآن کو حکم قرار دیا ہے اور اس فیصلہ پر ہم راضی ہیں اور لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ ہمارے عذر کو قبول کریں''۔

حضرت علی علیہ السلام نے اسے جواب دیا: ''وہ شے جس نے تمہیں اپنا شیدائی بنا رکھا ہے وہ دنیا کی محبت ہے۔ یہ دنیا تم سے روگردان ہو جائے گی۔ تم اس دنیا پر اعتبار نہ کرو کیونکہ یہ بہت دھوکہ دینے والی ہے۔ اگر ماضی سے نصیحت پاؤ تو جو باقی رہ گیا ہے اس میں اس سے بہرہ ور ہو سکتے ہو۔ والسلام''۔

عمرو عاص نے جواب میں تحریر کیا:

''امابعد! جس نے قرآن کو حکم قرار دیا ہے اس نے انصاف کا ساتھ دیا ہے۔ اے ابوالحسنؑ! صبر کرو ہم قرآن کے فیصلہ کے علاوہ آپ سے کچھ نہیں چاہتے اور نہ ہی کچھ کریں گے۔ والسلام''

اس دوران میں دونوں لشکروں کے درمیان قرآن خواں (قاریانِ قرآن) بیٹھ گئے اور اپنے ہمراہ قرآن لے آئے اور ایک دوسرے سے بحث مباحثہ کرنے لگے کہ دو حکم متعین کیے جائیں۔ چنانچہ شامیوں نے عمرو عاص کو حکم منتخب کیا۔

ابوموسیٰ اشعری کے حکم بننے پر حضرت علیؑ کا اعتراض

اشعث اور باقی عراقی قرآن خوانوں نے ابوموسیٰ اشعری کو منتخب کیا تو حضرت علیؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: مجھے ابوموسیٰ اشعری کی دُور اندیشی سے اطمینان نہیں ہے۔ میں حکم کے طور پر ابن عباس کو متعین کرتا ہوں۔

انہوں نے کہا: آپ اور ابن عباس کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے گویا آپ خود فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کام ایسے شخص کے اُوپر ڈال دیں کہ جس کی نظر میں آپ اور معاویہ برابر ہوں اور تم میں سے کسی کے نزدیک تر نہ ہو۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: تم شامیوں کے لیے عمرو عاص پر راضی ہو گئے ہو حالانکہ وہ تو معاویہ کا شدید طرفدار ہے؟

انہوں نے کہا: وہ اپنے کام میں دانا ہیں اور ہم اپنے کام میں!

حضرت علیؑ نے فرمایا: چلو مالکِ اشترؒ کو حکم بنالو۔

اشعث نے کہا: کیا مالکِ اشترؒ کے علاوہ کوئی اور ہے جس نے یہ جنگ بھڑکائی ہو؟ کیا ہم مالکِ اشترؒ کے تابع فرمان ہیں؟!

حضرت علیؑ نے پوچھا: اس بارے میں مالکِ اشترؒ کی صورتِ حال حکم کیا ہے؟

اشعث نے کہا: اس کا کام ملے ہوئے لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف کرنا ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: گویا تمہارا ارادہ ہے کہ فقط ابوموسیٰ اشعری کو ہی حکم بنایا جائے اور اس کے علاوہ کسی دوسرے کو قبول نہ کیا جائے؟

انہوں نے کہا: ہاں۔

آپؑ نے فرمایا: جو چاہو کرو۔ انہوں نے موسیٰ اشعری کے پاس آدمی بھیجا کیونکہ وہ صفین کی جنگ میں شامل نہیں تھا اور شام کے نواح میں آباد ہو چکا تھا۔ وہ شخص اس کے پاس پہنچا اور کہا کہ لوگوں نے صلح کر لی ہے۔ اس نے کہا خدا کا شکر ہے اور جب اس نے کہا کہ لوگوں نے تجھے حکم بنایا ہے تو اس نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔

ابوموسیٰ اشعری حضرت علیؑ کی قیام گاہ میں پہنچا تو اکثر لوگ اس کے حکم ہونے پر راضی ہو گئے اور اسے اس عنوان سے قبول کر لیا۔

احنف بن قیس نے حضرت علیؑ سے کہا: آپؑ پتھر کی طرح مضبوط اور عربوں سے

ذہین شخص کے ہاتھوں گرفتار ہوئے ہیں۔ میں نے ابوموسیٰ اشعری کو آزمایا ہوا ہے۔ وہ کم مایہ شخص ہے اور اس کام کے لائق نہیں ہے۔ اس کام کے لیے موزوں وہ شخص ہے جو کبھی تو ایسا ہو کہ دوسرا اسے نزدیک سمجھے اور کبھی ایسا ہوجائے کہ دوسرا اسے ستاروں میں سمجھنے لگے۔ اگر آپ چاہیں تو مجھے حَکم بنا سکتے ہیں ورنہ کسی اور کو بنا دیں۔ اگر کہیں کہ میں اصحاب رسولؐ میں سے نہیں ہوں۔ تو کسی صحابی کو حکم بنا دیں اور مجھے اس کا وزیر بنا دیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ لوگ حکمیت کے لیے سوائے ابوموسیٰ اشعری کے کسی پر راضی نہیں ہیں۔ خدائے متعال اپنے خواستہ کو محقق کر دکھائے گا''۔

ایمن بن خریم اسدی جو کہ شام کے لوگوں میں سے تھا اور جنگ صفین میں شریک نہیں ہوا تھا۔ اس نے اس موضوع پر چند اشعار کہے جن کا مفہوم یہ ہے:

''اگر اس قوم میں فکر ہوتی تو اس حکمت کے لیے ابن عباس ہی کو مقرر
کرتے لیکن انہوں نے یمن کے بوڑھے شخص کو معین کیا ہے جو اتنا بھی
نہیں جانتا کہ پانچ کو چھے سے ضرب دی جائے تو کتنے بنتے ہیں؟''☆

معاویہ نے ایمن بن خریم کو کہا ہوا تھا کہ اگر تم میری بیعت کرلو تو فلسطین کا کچھ حصہ تمہیں دے دیا جائے گا تاکہ تم اس پر حکومت کرو لیکن ایمن نے معاویہ کی بات قبول نہ کی اور چند اشعار کہے جن کا مفہوم یہ ہے:

''میں ایسا شخص نہیں ہوں کہ حکومت اور بادشاہی کے لالچ میں نماز
گزار قریش قتل کروں۔ اس کا حق بادشاہی ہے اور میں گناہ لے
لوں میں ایسی نادانی اور بے عقلی سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔ کیا میں
احق کسی مسلمان کو قتل کرسکتا ہوں۔ اگر ایسا کروں گا تو مجھے میری
زندگی ذرا بھی فائدہ نہ دے سکے گی''۔

☆ یہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا تھا۔ اس کا باپ اور چچا مسلمانوں کے ساتھ جنگ بدر میں شریک ہوئے۔ اس نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔ فلاں پانچ کو چھے سے ضرب دینا نہیں جانتا ضرب المثل ہے۔

میت کا پیمان نامہ

اہل عراق اور اہل شام سب لوگ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے ایک لکھنے والے کو ایا اور سب نے مل کر حکمیت کے لیے ایک تحریر لکھی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وہ امر ہے جس پر امیرالمومنینؑ نے حکم صادر کیا اور اپنی موافقت کا اظہار فرمایا ہے۔

معاویہ نے کہا: اگر میں علیؑ کو امیرالمومنین سمجھتا ہوتا تو اس کے ساتھ جنگ کرنے ے ایک بدکار انسان بنتا' لہٰذا میں تو اسے امیرالمومنین نہیں سمجھتا۔

معاویہ کی بات سن کر عمرو عاص نے لکھنے والے سے کہا: فقط علیؑ اور اس کے باپ کا نام لکھو۔

احنف ابن قیس نے حضرتؑ سے عرض کیا: مولا امیرالمومنینؑ کے عنوان کو حذف پر موافقت نہ کریں کیونکہ مجھے ڈر ہے اگر یہ عنوان آج محو کر دیا گیا تو پھر کبھی آپؑ کی طرف یں آئے گا لہٰذا آپ ان کا تقاضا رد کر دیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا اور ارشاد فرمایا: بخدا ایسا ہی آنحضرتؐ کے زمانے میں ہوا تھا۔ جب حدیبیہ کا صلح نامہ لکھا جا رہا تھا تو قریش نے کہا تھا کہ رسولؐ اللہ کے لفظ کو حذف کر دیا جائے تو پیغمبر اکرمؐ نے لکھنے والے (یعنی مجھ سے) سے فرمایا تھا: فقط ''محمد بن عبداللہ'' ہی لکھ دو۔ اب حکمیت کا پیمان نامہ یوں لکھا گیا:

''یہ پیمان نامہ ہے جس پر علی ابن ابی طالبؑ معاویہ بن ابی سفیان اور ان دونوں کے پیروؤں نے موافقت کی ہے۔ ہم سب قرآن کے حکم اور سنت پیغمبرؐ کے حکم پر راضی ں۔ حضرت علیؑ تمام اہل عراق خواہ وہ حاضر ہیں یا غائب' سب پر خلیفہ ہیں اور تمام اہل م حاضر و غائب پر معاویہ کی حکومت مسلم ہے۔

قرآن جو آغاز سے لے کر انجام تک فیصلے کرتا ہے۔ ہم نے اس کے حکم سے

موافقت کو تسلیم کرلیا ہے۔ جسے قرآن نے زندہ کیا ہے اسے زندہ سمجھتے ہیں اور جس شے کو قرآن نے زندہ نہیں رکھا ہم بھی زندہ نہیں جانتے"۔

اس بات پر حضرت علیؑ اور معاویہ دونوں راضی ہوگئے۔ حضرت علیؑ اور ان کے شیعہ عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری) کے حکم پر راضی ہوگئے۔

معاویہ اور اس کے پیرو عمرو عاص کے حکم پر راضی ہوگئے۔ حضرت علیؑ اور معاویہ نے ابوموسیٰ اشعری اور عمرو عاص سے عہد لیا:

"خدا اور رسولؐ اللہ کی قسم اٹھاؤ کہ اپنے حکم کا ملاک قرآن کو قرار دو گے۔ قرآن اور اس میں لکھے ہوئے احکامات سے تجاوز نہیں کرو گے۔ جو شے قرآن میں موجود نہ ہوگی اسے سنتِ رسولؐ میں تلاش کرو گے اور جان بوجھ کر ان کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کرو گے۔ شبہات میں جستجو نہیں کرو گے"۔

ابوموسیٰ اشعری اور عمرو عاص نے بھی حضرت علیؑ اور معاویہ سے عہد لیا کہ ہم جو قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ کریں گے اس پر راضی رہنا۔ اس کے بعد اس حکم کی مخالفت نہیں کرو گے۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنی جان، مال، عورتوں اور بچوں کے لیے امان طلب کی خواہ ان کے حکم پر راضی ہوں اور خواہ راضی نہ ہوں البتہ اُمت کا فرض ان کو حکم تسلیم کرنا اور ان کی مدد کرنا ہوگا۔

ان دونوں حکم میں سے اگر کوئی ایک فیصلہ کرنے سے پہلے مرجائے تو اس عہدنامے اور شرائط پر اس کی جماعت کے لوگ کسی اور عادل اور صلح جو شخص کو نامزد کریں گے۔ دونوں گروہوں نے ان شرائط پر رضایت کا اظہار کیا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ اور معاویہ اور حکمین کے علاوہ بقایا سب کے لیے سلام ممنوع قرار دے دیا گیا۔ خداوند تعالیٰ کو گواہ قرار دیا گیا۔ جو شخص ان فیصلوں سے روگردانی کرے گا اُمت اس سے بیزار ہوگی جب تک فیصلہ نہ ہوجائے۔ لوگوں کی جان، مال سب امان میں ہوں گے۔ فریقین اسلحہ کو

رکھ دیں اور راستے کھول دیئے جائیں۔ ان دو گروہوں کے جو لوگ فیصلہ میں موجود نہ ہوں گے انہیں حاضر سمجھا جائے گا۔

یہ دونوں حکم ایسی جگہ پر رہیں جہاں سے اہلِ عراق اور اہلِ شام کی مسافت برابر ہو۔ کوئی ان کے ساتھ ملاقات کا حق نہیں رکھتا سوائے ان کہ یہ دونوں جن پر رضایت کا اظہار کریں فیصلے کی مدت ماہ مبارک رمضان کے آخر تک رکھی گئی۔ لیکن اگر حکمین جلدی فیصلہ کرنے میں مصلحت جانیں تو پہلے بھی فیصلہ ہوسکتا ہے اور اگر چاہیں تو حکم کرنے میں تاخیر بھی کرسکتے ہیں اور اگر انہوں نے قرآن کے مطابق فیصلہ نہ کیا تو دوبارہ جنگ جاری ہوسکتی ہے۔

حکمیت کے عہدنامہ پر گواہوں کے نام

اہلِ عراق کی طرف سے گواہ حسبِ ذیل تھے:

۱- حضرت حسنؑ
۲- حضرت حسینؑ
۳- عبداللہ بن عباس
۴- عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب
۵- اشعث بن قیس
۶- مالکِ اشتر بن حارث
۷- سعد بن قیس
۸- حصین بن حارث بن عبدالمطلب
۹- طفیل بن حارث بن عبدالمطلب
۱۰- ابوسعید بن ربیعہ انصاری
۱۱- عبداللہ بن خباب بن ارث
۱۲- سہل بن حنیف
۱۳- ابویسیر بن خباب بن ارث
۱۴- عوف بن حارث بن عبدالمطلب
۱۵- یزید بن عبداللہ اسلمی
۱۶- عقبہ بن عامر جہنی
۱۷- رافع بن خدیج انصاری
۱۸- عمرو بن حمق خزاعی
۱۹- حجر بن عدی کندی
۲۰- یزید بن حجیہ فکری
۲۱- مالک بن کعب ہمدانی
۲۲- ربیعہ بن شرجیل

۲۳-حارث بن مالک	۲۴-مجر بن یزید
۲۵-علیہ بن جحیر	۲۶-نعمان بن عجلان انصاری

اہلِ شام کی طرف سے گواہ درج ذیل تھے:

۱-حبیب بن مسلمہ فہری	۲-ابواعور سلمی
۳-یسر ابن ارطاۃ قرشی	۴-معاویہ بن خریج کندی
۳۲-مخارق بن حارث	۳۳-مسلم بن عمر سکسکی
۷-عبداللہ بن عمرو عاص	۸-علقمہ بن یزید کلبی
۹-سبیع بن یزید حضری	۱۰-علقمہ بن یزید حضری
۱۱-یزید ابن الجبر عبسی	۱۲-مروق بن جبلہ کمی
۱۳-یسر بن یزید حمیری	۱۴-عبداللہ بن عامر قرشی
۱۵-عتبہ بن ابوسفیان	۱۶-محمد بن ابوسفیان
۱۷-محمد بن عمرو عاص	۱۸-عمارہ بن احوص کلبی
۱۹-معدہ بن عمرو تقفی	۲۰-صباح بن جلھمہ حمیری
۲۱-عبدالرحمٰن بن ذوالکلاح	۲۲-خالد بن یزید سکسکی
۲۳-ثمامہ بن حوشب	۲۴-علقمہ بن حکم
۲۵-عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید	۲۶-حمزہ بن مالک

یہ عہد نامہ ۱۶ صفر ۳۷ ہجری بروز بدھ کو تحریر کیا گیا۔

حکمین کے تعین کے بعد اختلاف

اشعث نے عہد نامہ ہاتھ میں لیا اور دونوں لشکروں کے سامنے اسے پڑھا۔ پھر ہر ایک قبیلے کے پاس گیا اور ان کے پرچم کے پاس کھڑے ہو کر انہیں پڑھ کر سنایا۔ قبیلہ غزہ

کے پرچم کے پاس جا کر عہد نامہ کو پڑھا۔ اس قبیلہ کے چار ہزار مرد حضرتؑ کے ساتھ تھے ان میں سے دو بھائیوں نے کہا: لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ ''خدا ہی حکم اور فیصلہ کر سکتا ہے''۔ یہ کہہ کر انہوں نے شامیوں پر حملہ کر دیا اور اتنی جنگ کی کہ دونوں بھائی قتل ہو گئے۔ یہ دونوں ایسے شخص تھے جنہوں نے سب سے پہلے لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ کا نعرہ لگایا تھا۔ اشعث اس کے بعد قبیلہ مراد کے پاس گیا اور ان کے سامنے عہد نامہ کو پڑھا۔ ان میں سے سب سے زیادہ صالح شخص صالح بن شفیق نے کہا: سوائے خدا کے کسی کو حکم کا حق حاصل نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بات مشرکوں کو ناگوار گزرے''۔

اشعث بنی راسب کے پرچم کے قریب گیا اور اسے پڑھ کر سنایا۔ انہوں نے کہا کہ لوگوں کو دین خدا میں فیصلہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ جب اشعث بن تمیم کے لوگوں کے پاس گیا تو وہاں بھی ایسی ہی بات سنی۔ عروہ بن ادیہ نے کہا کیا تم دین خدا میں لوگوں کو حکم بنا رہے ہو۔ ہمارے شہداء کس کھاتے میں جائیں گے؟ یہ کہہ کر اس نے اپنی تلوار سے اشعث پر حملہ کر دیا لیکن اس کا حملہ کارگر ثابت نہ ہوا اور تلوار اس کے گھوڑے کی سرین پر لگی۔ اشعث اپنی قوم میں واپس لوٹ گیا۔ بنی تمیم کے بزرگ اس کے پاس گئے اور معذرت کی۔ اس نے انہیں معاف کر دیا۔ سلمان بن صرد حضرت علیؑ کی خدمت میں آیا۔ اس کے چہرے پر تلوار کا زخم تھا۔ سلمان نے حضرتؑ سے عرض کیا: کاش آپؑ کے پاس ایسے مددگار ہوتے کہ آپؑ اس عہد نامہ کو نہ لکھواتے۔ محرز بن جنیس بن ضلیع اپنی جگہ سے اُٹھا اور حضرت علیؑ کے سامنے آ کر عرض کیا: ''کیا کوئی راستہ ہے کہ جس کے ذریعے اس عہد نامہ کو واپس کر دیا جائے۔ بخدا مجھے ڈر ہے کہ یہ عہد نامہ آپؑ کی کمزوری اور خواری کا موجب ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: کیا تحریر کے لکھوا دینے کے بعد اب اسے توڑ دیں؟ یہ جائز نہیں ہے۔ اس کے بعد معاویہ اور حضرت علیؑ میں فیصلہ کی جگہ پر اتفاق رائے ہوا اور وہ

دومۃ الجندل① طے ہوئی۔ یہ جگہ عراق اور شام کے درمیان میں ہے۔

حضرت علیؑ نے شریح بن ہانی② کو چار ہزار لوگوں کی معیت میں ابوموسیٰ اشعری کی طرف روانہ کیا اور نمازِ جماعت کے لیے عبداللہ بن عباس کو ہمراہ بھیجا۔

معاویہ نے بھی چار ہزار آدمیوں کی معیت میں ابواعور سلمی کو عمرو عاص کی طرف روانہ کیا۔ سب لوگ صفین سے چل کر دومۃ الجندل آئے۔ حضرت علیؑ اپنے احباب کے ساتھ کوفہ واپس چلے گئے اور معاویہ اپنی فوج لے کر شام واپس چلا گیا اور سب لوگ فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔

حضرت علیؑ نے ابن عباس کی طرف ایک خط لکھا: "عبداللہ بن عباس کے دوست اکٹھے ہوئے کہ مولاؑ نے آپ کی طرف کیا لکھا ہے؟ اس نے وہ خط چھپا دیا۔ انہوں نے کہا: تم نے حضرتؑ کا خط کیوں چھپایا ہے حالانکہ فلاں فلاں باتیں انہوں نے آپؑ کی طرف لکھی ہیں۔ انہوں نے اس قدر جستجو کی یہاں تک کہ خط کے مضمون سے آگاہ ہوئے۔

اور اس کے برعکس معاویہ نے عمرو عاص کی طرف جو خط لکھے کسی نے بھی انہیں پڑھنے کا مطالبہ نہ کیا۔

معاویہ نے عبداللہ بن عمر بن خطاب اور عبداللہ بن زبیر اور ابوجہم بن حذیفہ اور عبدالرحمٰن بن یغوث کی طرف خط لکھے۔

امابعد! جنگِ صفین ختم ہو چکی ہے۔ دو شخص (حکم) دومۃ الجندل گئے ہوئے ہیں تم جو کہ اس جنگ سے کنارہ کش تھے اور لوگوں پر جو وارد ہوا تم پر وارد نہیں ہوا ہے۔ اب آؤ اور ان دونوں کے پاس جاؤ اور ان کے افعال اور مشورے پر شاہد بنو۔ والسلام!

① دومۃ الجندل نجد کے شمال میں ایک جگہ ہے۔ اب سعودی عرب میں واقع ہے۔ اس کا دوسرا نام جوف السرحان ہے۔

② شریح بن ہانی پیغمبر اکرمؐ کے صحابی تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کے لیے دعا فرمائی کہ یہ حضرت علیؑ کے اکابر صحابہ میں سے ہوں گے۔ شریح ۷۸ ہجری میں سیستان کے کافروں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے ۱۲۰ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔

جب ان کے پاس معاویہ کا خط آیا تو سبھی دومۃ الجندل میں ان کے پاس پہنچ گئے اور فیصلے تک وہاں ہی رہے۔ سعد ابن ابی وقاص بھی حاضر ہوا۔ مغیرہ بن شعبہ جو کہ طائف☆ میں مقیم تھا، یہ بھی آیا۔ یہ ان حملوں میں شریک نہ تھے اور فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔ اور جب فیصلے میں دیر ہوئی تو دمشق چلے گئے وہاں معاویہ سے ملاقات کی۔

معاویہ نے ان سے کہا: جس شے میں مصلحت دیکھتے ہو مجھے بتاؤ؟

مغیرہ نے کہا: اگر تمہارے حق میں رائے دے سکتا تو تمہارے ساتھ جنگ میں شرکت نہ کرتا۔ البتہ ان دونوں حکمین کی رپورٹ تمہیں دیتا ہوں۔

معاویہ نے کہا: کیا ہے؟

مغیرہ نے کہا: میں نے ابوموسیٰ اشعری سے خلوت میں ملاقات کی ہے تا کہ پتہ چل سکے کہ اس مسئلہ میں اس کی رائے کیا ہے اور اس نے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا جو جنگ سے کنارہ کش تھے اور حاضر نہ ہوئے کہ ان کے بارے میں اس کی رائے کیا ہے؟

تو ابوموسیٰ اشعری نے کہا: جو لوگ جنگ صفین میں شامل نہیں ہوئے وہ بہترین لوگ ہیں کیونکہ ان کی پشت پر بھائیوں کی خون ریزی کا بار نہیں ہے اور اُن کے شکم میں ان کے اموال نہیں ہیں۔ پھر وہاں سے اُٹھا اور عمرو عاص کے پاس گیا اور اس سے بھی کہا کہ جو لوگ جنگ سے کنارہ کش تھے ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

اس نے کہا: وہ بدترین لوگ ہیں کیونکہ انہوں نے حق کو پہچانا نہیں اور باطل کا انکار نہیں کیا۔

میرا تو یہ تجزیہ ہے کہ ابوموسیٰ اشعری اپنے دوست حضرت علیؑ کی خلافت کو ختم کرنا چاہتا ہے اور جنہوں نے جنگ نہیں کی ان میں سے کسی کو خلافت دینا چاہتا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس کا میلان عبداللہ بن عمر کی طرف ہے۔

☆ طائف مکہ کے جنوب میں سرات کی پہاڑیوں میں واقع ایک شہر ہے جو سطح سمندر سے ۵ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ اس کی آب و ہوا خوش گوار ہے۔

البتہ عمرو عاص اپنے دوست کو بہترین شخص سمجھتا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو یا اپنے بیٹے عبداللہ کو خلیفہ بنانے کی جستجو میں ہے اور میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ وہ تمہیں اپنے سے زیادہ خلافت کا حق دار نہیں سمجھتا۔ ان باتوں نے معاویہ کو پریشانی کے سمندر میں غرق کر دیا۔

حکمین کی آپس میں گفتگو

جب حکمین تبادلۂ خیال کے لیے جمع ہوئے تو ابوموسیٰ اشعری نے کہا: کیا اُمت کی مصلحت اور خدا کی رضا میں تم میرے ساتھ راضی ہو؟

ابوموسیٰ اشعری کی بزرگی اور احترام کو مدنظر رکھتے ہوئے عمرو عاص نے کہا: آپ کو مجھ سے پہلے آنحضرتؐ کی صحبت کا فخر حاصل ہوا ہے اور آپ کی عمر بھی مجھ سے زیادہ ہے۔

ابوموسیٰ اشعری نے کہا: عبداللہ بن عمر کو حکومت دینی چاہیے کیونکہ اس نے جنگ صفین کے کسی معرکہ میں دخل اندازی نہیں کی۔

عمرو عاص نے کہا: معاویہ سے کیوں غافل ہو؟

ابوموسیٰ نے کہا: معاویہ اس منصب کے لائق نہیں ہے اور اس کام سے مناسبت نہیں رکھتا؟

عمرو عاص نے کہا: کیا عثمان کی مظلومیت بھری موت کا تمہیں علم نہیں ہے؟

ابوموسیٰ اشعری نے کہا: ہاں اس کا تو مجھے پتہ ہے۔

عمرو عاص نے کہا اگر لوگ کہیں کہ معاویہ کو حکومت کیوں دی ہے تو قتل عثمان تمہارے لیے عذر ہوگا۔ تم کہنا کہ میں نے اسے عثمان کا ولی پایا اور اس کے بارے میں ارشاد پروردگار ہوتا ہے:

''جو شخص مظلومیت کے ساتھ قتل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے خون کی تحقیق کرنے والوں کے لیے حجت قرار دیتا ہے''۔ (سورہ بنی اسرائیل،

آیت ۳۶)

اس کے علاوہ معاویہ زوجہ رسولؐ اُم حبیبہ کا بھائی ہے اور آنحضرتؐ کی صحبت کا شرف بھی حاصل کر چکا ہے۔☆

ابوموسیٰ نے کہا: خدا سے ڈر۔ اگر کسی کو گھر اور رشتہ داری کی وجہ سے خلافت اور حکومت کا منصب مل سکتا تو ابرہہ بن صباح حکومت کا زیادہ حق دار تھا کیونکہ وہ یمن کے تبع بادشاہوں کا شہزادہ ہے جنہوں نے کئی سال زمین پر بادشاہی کی ہے اور دوسرا علی بن ابی طالبؑ کے ہوتے ہوئے معاویہ کے پاس کون سا رشتہ داری والا شرف ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ معاویہ خونِ عثمان کا بدلہ لینا چاہتا ہے تو یاد رکھ عثمان کا اپنا بیٹا اس کی نسبت زیادہ حق دار ہے کہ باپ کے خون کا بدلہ لے۔ ابوموسیٰ اشعری نے کہا: اگر تم میری رائے کو قبول کرلو تو عبداللہ بن عمر کو خلیفہ نامزد کر کے عمر کی یاد کو زندہ کر سکتے ہو اور یہ عبداللہ بن عمر دانشمند آدمی (بھی) ہے۔

عمرو عاص نے کہا: میرے بیٹے عبداللہ کے خلیفہ بننے میں کیا قباحت ہے حالانکہ وہ فضل وصلاح میں کسی سے کم نہیں ہے اور وہ مہاجر بھی ہے اور اسے آنحضرتؐ کی صحبت کا شرف بھی حاصل ہے؟

ابوموسیٰ اشعری نے کہا: تیرا بیٹا صحیح اور صاف گو آدمی ہے لیکن تو اسے اس جنگ میں لے آیا ہے آؤ عبداللہ بن عمر کو خلیفہ نامزد کریں۔

عمرو عاص نے کہا: خلافت کے لیے ایسا آدمی ہونا چاہیے جس کے دو دانت ہوں ایک سے خود کھائے اور دوسرے سے باقی لوگوں کو کھلائے۔

ابوموسیٰ اشعری نے کہا: اے عمرو مجھے تم پر افسوس ہے۔ مسلمان آپس میں جنگ

☆ اُم حبیبہ ابوسفیان کی بیٹی تھی جو پہلے آنحضرتؐ کے پھوپھی زاد بیٹے عبداللہ بن جحش کی بیوی تھی۔ اس نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ ہجرت کی۔ شوہر حبشہ میں فوت ہوگیا تو ہجرت کے ساتویں سال حضورؐ نے اُم حبیبہ کے ساتھ نکاح کر لیا۔

کرنے لگے' ایک دوسرے کے خلاف تلواریں اور نیزے لے کر آ گئے۔ جنگ روک کر انہوں نے مجھے اور تجھے فتنہ ختم کرنے کے لیے منتخب کیا ہے اور اب پھر سے انہیں فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہو؟

عمرو عاص نے کہا: تمہاری کیا رائے ہے؟ اور اب کیا کیا جائے؟

ابوموسیٰ اشعری نے کہا: میرا خیال یہ ہے کہ معاویہ اور علیؑ دونوں کو خلافت سے الگ کردیا جائے اور لوگوں سے کہا جائے کہ تم آزاد ہو جسے چاہو مصلحت کا خیال رکھتے ہوئے خلیفہ نامزد کرلو۔

عمرو عاص نے کہا: میں اس کام پر راضی ہوں اور یہ وہ کام ہے کہ جس میں لوگوں کی مصلحت کا راز مضمر ہے۔ جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو ابن عباس ابوموسیٰ اشعری کے پاس آیا اور اس سے تنہائی میں ملاقات کی اور کہا: اے ابوموسیٰ! تم پر افسوس ہے کہ تجھے عمرو عاص نے دھوکے میں ڈالا ہے اور جس چیز پر تم نے اتفاق رائے کیا ہے پہلے عمرو عاص سے کہو کہ اس کا اعلان کرے۔ تم اس کے بعد اپنی رائے کا اظہار کرنا کیونکہ عمرو عاص دھوکا باز شخص ہے۔

تم نے جو خلوت میں پروگرام بنایا ہے مجھے اس بات کا اعتبار نہیں ہے کہ جب تم پہلے اعلان کر چکو تو وہ بعد میں وہی اعلان کرے بلکہ وہ تمہارے خلاف بات کرے گا۔

ابوموسیٰ نے کہا: ہم نے ایسے کام پر موافقت کرلی ہے کہ اگر خدا نے چاہا تو ہم میں سے کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کرے گا۔

حکمین کی رائے کا اعلان

دوسرے روز یہ دونوں حکم اس شہر کی جامع مسجد میں آئے۔ دوسرے لوگ بھی جمع ہوگئے۔ ابوموسیٰ اشعری نے فیصلہ سنانے کے لیے عمرو عاص سے کہا کہ منبر پر جا کر اپنی رائے سے لوگوں کو آگاہ کرو۔

عمرو عاص نے کہا: آپ مجھ سے بزرگ اور برتر ہیں آپ نے مجھ سے پہلے ہجرت کی۔ میں آپ سے مقدم نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ پہلے ابوموسیٰ اشعری منبر پر گیا اور خداوند کی حمد وثنا کے بعد کہا:

"اے لوگو! ہم ایسے کام کی طرف متوجہ ہوئے ہیں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس اُمت کے درمیان محبت قائم فرمائے گا اور اُمت کی اصلاح ہوگی اس سے بہتر کوئی فیصلہ نہیں کہ ہم ان دونوں کو خلافت سے جدا کرتے ہیں اور یہ کام شوریٰ پر چھوڑتے ہیں۔ لوگ جس کسی کو بہتر جانیں منتخب کرلیں۔ لہٰذا میں علیؑ اور معاویہ دونوں کو خلافت سے الگ کرتا ہوں۔ اب تم جسے چاہو اپنے لیے خلیفہ نامزد کرسکتے ہو۔

فیصلہ کے بعد حکمین کا ایک دوسرے کو گالی دینا

یہ کہہ کر ابوموسیٰ اشعری منبر سے اُتر آیا تو عمرو عاص منبر پر گیا۔ اس نے خداوند متعال کی حمد وثنا کے بعد کہا:

"اس شخص نے جو کچھ کہا ہے آپ نے سن لیا ہے اس نے اپنے سپہ سالار (علیؑ) کو خلافت سے الگ کردیا ہے میں بھی اس کے سالار (علیؑ) کو خلافت سے الگ کرتا ہوں اور معاویہ کی خلافت کے جاری رہنے کا اعلان کرتا ہوں کیونکہ اس نے امیرالمومنین حضرت عثمان کے خون کا انتقام لینا ہے اور سب سے زیادہ خلافت کا حقدار بھی ہے"۔

یہ سن کر ابوموسیٰ اشعری نے عمرو عاص سے کہا: "خدا تجھے نیکی کی توفیق نہ دے۔ تم نے یہ کیا کہا ہے۔ تم نے میرے ساتھ فریب اور دھوکا کیا ہے۔ تیری مثال تو اس کتے کی سی ہے کہ جس پر حملہ کیا جائے تب بھی وہ بھونکتا ہے اور اگر حملہ نہ کیا جائے تب بھی وہ بھونکتا ہے۔ (سورہ اعراف' آیت ۱۷۵)

عمرو عاص نے کہا: تیری مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر چند کتابیں لاد دی جائیں تو وہ عالم نہیں بن جاتا۔ (بمطابق سورۂ جمعہ' آیت ٦)

شریح کا عمرو عاص پر حملہ

اس وقت شریح بن ہانی نے عمرو عاص پر حملہ کر دیا اور اس کے منہ پر تازیانہ مارا۔

لوگوں نے انہیں ایک دوسرے سے جدا کیا۔ شریح کہتا تھا: مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا کہ میں نے اس دن تازیانہ کے بجائے تلوار کیوں نہ ماری۔ ابوموسیٰ نے اپنے آپ کو وہاں سے بحفاظت باہر نکالا اور اپنی سواری پر سوار ہو کر مکہ چلا گیا۔

ابن عباس نے کہا: خدا ابوموسیٰ اشعری سے اپنی رحمت کو دُور کرے۔ میں نے اسے پہلے سے متنبہ کیا تھا لیکن اس نے میری ایک نہ سنی اور اس دھوکا باز پر اعتماد کرلیا۔

ابوموسیٰ اشعری نے بھی کہا: ابن عباس نے تو مجھے اس کے مکروفریب سے آگاہ کیا تھا' لیکن میں نے اس پر اعتماد کیا اور مجھے عمرو عاص سے یہ امید نہ تھی کہ وہ ایک شے کو مسلمانوں کی بھلائی پر ترجیح دے گا۔

شامیوں کا معاویہ کی بیعت کرنا

عمرو عاص کے اعلان کے بعد شامی جو وہاں موجود تھے معاویہ کے پاس گئے اور سلام کرنے کے بعد خلیفہ کے عنوان سے بیعت کرلی۔

ابن عباس اور شریح بن ہانی اور جو ان کے ہمراہ تھے حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ سنایا۔ سعید بن قیس ہمدانی اُٹھا اور کہا: بخدا اگر ہم ہدایت اور اتحاد کی راہ میں اکٹھے ہوجائیں تو اب جو ہماری بصیرت دین میں ہے' اس سے زیادہ ہوجائے گی۔ اس کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسی قسم کے الفاظ پر مشتمل بات چیت کی۔

❁❁❁

جنگِ نہروان/جنگِ خوارج

(مارقین یعنی منافقوں سے جنگ)

خارجیت

خارجیت کے جراثیم رسولِ خدا کے زمانے ہی میں پیدا ہوگئے تھے جو اندر ہی اندر بڑھتے اور پھیلتے رہے۔ یہ لوگ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام ہی کے خلاف سازشیں کرتے اور تخریبی کارروائیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ان کی گستاخیوں کا یہ عالم تھا کہ رسولِ اکرمؐ کی دیانت و عدالت پر بھی حملہ کرنے سے نہ چوکتے تھے۔ غزوۂ حنین کا مالِ غنیمت جب رسول پاکؐ نے وادیٔ جعرانہ میں تقسیم فرمایا اور نومسلموں کی دل جوئی کے لیے اپنے خمس کے حصہ میں سے انہیں اوروں کی نسبت زیادہ دیا تو اس گروہ کے ایک فرد ذوالخویصرہ تمیمی نے گستاخانہ لہجے میں آنحضورؐ سے کہا: آپؐ عدل و انصاف کریں جس پر آپؐ نے فرمایا: میں عدل نہیں کروں گا تو کون کرے گا؟" (بخاری' ج ۴' ص ۱۴۴)

یہ جنگ حضرت علیؑ نے خوارج کے خلاف لڑی اور صفر ۳۸ھ میں نہروان کے مقام پر لڑی گئی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان

"اگر تم میں سے کوئی ان کی نمازوں کے مقابلہ میں اپنی نمازوں کو' ان کے روزہ

کے مقابلہ میں اپنے روزوں کو دیکھے گا تو اپنی نمازوں اور روزوں کو پست وحقیر خیال کرے گا۔ (لیکن) یہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار کو چیر کر نکل جاتا ہے"۔ (بخاری، ج ۴، ص ۱۴۴)

یہ لوگ بظاہر شعائرِ اسلام اور احکامِ دین کے پابند اور روزہ، نماز اور تلاوتِ قرآن کے دلدادہ تھے مگر اسلام کی روح سے ناآشنا اور دین کی حقیقت سے بے خبر تھے۔

پیغمبرِ اسلامؐ کا ایک اور ارشاد گرامی

"میری اُمت دو فرقوں میں بٹ جائے گی اور ان دو میں سے ایک اور فرقہ نکل کھڑا ہوگا جس کے لوگ سر منڈوائے، مونچھیں کٹوائے اور پنڈلیوں تک تہبند باندھے ہوں گے۔ وہ قرآن کی تلاوت کریں گے مگر قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا، اور اُنھیں وہ شخص قتل کرے گا جو مجھے اور اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ (تاریخ بغداد، ج ۱، ص ۱۶۰)

منافقت اور منافقین

اسلام میں منافقوں کو کافروں سے بھی بدتر قرار دیا گیا۔ وہ ظاہری طور پر خود کو مسلمان، اللہ اور اُس کے رسولؐ کے پیرو و مطیع اور قرآنی تعلیمات کے تابع کہتے ہیں لیکن اُن کے دلوں میں خباثت اور شرارت ہوتی ہے۔ تاریخ اسلام میں مسلمانوں کو ہمیشہ سب سے زیادہ خطرہ منافقوں کی طرف سے لاحق رہا ہے۔ حضرت علیؑ نے بھی اپنی خلافتِ ظاہری کی تیسری جنگ منافقین سے لڑی جو کافروں سے بھی بدتر تھے۔

یہ مارقین و منافقین تاریخ اسلام میں خارجی کے نام سے معروف ہوئے۔ انہوں نے جنگِ صفین کے بعد امام علی علیہ السلام کے خلاف قیام کیا، ان کی کج فہمی، جہالت اور سادہ اندیشی نے انہیں اس غلط طرزِ فکر میں مبتلا کر دیا کہ حکمین کی بات پر رضامندی کا

اظہار کفر ہے۔ جو ایسی رضایت کا اظہار کرے وہ کافر ہے اور اس کا خون مباح ہے مگر یہ کہ وہ تائب ہو جائے۔ یہ ایک ایسا نتیجہ تھا جس کے مقدمات بے بنیاد تھے اور انہوں نے ایک ایسی عمارت بنا رکھی تھی جس کے ستون (قطعاً) کمزور تھے۔

حضرت علیؑ نے ان بداندیش منافقوں سے جنگ کی جس میں ان کے ہزار ہا لوگ قتل ہوئے۔ اس موقع پر حضرتؑ نے نہایت بے باکی سے فرمایا:

"میں ہی وہ ہوں جس نے فتنہ وفساد کی آنکھ پھوڑ دی اور فتنہ کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا"۔☆

خارجی

جنگِ صفین حضرت علیؑ اور ان کے اصحاب و احباب کی فتح پر ختم ہونے والی تھی کہ معاویہ اور اس کے دوستوں نے حکم والی چال چلی اور اس جنگ کا خاتمہ ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص کی تحکیم پر ہوا۔

جب عراق کے لوگ حکمین کی رائے سے واقف ہوئے تو خارجیوں نے ایک دوسرے کے پاس جا کر وعدہ کیا کہ سب عبداللہ بن وہب راسبی کے پاس جمع ہوں۔ سب سے پہلے عبداللہ بن وہب نے تقریر کی:

"اے میرے بھائیو! دنیا کی متاع قلیل اور بے اہمیت ہے۔ دنیا کی جدائی نزدیک ہے۔ ایک دوسرے کا ساتھ دے کر خروج کریں اور تحکیم کے خلاف اپنی آواز بلند کریں۔ ان دونوں میں سے کسی کو بھی سوائے خدا کے حکم اور فیصلے کا حق نہیں ہے۔ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی اور نیکوکار ہیں"۔

اس کے بعد حمزہ بن سیار نے تقریر کی اور اپنے خیالات کا یوں اظہار کیا:

☆ یہ نہج البلاغہ کے خطبہ نمبر ۹۳ کا ایک جملہ ہے (فانی فقات عین الفتنه) میں نے فتنہ کی آنکھ کو دبا دیا

"صحیح رائے یہ ہے کہ جس کا تم نے مصمم ارادہ کرلیا ہے اور جو کچھ تم نے کہا ہے حق بھی اس کے ہمراہ ہے۔ لیکن اپنی خلافت ایک پیشوا کے حوالے کریں اور اسے پرچم دیں کیونکہ اس کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے"۔

چنانچہ ان لوگوں نے خلافت کے لیے یزید بن حُصین سے کہا، یہ سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار تھا لیکن اس نے پیشوائی کا عہدہ قبول نہ کیا۔ اس کے بعد ابن ابی اوفی عبسی سے کہا گیا لیکن اس نے بھی یہ منصب قبول نہ کیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن وہب راسبی کی باری آئی۔ جب اُسے کہا گیا تو اس نے کہا: بخدا میں اسے دنیا کے لیے قبول نہیں کرتا اور نہ ہی موت سے فرار کے لیے بلکہ زیادہ ثواب کی اُمید سے قبول کرتا ہوں۔

عبداللہ نے اپنا ہاتھ دراز کیا۔ تمام خارجی کھڑے ہوگئے اور اس کی بیعت کی۔

بعدازاں وہ خود کھڑا ہوا اور خدا کی حمد وثنا کے بعد خطبہ دیا:

"اللہ تعالیٰ نے ہم سے اہم عہد کیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو۔ ہمیں کہا گیا ہے کہ حق کے معتقد رہو اور حق بات ہی کہو اور حق کی راہ میں جہاد کرو۔ جو اللہ کی راہ سے گمراہ ہو جائیں اُن کے لیے شدید عذاب ہے"۔ (سورۂ ص، آیت ۲۶)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "ہر وہ شخص جو خدا کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ تباہ کار ہے"۔ (سورۂ مائدہ، آیہ ۴۷)

میں گواہی دیتا ہوں کہ جن لوگوں کو قرآن کے مطابق حکم کے بارے میں کہا گیا تھا انہوں نے اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کیا ہے اور ہوائے نفس کی پیروی کی ہے۔ چنانچہ ان کے ساتھ جنگ کرنا حق ہے۔ بخدا اگر ان کے ساتھ جنگ میں میرا کوئی بھی مددگار نہ ہوا تو

میں ان کے ساتھ تنہا لڑوں گا یہاں تک کہ جامِ شہادت نوش کر کے اپنے خدا سے ملاقات کروں"۔

جب عبداللہ بن سنجر نے ان لوگوں کی گفتگو سے جانکاری کی تو اپنے جذبات کا چند لفظوں میں یوں اظہار کیا۔ یہ شخص پارسا، طاقتور اور سپاہیانہ لباس میں رہنے والا تھا:

"اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر لعنت کرے جو معصیتِ خدا کو اپنے گوشت اور ہڈیوں کو پارہ پارہ کرنے سے آسان سمجھتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے غصہ وغضب کا سبب بنتا ہے۔ اے بھائیو! تم اس کام میں رضائے خدا کو چاہو۔ جنہوں نے اللہ کے حکم سے سرتابی کی ہے اُن سے دشمنی کرو اور اُن سے جنگ کے لیے خروج کرو۔ ان کے چہروں کو تلواروں سے جھکا کر اطاعتِ خدا پر مجبور کردو۔ اللہ تمہیں اُن لوگوں کے انجام سے فائدہ کا درس دیتا ہے جو اطاعتِ خدا و رضائے خدا کو حاصل کرنے کے لیے انجام دیتے ہیں اور حقوق اللہ کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر تم کامیاب ہوجاؤ تو غنیمت جانو اور اگر مغلوب ٹھہرو تو جنت میں جانے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے"۔

اس کے بعد سب لوگ پراگندہ ہوگئے۔ دوسرے دن عبداللہ بن وہب اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ شریح بن ابی اوفی عبسی کے گھر گیا یہ خارجیوں میں بلند مقام رکھتا تھا۔

عبداللہ خدائے متعال کی حمد وثنا کرتے ہوئے گویا ہوا:

"ان دونوں حَکم (حکمین) نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کیا اور ہمارے جو بھائی ان کی حکمیت پر راضی ہوئے وہ کافر ہوچکے ہیں۔ انہوں نے دین میں سب لوگوں کی حکمیت کو قبول کرلیا ہے۔ جبکہ ہم ان سے نکل آئے ہیں۔ حمد وثنا اللہ تعالیٰ کے لیے کہ

(جس کے کرم سے) ہم ایسے لوگ حق پر ہیں"۔

شریح نے کہا: اپنے ساتھیوں کو علیؑ کے خلاف خروج سے پہلے آگاہ کیجیے اور ہمیں بھی اپنے ہمراہ لیتے جانا' حتیٰ کہ مدائن پہنچ جائیں۔ وہاں پہنچ کر اہلِ بصرہ کو پیغام دیجیے گا کہ ہمارے پاس آؤ اور ہم سے متحد اور ہم دست ہو جاؤ۔

حصین بن طائی نے کہا: اگر تم سب خروج کرو تو تمہارے مخالف پیچھے آجائیں گے' لہٰذا تم ایک ایک کر کے اور چھپ چھپا کر نکلو۔ مدائن میں ایسے لوگ ہیں کہ وہ اس شہر کا دفاع کریں گے۔ آپس میں طے کرو کہ سب نہروان کے پُل کے پاس جمع ہوں اور وہیں ٹھہریں۔ پھر وہاں سے بصریوں کو خط لکھو کہ وہ بھی نہروان کے پُل کے پاس آکر اکٹھے ہو جائیں۔

سب نے کہا یہ رائے صحیح ہے اور اس پر مکمل اتفاق کرلیا۔ انہوں نے اپنے تمام ساتھیوں کو مطلع کیا۔ سب کے سب فرداً فرداً کوفہ سے نکلنے پر آمادہ ہو گئے۔ پھر بصرہ کے خارجیوں کی طرف خط لکھا گیا۔

خارجیوں کا اہلِ بصرہ کے نام خط

"یہ خط عبداللہ بن وہب' یزید بن حصین' قوص بن زہیر اور شریح بن ابی اوفی کی طرف سے تمام مسلمانانِ بصرہ کے نام ہے۔ تم پر ہمارا سلام! ہم اس خدا کی عبادت کرتے ہیں کہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی زیادہ محبوب ہے جو اس کی کتاب پر زیادہ عمل کرتا ہو۔ نیز اس کی اطاعت اور راہِ حق پر زیادہ ثابت قدم ہو' اور سب سے بڑھ کر (وہ ہے) جو اس کی رضا کو پانے کے لیے جہاد کرے۔

ہمارے ساتھیوں نے کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے دو

اشخاص کو حکم بنایا لیکن انہوں نے کتابِ خدا اور سنتِ رسولؐ کے برعکس فیصلہ کیا ہے لہٰذا وہ کافر ٹھہرے اور راہِ راست سے منحرف ہو گئے۔ اسی سبب ہم ان سے جدا ہو چکے ہیں اور ہم نے باہم عہد کیا ہے' اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہم نہروان کے پُل کے پاس اکٹھے ہو چکے ہیں تم بھی وہاں آجاؤ۔ اللہ تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ اپنی عاقبت درست کرو اور ثوابِ دارین حاصل کرو۔ ایک دوسرے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔ متدین اور امین لوگوں میں سے ایک شخص حاضرِ خدمت ہے۔ اگر کچھ پوچھنا چاہو تو اس سے پوچھ لو۔ نیز اپنی رائے اور ارادے سے آگاہ کریں۔ والسلام"

یہ خط عبداللہ بن سعد عبسی کے ہاتھ روانہ کیا گیا۔ وہ خط لے کر بصرہ گیا۔ خط دوستوں کو پہنچایا اور اسے پڑھا اور اس کا جواب لکھا گیا:

"ہم عنقریب آپ کے پاس پہنچ جائیں گے"۔

اس کے بعد سب خارجی ایک ایک کر کے اور کچھ دو دو ہو کر شہر کوفہ سے باہر نکلے۔

یزید بن حصین طائی اپنی سواری پر سوار ہو کر شہر سے باہر آیا اور اس نے کہا: خدا مجھے ستم کار لوگوں سے نجات دے۔ جب مدائن کی طرف متوجہ ہوا تو کہا: شاید کہ میرا پروردگار مجھے راہِ راست کی ہدایت کرے"۔ (سورۂ قصص' آیہ ۲۰)

وہ فاصلہ طے کرتے کرتے سیب☆ نامی مقام پر پہنچا۔ وہاں اس کے بہت سے ساتھی موجود تھے جو اس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ ان میں سے ایک زید بن عدی بن حاتم تھا۔ عدی اپنے اس بیٹے کو تلاش کرنے کے لیے اس کے پیچھے نکلا یہاں تک کہ مدائن آپہنچا' لیکن پھر اپنے بیٹے تک نہ پہنچ پایا۔ چنانچہ حضرت علیؑ کے مقرر کردہ مدائن کے گورنر کے پاس پہنچا۔

☆ سیب پانی کی جگہ کو کہتے ہیں۔ کئی جگہوں کا نام ہے جو کوفہ' بصرہ' خوارزم میں ہیں۔

اس وقت مدائن کا گورنر سعد بن مسعود ثقفی تھا اور خارجی اس سے دُور تھے۔

ادھر عبداللہ بن وہب بھی رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کوفہ سے نکلا۔ کوفہ کے باہر اس کے ساتھی اس سے مل گئے اور وہ ایک گروہ کی صورت اختیار کر گئے۔ اس گروہ نے انبار کے راستہ کو منتخب کیا جو فرات کے بائیں جانب عراق کے شمال مشرق میں واقع ہے اور بغداد سے بارہ فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ وہ لوگ فرات کے کنارے کو عبور کر کے دیر عاقول پہنچے جو بغداد سے پندرہ فرسنگ کے فاصلے پر دجلہ کے ساحل پر واقع ہے۔ یہاں ان کا آمنا سامنا عدی بن حاتم کے ساتھ ہوا۔ عدی کوفہ جا رہا تھا۔ عبداللہ نے چاہا کہ عدی کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے مگر عمرو بن مالک نبہانی اور بشیر بن یزید بولانی، جو خارجیوں میں شامل تھے، نے عبداللہ کو منع کیا کہ عدی کے سامنے کسی قسم کا اظہار نہ کرنا۔

سعد بن مسعود ثقفی نے اپنے بھتیجے مختار بن ابی عبید کو مدائن میں اپنا نائب بنایا اور عبداللہ بن وہب کے پیچھے مدائن سے باہر آیا۔ غروبِ آفتاب کے قریب بغداد کے کرخ نامی مقام پر ان کی ملاقات ہوئی۔ سعد کے ہمراہ پانچ سو سوار تھے اور خارجی فقط تیس آدمی تھے۔ دونوں ایک دوسرے پر ایک گھنٹہ تیر چلاتے رہے۔ سعد کے ساتھیوں نے کہا: اے امیر ان کے ساتھ جنگ کرنے سے کیا مقصود ہے، حالانکہ ان کے بارے میں تو حضرت علیؑ سے کسی قسم کا حکم نہیں آیا ہے۔ انہیں چھوڑ دو اور امیر المومنینؑ کی طرف خط لکھو اور ان کی کارگزاری سے آگاہ کرو۔ سعد بن مسعود نے انہیں چھوڑ دیا۔ عبداللہ بن وہب بغداد آیا اور شہر کے کسانوں سے کہا کہ ہمارے آگے جانے کا انتظام کر دو۔ بغداد کے کسانوں نے اُن کے لیے وسائل مہیا کر دیئے۔ عبداللہ بن وہب وہاں سے خوجی پہنچا اور وہاں سے نہروان جا کر دیگر خارجیوں سے جا ملا۔ وہاں ان کے ہم عقیدہ اور ہم فکر بصری بھی ان سے آ ملے جن کی تعداد پانچ سو تھی۔

جنگِ خوارج یا جنگِ نہروان

ان دنوں حضرت عبداللہ بن عباس بصرہ کے گورنر تھے۔ جب انہیں بصرہ کے خارجیوں کے خروج کی خبر ہوئی تو انہوں نے ابوالاسود دیلی کو ایک ہزار سواروں کی کمان دے کر خارجیوں کی تلاش میں روانہ کیا۔ انہوں نے پلِ شوشتر پر خارجیوں سے رات کے اندھیرے میں ملاقات کی۔ خارجی ان لشکریوں سے بچ کر بھاگ جانے میں کامیاب ہوئے۔ ان کا کام یہ تھا کہ راستے میں جس سے ملتے اُس سے حکمین کے بارے میں رائے طلب کرتے۔ اگر وہ حکمین سے اظہارِ برأت کرتا تو اُس کی جان بخشی کر دیتے ورنہ موت کے گھاٹ اُتار دیتے۔

خارجی سفر کرتے کرتے دجلہ کے کنارے پہنچے اور دجلہ کے قریب صریفین (عراق کے ایک بہت بڑے گاؤں) سے گزرے اور نہروان پہنچے۔

خارجیوں کے لیے حضرت علیؑ کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بندۂ خدا امیر المومنین علیؑ (ابن ابی طالبؑ) کا خط عبداللہ بن وہب راسبی، یزید بن حصین اور دیگر کے نام:

"تم پر سلام ہو جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے فیصلہ کے لیے دو اشخاص کو منتخب کیا ہوا تھا اور انہوں نے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کر دیا ہے (یوں) خدا کو چھوڑ کر ہوائے نفس کی اتباع کی ہے چونکہ انہوں نے قرآن اور سنتِ رسولؐ کے مطابق فیصلہ نہیں کیا، لہٰذا ہم اُن سے اظہارِ برأت کرتے ہیں (البتہ) ہم اپنی پہلی والی بات پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ خدا تم پر اپنی رحمت نچھاور کرے، میرے پاس واپس چلے آؤ تا کہ ہم سب مل کر دشمن کے ساتھ جنگ کے لیے

متحرک ہوں اور اس وقت تک جنگ کریں جس وقت تک اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہ فرما دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے"۔

جب مولائے کائنات کا خط اس کے پاس پہنچا تو اُن بدبختوں نے اس کا جواب یوں تحریر کیا:

"امابعد! تم خدا کے لیے ناخوش نہیں ہوئے بلکہ اپنی ذات کے لیے ناخوش ہوئے ہو۔ اب اگر تم توبہ کرلو تو ٹھیک ہے کیونکہ تم بھی ان کے ساتھ خطا کار ہوگئے ہو' اور اگر توبہ نہ کرو تو ہم تمہارے ساتھ اعلانِ جنگ کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ خیانت کاروں کی رہنمائی نہیں کرتا"۔

حضرتؑ نے جب اُن کج فہموں کا جوابی خط پڑھا تو اُن سے ناامید ہوگئے اور مصلحت اسی میں جانی کہ انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

پھر آپ معاویہ کے ساتھ دوبارہ جنگ کے ارادہ کے ساتھ کوفہ سے چلے اور نخلیہ میں اپنے لشکر کا پڑاؤ کیا۔ مولاؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ شام کی طرف سفر کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں نے تمہارے تمام بھائیوں کی طرف خط لکھ دیئے ہیں' وہ آ رہے ہیں۔ جب وہ پہنچ گئے تو پھر آگے سفر شروع کریں گے۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام نے اپنے تمام گورنروں کو لکھ دیا تھا کہ اپنے نائب مقرر کر کے خود ہماری طرف چلے آؤ۔ بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عباس کے نام خط میں تحریر تھا:

"ہم نخلیہ میں پڑاؤ کیے ہوئے ہیں اور ہمارا شامیوں کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ ہے۔ خط ملتے ہی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ میرے پاس پہنچ جاؤ۔ والسلام!"

چنانچہ عبداللہ بن عباس سات ہزار بہادر شہ سواروں کا لشکر لے کر حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب کارواں چلنے لگا تو خارجیوں کے ظلم وستم کی ایک دردناک خبر پہنچی کہ خارجیوں نے عبداللہ بن خباب اور اس کی بیوی کو راستہ میں دیکھا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم حکمین کے فیصلے پر خوش ہو؟ جب انہوں نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح اُمّ ستان صداوی کو بھی قتل کر دیا گیا ہے۔ وہ راہ چلتے لوگوں کا راستہ روک کر یہ پوچھتے ہیں اور اُنھیں ہلاک کر دیتے ہیں۔

جب مولا امیرالمومنینؑ کو یہ اطلاعات موصول ہوئیں تو آپؑ نے حارث بن عدہ فقعسی کو بھیجا کہ ان کی خبر لائے۔ خارجیوں نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ جب یہ خبر ملی تو لوگوں نے حضرتؑ سے عرض کیا: اے امیرالمومنینؑ! کیا انہیں گمراہی پر چھوڑ کر آگے جانے کا ارادہ ہے اور یہ اسی طرح زمین پر تباہی پھیلاتے رہیں گے اور اپنی تلواروں کے بل بوتے پر لوگوں کے راستے بند کرتے رہیں گے۔ ہمیں ان کی طرف جانا چاہیے۔ انہیں اپنی اطاعت اور پیروی کے بارے میں کہیں۔ اگر وہ آپ کی باتیں قبول فرمالیں تو اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور اگر وہ بات کو قبول نہ کریں تو ان کے ساتھ جنگ کریں اور ان سے اُمت کی جان خلاصی کروا کر ہی شام جائیں۔

حضرت علیؑ کی نہروان کی طرف روانگی

اس صورتِ حالات میں حضرت علیؑ نے لوگوں کو کوچ کا حکم دیا اور نہروان کی طرف حرکت کی۔ آپؑ اپنے لشکر سمیت خارجیوں سے ایک کوس کے فاصلے پر ٹھہر گئے اور قیس بن سعد بن عبادہ اور ابوایوب انصاری کو ان کے پاس بھیجا۔ وہ ان کے پاس گئے اور پکار پکار کر کہا: اے بندگانِ خدا تم نے بڑا گناہ کیا ہے' تم نے لوگوں کو بہت تنگ کیا ہے اور انہیں قتل بھی کیا ہے اور دوسرا یہ کہ ہمارے بارے میں مشرک ہونے کی گواہی دے رہو۔ حالانکہ شرک بہت بڑا گناہ ہے۔ لیکن ان ملعونوں کے کان پر جوں نہ رینگی۔

عبداللہ بن سنجر نے جواباً کہا: یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ حق روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکا ہے۔ اب ہم تمہاری پیروی نہیں کریں گے۔ تمہاری طرف نہیں پلٹیں گے مگر یہ کہ حضرت عمر خطاب کی طرح کا کوئی شخص ہمارے پاس لے آؤ۔

قیس بن سعد نے کہا: ہم سوائے علیؑ کے کسی کو نہیں پہچانتے کیا تم کسی کو پہچانتے ہو؟

انہوں نے انکار میں جواب دیا تو قیس نے کہا: میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں مت ڈالو کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہارے دلوں میں فتنہ پیدا ہو چکا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوایوب انصاریؓ نے بھی قیس کی طرح اُنہیں سمجھایا لیکن وہ کہنے لگے کہ فرض کریں ہم آج آپ کی بیعت کر بھی لیں تو کل آپ لوگ پھر ایسے ہی دو حکم بنا کر فیصلہ کروا دیں گے۔

ابوایوب انصاری نے فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کل کے خوف سے آج فتنہ پیدا نہ کرو۔

وہ بولا اب آپ یہاں سے چلے جائیں کیونکہ ہم آپ کے خلاف اعلانِ جنگ کر چکے ہیں اور جو وعدے تم سے کیے تھے اُنہیں توڑتے ہیں۔ چنانچہ یہ دونوں معزز حضرات حضرت علیؑ کے پاس لوٹ آئے اور حضرتؑ کو تمام صورت احوال سے آگاہ کیا۔

شیرِ خدا نے اسی وقت حرکت فرمائی اور خارجیوں کے اتنے قریب پہنچ گئے جہاں سے ان کی آوازیں تک سنائی دے رہی تھیں۔ مولاؑ نے با آوازِ بلند فرمایا:

''اے وہ لوگو! جنہوں نے دشمنوں کو جنم دیا ہے اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کی ہے اور حق سے دُوری اختیار کی ہے اور نتیجتاً اشتباہ و خطا کے مرتکب ہو رہے۔ میں تمہیں گمراہی میں قدم رکھنے سے ڈراتا ہوں اور بغیر دلیل و حجت کے اپنی جانوں کو ضائع کرنے سے منع کرتا ہوں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں نے یہ شرط لگائی

تھی کہ وہ دونوں حکم قرآن کے مطابق فیصلہ کریں گے؟ کیا میں نے تمہیں پہلے ہی نہیں بتایا تھا کہ حکمیت کا موضوع شامیوں کا دھوکا اور فریب ہے اور چونکہ اس وقت تم حکمیت کے علاوہ کچھ قبول نہ کر رہے تھے تو میں نے فوراً اُن پر شرط عائد کی تھی کہ قرآن نے جس چیز کو زندہ کیا ہے وہ بھی اُسے زندہ کریں گے اور جس چیز کو قرآن نے مُردہ قرار دیا ہے وہ بھی اُسے مردہ کہیں گے۔ انہوں نے کتاب اللہ کی مخالفت کی ہے اور سنتِ رسولؐ کو اَن دیکھا قرار دیا ہے۔ نیز خواہشِ نفس کے تحت فیصلہ کیا ہے۔ ہم نے ان کے فیصلے کو رد کر دیا ہے۔ ہم اپنی پہلی والی حالت پر ہیں۔ اب تم بتاؤ کہ کہاں سرگرداں ہو اور کہاں سے آ رہے ہو؟''

خارجیوں کا اعلانِ جنگ اور حضرتؑ کو کافر قرار دینا

خارجیوں نے جواب دیا: ہم سب ان حکمین کی رائے پر رضامندی کا اظہار کر کے کافر ہو گئے تھے اور اب توبہ تائب ہو چکے ہیں۔ اگر اب آپ بھی توبہ کر لیں تو ہم اکٹھے ہو سکتے ہیں وگرنہ آپ کے ساتھ اعلانِ جنگ کرتے ہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: ''کیا تم کہتے ہو کہ میں اپنے کافر ہونے کی گواہی دوں تو اس صورت میں گمراہ قرار پاؤں اور ہدایت یافتہ نہ رہوں''۔

پھر فرمایا: ''کسی ایسے شخص کو میرے پاس بھیجو جس پر تم سب کا اتفاق راے ہو۔ ہم آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ اگر (اس بات چیت کے دوران میں) مجھ پر حجت قائم ہو گئی تو میں توبہ کر لوں گا اور اگر حجت تم لوگوں پر قائم ہوئی تو پھر اس خدا سے ڈرو جس کی بارگاہ میں تم سب کی بازگشت ہے''۔

خارجیوں نے عبداللہ بن کواء سے کہا کہ علیؑ کے پاس جاؤ اور حجت قائم کرو۔ عبداللہ

ابن کواء کا ان کے بزرگوں میں شمار ہوتا تھا۔ ابن کواء حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرتؑ نے خارجیوں سے خطاب فرمایا: کیا تم اس پر راضی ہو؟

اُنہوں نے کہا: ہاں۔

حضرتؑ نے فرمایا: خدایا گواہ رہنا' تو بہترین گواہ ہے۔ پھر لسان اللہ گویا ہوئے:

''اے ابن کواء! پہلے تو تم میری حکومت پر راضی تھے اور تم نے میری ہمراہی میں معاویہ سے جنگ بھی کی۔ اب میری کس بات نے تمہیں مجھ سے دُور کر دیا ہے؟ جنگِ جمل میں مجھ سے بیزار کیوں نہ ہوئے؟''

ابن کواء نے کہا: اس وقت حکمیت والا موضوع موجود نہ تھا۔

حجتؑ خدا نے فرمایا: کیا حَکَم اس وقت کافر تھا جب میں نے اُسے بھیجا تھا یا جس وقت اُس نے فیصلہ کیا تھا؟

ابن کواء نے کہا: جس وقت اُس نے رائے دی اس وقت کافر ہوا۔

مولاؑ نے فرمایا: ابھی تم نے کہا کہ جس وقت میں نے اُسے بھیجا تھا وہ مسلمان تھا' کافر بعد میں ہوا۔ اب بتاؤ کہ اگر رسولؐ خدا لوگوں کی ہدایت کے لیے کسی کو بھیجیں تو وہ وہاں جا کر کافر ہو جائے تو کیا یہ رسولؐ خدا کا گناہ ہے یا اُس شخص کا؟

اس نے کہا: رسولؐ خدا کا کوئی گناہ نہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے بالفرض وہ گمراہ ہو گیا ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ کیا تمہارے لیے درست ہے کہ ابوموسیٰ اشعری کا بہانہ کر کے قتل و غارت گری کا بازار گرم کرو؟''

جب خارجی اکابر نے یہ بات سنی تو ابن کواء سے کہا: واپس چلے آؤ اور اس کی باتوں کو بھلا دو۔ چنانچہ حضرتؑ بھی اپنے اصحاب کے پاس واپس لوٹ آئے اور وہ لوگ ویسے کے ویسے اپنی گمراہی پر قائم رہے۔

حضرت علیؑ کا اعلانِ جنگ

اس وقت امام علی علیہ السلام نے حکم دیا کہ لوگوں میں باآوازِ بلند جنگ کی تیاری کا اعلان کر دو کہ جنگی آلات سے لیس ہو جائیں۔ پھر حجر بن عدی کو لشکر کے میمنہ' سیث بن ربعی کو میسرہ پر' ابوایوب انصاریؓ کو سواروں پر اور ابوقتادہ کو پیادوں پر سالار مقرر فرمایا۔

خارجی پہلے ہی جنگ کے لیے تیار تھے۔ یزید بن حصین کو میمنہ پر' شریح ابن اوفی کو میسرہ پر' قوص بن زہیر کو پیادہ فوج پر اور عبداللہ بن وہب کو سواروں پر مقرر کیا گیا۔

جائے امان کا تعین

حضرتؑ نے لوگوں کی امان کے لیے ایک جائے امان قائم فرمائی وہاں دو ہزار سپاہیوں کو کھڑا کیا اور فرمایا: جو شخص یہاں کھڑا ہو جائے گا امان میں تصور ہوگا۔ اس کے بعد دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو فروہ بن نوفل اشجعی نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''اے میری قوم ہم خدا کی قسم نہیں کھاتے کیونکہ علیؑ سے جنگ کر رہے ہیں اور ہمارے پاس اس کے خلاف جنگ پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ اے (میری) قوم! واپس چلے جاؤ' یہاں تک کہ واضح ہو جائے کہ ہمیں جنگ کرنا ہے یا پیروی''۔

عدمِ جواب کی صورت میں فروہ نے اپنے ساتھیوں کو چھوڑ دیا اور پانچ سو افراد کو ساتھ لے کر میدانِ جنگ سے باہر نکل گیا اور بندنجین کی طرف چل دیا جو آج کل بغداد کے قریب عراق کا ایک پہاڑی شہر ہے (کچھ مؤرخین کے مطابق اُس نے یہ فیصلہ حضرت ایوب انصاریؓ کے خطاب کے بعد کیا تھا)۔

اشجع الناسؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ''ان کے ساتھ اس وقت تک جنگ نہ کرنا جب تک یہ جنگ میں پہل نہ کریں''۔

خارجیوں نے نعرہ بلند کیا: ''حکم کا حق فقط اللہ تعالیٰ کو ہے اگرچہ یہ بات مشرکوں کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے''۔

اور پھر حضرتؑ کی فوج پر حملہ کردیا۔ ان کے حملہ کی شدت کے سبب حضرتؑ کے سپاہی ثابت قدم نہ رہ سکے۔ پھر خارجی دو حصوں میں منقسم ہوگئے۔ ایک گروہ میمنہ اور دوسرا میسرہ پر حملہ آور ہوا۔ حضرتؑ کے اصحاب بھی حملہ آور ہوئے۔ آپؑ کے صحابی قیس بن معاویہ برجمی نے شریح ابن اوفی پر حملہ کیا اور تلوار کا وار کر کے اس کے پاؤں کو کاٹ دیا۔ شریح نے کٹے پاؤں کے ساتھ بھی جنگ جاری رکھی اور آواز بلند کی:

''نر اُونٹ اپنے بندھے ہوئے پاؤں کے ساتھ اپنی مادہ کا دفاع کر رہا ہے''۔

اتنے میں قیس بن سعد نے اس پر حملہ کر کے اسے واصل جہنّم کردیا۔ یوں تمام خارجی حضرتؑ کے سپاہیوں کے ہاتھوں یکجا قتل ہوگئے۔

حقوقِ انسانی کے علم بردارِ اعظم اور لشکرِ حق کے سپہ سالارِ معظمؑ نے حکم نامہ جاری کیا کہ جن خارجیوں کے بدن میں ذرہ بھر بھی جان ہے انہیں اپنے اپنے قبیلہ کے سپرد کر دیا جائے۔

پھر دوسرا حکم صادر فرمایا: انہوں نے جو آلاتِ جنگ اور سواریاں دورانِ جنگ میں استعمال کی ہیں ان پر تصرف کرسکتے ہو اور ان آلات کو اپنے صحابہ میں تقسیم فرما دیا۔ جبکہ ان مقتولین کا بقیہ مال و اسباب ان کے ورثاء کے سپرد کردیا گیا۔

نہروان سے کوچ اور خطاب

حضرت علیؑ نے نہروان سے کوچ کا ارادہ فرمایا تو اپنے اصحاب کو اکٹھا کر کے خطاب فرمایا:

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں خارجیوں پر فتح عطا کی ہے۔ اب بغیر دیر کیے شامیوں کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہوجاؤ''۔

حضرتؑ کے اصحاب میں سے اشعث بن قیس اُٹھا اور کہنے لگا: ''امیرالمومنینؑ! ہمارے تیر ختم ہوگئے ہیں اور تلواریں کند ہوگئی ہیں اور نیزوں کی انیاں بھی خراب ہوچکی

ہیں۔ ہمیں اپنے شہر واپس لے چلیے تاکہ جنگ کے بہترین ساز و سامان کے ساتھ تیار ہوسکیں''۔

جب حضرت علیؑ نے دیکھا کہ میرے اصحاب شامیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے بجائے سُستی اور کمزوری کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور پھر ادھر سے یہ خبر سنی کہ معاویہ کے ساتھ شہر انبار تک آگئے ہیں اور شہر میں گھس کر قتل و غارت کا بازار گرم کردیا ہے تو مولاؑ نے ایک خط لکھ کر ایک شخص کے حوالے کیا اور اُسے کہا کہ یہ خط نمازِ جمعہ کے اجتماع میں پڑھ کر سنانا (نہج البلاغہ' خط نمبر ۲۷' بعض کے مطابق حضرتؑ نے اسے خود بیان فرمایا)۔

حضرت علیؑ کا شیعوں کے نام خط

وہ خط یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''بندۂ خدا امیرالمومنین اور اہلِ کوفہ کی طرف سے اپنے شیعوں کی طرف۔ تم پر سلام ہو' امابعد! جہاد ابوابِ جنت میں سے ایک باب ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنے خاص دوستوں کے لیے کھولا ہے۔ یہ لباس ہے تقویٰ و پرہیزگاری کا' خدا کی حصین (مضبوط) زرہ اور وثیق سپر ہے جو اس سے نفرت کرے حق تعالیٰ اس کو ذلت و ہوان کا ثوب پہناتا ہے اور آفت و بلا میں مبتلا کرتا ہے۔ ایسا شخص خواری و فضیحت کھینچتا ہے اور رنج و مصیبت جھیلتا ہے۔ دشمن اس پر غالب آتے ہیں اور انصاف سے محروم رہتا ہے۔ تحقیق میں نے روز و شب خفیہ و علانیہ تم کو دعوت دی کہ اس قوم کے ساتھ جنگ کرو' قبل اس کے کہ وہ تمہارے ساتھ جنگ کریں۔ بخدا کسی قوم نے اپنے گھر کی دیوار کے نیچے لڑائی نہیں کی مگر یہ کہ وہ ذلیل ہوئی۔ مگر تم

نے میرا حکم نہ مانا اور لیت و لعل کر کے اسے ٹالتے رہے یہاں تک کہ اب چاروں طرف سے دشمن تم پر غارت گری کر رہا ہے تمہارے ملک کو پامال کر رہا ہے اور تمہارے قبضے سے نکال رہا ہے۔ عوف غامدی کا یہ بیٹا انبار شہر پر لشکر لایا اور میرے عامل ابن حسان کو قتل کیا نیز ہماری سپاہ کو ہماری سرحد سے ہٹا دیا۔ وہ ستم گر لوگوں کے گھروں میں گھس گئے اور مسلمان خواتین نیز ذمی کافرات کے ہاتھ پاؤں اور کان گلے کے زیورات اُتار لیے۔ عورتیں شور و غل مچاتی رہیں لیکن کسی نے ان کی ایک نہ سنی۔ اُنہوں نے فریاد کی تو کوئی فریاد کو نہ پہنچا۔ پس اس نے کثیر مال لے کر دشمنی کی اور ایک آدمی بھی ان میں سے نہ مارا گیا اور نہ ہی کسی کو زخم آیا۔ اگر کوئی شخص اس حادثہ پر افسوس کرتے کرتے مر بھی جائے تو وہ قابلِ ملامت نہیں ہے بلکہ یہ اس کے لائق ہے۔ خدا کی قسم ان کا باطل پر ہونا اور تمہارا حق پر ہونا دلوں کو اور غم و الم کو زندہ کرتا ہے۔ وائے ہو تم پر کہ تم تیروں کا ہدفِ مصیبت بن گئے۔ تاراج ہوتے ہو اور کچھ بھی نہیں کرتے ہو۔ تم پر حملے کیے جاتے ہیں تم بیٹھے دیکھتے ہو ملک میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو رہی ہے اور تم اس پر راضی ہو۔ اگر تابستان (موسم گرما) میں تم سے کہتا ہوں کہ اس طرف چلو تو گرمی کا عذر پیش کرتے ہو اور اگر زمستان (موسم سرما) میں کہتا ہوں تو سردی کا بہانہ بنا لیتے ہو۔ پس اگر تم سردی گرمی سے اس طرح بھاگتے ہو تو بخدا آتشِ تیغ سے زیادہ بھاگو گے۔

اے مرد صورتو! تم اصل میں مرد نہیں ہو بلکہ اطفال، خرد مال اور زنان

مخدرہ فی الحجال سے بزدل ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری صورت دیکھوں بلکہ میرے اور تمہارے درمیان تعارف تک ہو۔ اس سے بجز افسوس و ندامت کے کچھ حاصل نہیں۔ تم نے میرے دل کو مدید دریم بنا دیا ہے اور میرے سینے کو غیظ و غضب سے پُر کر دیا ہے۔ مجھ کو درد و الم کے گھونٹ پینے پڑے۔ تمہاری نافرمانی نے میری رائے و تدبر کو برہم کر دیا حتیٰ کہ قریش کہتے ہیں ابن ابی طالب بہادر انسان ہے مگر حسنِ حرب سے ناآشنا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مجھ سے بڑھ کر اس فن میں کس کو مہارت حاصل ہے اور مجھ سے زیادہ اس کا ماہر کہاں ملے گا۔ ابھی بیس سال کا نہیں ہوا تھا کہ جنگ وجدال میں پڑ گیا۔ اب اسی کام میں میری عمر ساٹھ سال ہو گئی ہے لیکن جس کی اطاعت نہ کی جائے اُس کی کوئی رائے نہیں ہوتی"۔

یہ خط سننے کے بعد لوگ کہنے لگے کہ آپ ہمیں اپنے ساتھ لے چلیں۔ بخدا سوائے بدگمان لوگوں کے کوئی بھی آپ کے ساتھ جانے سے نہیں گھبرائے گا"۔

رجبہ میں پڑاؤ کا اعلان اور التوائے جنگِ شام

حضرتؑ نے جناب حارث ہمدانی سے فرمایا: لوگوں کے درمیان آواز لگاؤ کہ کل رجبہ میں پڑاؤ کرنا ہے لیکن صرف وہ لوگ جائیں جو صدقِ نیت کے حامل ہوں۔ دوسرے دن نمازِ فجر کے بعد حضرتؑ رجبہ پہنچے اور وہاں تین سو آدمیوں کو دیکھا۔ حضرتؑ نے فرمایا: اگر تمہاری تعداد چند ہزار تک ہو جاتی تو تمہارے بارے میں کچھ بات کرتا۔ دو دن تک وہاں رنجیدہ خاطر رہے۔ حجر بن عدی اور سعید بن قیس ہمدانی اُٹھے اور کہنے لگے: آپ لوگوں کو حرکت کرنے پر مجبور کریں اور جو خلاف ورزی کرے اُسے سزا دیں۔

حضرتؑ نے حکم دیا کہ منادی سے کہو ندا کرے۔ یہاں سے حرکت سے کوئی بھی تخلف نہ کرے اور معقل بن قیس سے فرمایا کہ قرب و جوار کے دیہات میں جاؤ اور تمام سپاہیوں کو اکٹھا کر کے لے آؤ۔ مگر (افسوس کہ) معقل بن قیس حضرتؑ کی شہادت کے بعد اس کام کے لیے گیا۔

حضرت علیؑ کی شہادت

۴۰ ہجری میں جنگِ نہروان کے بچے کھچے خوارج مکہ میں جمع ہوئے تو انہوں نے نہروان کے مقتولین کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ہمارے بھائیوں کے خون کی ذمہ داری علیؑ، معاویہ اور عمرو عاص پر عائد ہوتی ہے۔ سب نے اس بات پر اتفاق کیا۔ برک بن عبداللہ نے معاویہ کو' عمر بن بکر تمیمی نے عمرو عاص کو اور عبدالرحمٰن بن ملجم ملعون نے حضرت علیؑ کو قتل کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ یہ بھی طے پایا کہ ایک ہی دن میں ایک ہی وقت پر حملہ ہونا چاہیے تا کہ ان میں سے ایک کو دوسرے کے بارے میں خبر نہ ہو۔ چنانچہ دن اور وقت کے تعین کے بعد برک بن عبداللہ دمشق کی جانب' عمرو بن بکر مصر کی سمت اور ابن ملجم کوفہ کی طرف چل دیا۔

اس خطرناک اور وحشیانہ اقدام کے لیے ماہِ رمضان کی انیسویں شب اور نمازِ صبح کا مقرر کیا گیا۔ چنانچہ مقررہ تاریخ پر برک بن عبداللہ دمشق آیا اور جب جامع مسجد میں فجر کی نماز کھڑی ہوئی تو وہ بھی پہلی صف میں معاویہ کے عقب میں کھڑا ہوگیا۔ معاویہ جب رکوع کے لیے جھکا تو اس نے تلوار کا وار کیا جو اس کے عقبی حصہ پر پڑا۔ حملہ آور گرفتار کرلیا گیا اور گھاؤ معمولی ہونے کے سبب جلد ہی بھر گیا۔ عمر بن بکر مصر میں آکر ٹھہرا تا کہ مقررہ وقت پر عمرو عاص کو قتل کرے مگر اتفاق سے عمرو عاص دردِ قولنج میں مبتلا ہوگیا اور اس نے اپنی جگہ خارجہ حذافہ سہمی کو نماز پڑھانے کے لیے بھیج دیا۔ عمر بن بکر اندھیرے میں اُسے پہچان نہ سکا اور عمرو بن عاص سمجھ کر اُسے ہی قتل کردیا۔ اسے پکڑ کر جب عمرو عاص کے

پاس لایا گیا تو اس نے خارجہ کے خون کے بدلے اُسے قتل کر دیا۔

ملعون عبدالرحمٰن ابن ملجم آخر ماہ شعبان میں کوفہ پہنچا اور محلہ بنی کندہ میں خوارج کے یہاں ٹھہرا۔ اس نے اپنے ارادے کو قطعی طور پر پوشیدہ رکھا۔ اسی اثنا میں اس کی ملاقات ایک خارجی عورت قطام بنت تیمیہ سے ہوئی (صاحبِ اخبار الطوال نے اسے قطام کی بیٹی رباب لکھا ہے) وہ اس پر فریفتہ ہوگیا اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ بے شوہر ہے تو اس سے نکاح کی خواہش کی۔ قطام کا ایک بھائی اور باپ جنگِ نہروان میں مارا گیا تھا۔ وہ حضرت علیؑ سے انتقام لینا چاہتی تھی۔ ابن ملجم کی اس خواہش سے اس کے دل میں انتقام کی چنگاری بھڑک اُٹھی۔ اُس نے نکاح پر رضامندی کا اظہار کردیا مگر تین ہزار درہم' ایک غلام' ایک کنیز اور علی ابن ابی طالبؑ کے قتل کی بطور حق مہر طالب ہوئی۔

شقی ابن ملجم پہلے ہی حضرتؑ کے قتل کا ارادہ کر کے آیا تھا۔ پھر بھی اُس نے استعجابیہ لہجے میں کہا: علیؑ کو قتل کرنا کوئی آسان کام ہے! قطام نے اچانک حملہ کا مشورہ دیا۔ جب ابن ملجم نے دیکھا کہ قطام اُس کی پوری طرح ہم خیال ہے تو اس نے اپنا راز اُگل دیا اور کہا کہ میں تو یہاں آیا ہی اسی ارادے سے ہوں۔ قطام نے اس کی ہمت بڑھائی اور اپنے قبیلے کے قابلِ اعتماد لوگوں کے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ چنانچہ اس نے وردان بن حجالا کو اس کی مدد پر آمادہ کیا۔ ابن ملجم نے شبیب بن بجیرہ اشجعی کو اپنا معاون بنایا اور اشعث بن قیس کو ہمراز' اور پھر حملہ کے دن کا انتظار کرنے لگا۔

روایات میں ہے کہ امیرالمومنینؑ اس ماہِ رمضان میں اپنی اولاد (اور عبداللہ بن جعفر) کے یہاں باری باری روزہ افطار فرماتے تھے۔ غذا بہت کم کھاتے تھے جب پوچھا جاتا تو آپؑ فرماتے کہ میں چاہتا ہوں کہ جب دنیا سے اُٹھوں تو خالی پیٹ اُٹھوں۔
(تاریخ کامل' ج ۳' ص ۲۹۵)

انیسویں رمضان کی شب امیرالمومنینؑ اپنی دختر اُم کلثوم کے یہاں تشریف فرما

تھے۔ انہوں نے جو کی دو روٹیاں' ایک پیالہ دودھ اور نمک آپ کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ آپؑ نے کھانے کو دیکھا تو فرمایا: میں نے یہ کبھی گوارا نہیں کیا کہ دسترخوان پر بیک وقت دو چیزیں ہوں۔ چنانچہ دودھ کا پیالہ ہٹا دیا اور نمک کے ساتھ چند لقمے تناول فرمالیے۔

کھانے سے فارغ ہوکر حسبِ معمول عبادت میں مشغول ہوگئے مگر بار بار صحن میں آتے' آسمان کی طرف نظر کرتے اور فرماتے: خدا کی قسم یہی وہ رات ہے جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے۔(صواعق محرقہ' ص۱۴۳)

آپ کرب و اضطراب کی حالت میں سورۂ یٰسین اور انا للہ وانا الیہ راجعون کی تلاوت فرماتے تھے۔

مختصراً حضرت اُم کلثوم نے آپؑ کی اس کیفیت کو دیکھ کر گھر ہی میں نماز ادا کرنے کی گزارش کی لیکن آپؑ نے فرمایا کہ قضائے الٰہی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ مؤذن نے حاضر ہوکر نماز کے لیے عرض کیا۔ آپؑ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جب صحنِ خانہ میں آئے تو بطخوں نے چیخنے چلاتے ہوئے اپنی منقاروں سے آپ کا دامن تھام لیا۔ جب امام حسنؑ نے انہیں ہٹانا چاہا تو آپؑ نے فرمایا کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو ممکن ہے کہ کچھ دیر بعد شیون و ماتم کی آوازیں بلند ہوں...... جب آپؑ دروازے میں پہنچے تو پٹکا کمر میں کس کر باندھا اور حسبِ ذیل مفہوم کے دوشعر پڑھے:

"موت کے لیے کمر کس لو اس لیے کہ موت آنے والی ہے۔ جب
موت تمہارے سامنے ہو تو بے تابی کا مظاہرہ نہ کرو"۔

اس کے بعد مسجد تشریف لے گئے۔ چند رکعت نماز پڑھی' تعقیبات سے فارغ ہوئے تو گلدستۂ اذان پر کھڑے ہوکر اذان دی۔ یہ علیؑ کی آخری اذان ثابت ہوئی۔ خون رنگ سحر نمودار ہوگئی۔ آپؑ نے مسجد میں سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کیا جن میں ابن ملجم

بھی اوندھا پڑا سو رہا تھا۔ آپ محرابِ مسجد میں کھڑے ہوئے اور جب نافلۂ فجر سے سر اُٹھایا تو شبیب بن بجیرہ نے آپؑ پر تلوار سے حملہ کیا مگر تلوار ستونِ مسجد سے ٹکرا گئی پھر ابن ملجم نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار آپؑ کے سر پر ماری جس سے آپؑ کا سرِ مبارک شگافتہ ہوگیا۔

آپؑ نے فرمایا: فُزتُ بِرَبِّ الکَعبَہ، "ربِ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا"۔

قیامت کا منظر تھا۔ آسمان کانپ اٹھا' زمین لرز کر رہ گئی' مسجد کے دروازے آپس میں ٹکرائے۔ منادیٔ غیب نے ندا دی کہ آج رُکنِ ہدایت منہدم ہوگیا۔ علی مرتضیٰ وصیِ رسولؐ خدا شہید کردیے گئے۔ شہر کوفہ لرزہ براندام ہوگیا اور لوگ جوق در جوق گھروں سے نکل پڑے۔ حسنینؑ پریشان حال مسجد کی طرف دوڑے۔ سبطینِ رسولؐ نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ محرابِ مسجد خون سے تر ہے اور امیرالمومنین خاک و خون میں غلطاں فرشِ مسجد سے مٹی اُٹھا اُٹھا کر سر کے زخم پر ڈال رہے ہیں۔ آپؑ کو محرابِ عبادت سے صحن میں لایا گیا۔ امام حسنؑ نے قاتل کے بارے میں پوچھا تو فرمایا مجھے ابن ملجم نے قتل (گھائل) کیا ہے۔

اتنے میں باب کندہ کی طرف سے ایک شور بلند ہوا۔ ابن ملجم کو گرفتار کرکے لایا گیا۔ مجمع غضب و غصہ سے بے قابو تھا اور ہر شخص اس ملعون پر لعنت ملامت کر رہا تھا۔ شہزادہ حسنؑ نے اس شقی کو اپنے سامنے پایا تو فرمایا:

بدبخت تو نے امیرالمومنینؑ کو گھائل کردیا؟ کیا اُن احسانات کا بدلہ ہے جو اُنہوں نے تم پر ہمیشہ کیے؟ لعنتی سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔

امیرالمومنینؑ نے غشی کی حالت سے آنکھیں کھول کر دیکھا اور فرمایا: اے ابن ملجم! کیا میں تیرا اچھا امام نہ تھا؟ کیا میرے احسانات بھلا دیئے جانے کے قابل تھے؟

اس پر ابن ملجم نے کہا: "میں اپنے لیے دوزخ کا سامان کرچکا ہوں پھر بھی مجھے کوئی پشیمانی نہیں ہے"۔ اس کے بعد وصیٔ رسولؐ نے حسنِ مجتبیٰ کی طرف رخ کیا اور فرمایا:

”اے فرزند! اگر میں زندہ بچ گیا تو اُسے سزا دینے یا معاف کرنے کا اختیار مجھے ہوگا اور اگر اس ضربت کے نتیجے میں وفات پا گیا تو تم اس سے قصاص لینا اور ایک ضربت کے بدلے صرف ایک ضربت ہی لگانا اور جب قتل ہوجائے تو اس کے ہاتھ پاؤں مت کاٹنا“۔

امیرالمومنینؑ کو ہاتھوں پر اٹھا کر گھر لایا گیا جہاں ایک کہرام برپا تھا۔ حسن مجتبیٰؑ نے دودھ کا ایک پیالہ آپؑ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؑ نے اس میں سے کچھ پیا اور فرمایا: ”ابن ملجم کو بھی دودھ کا شربت دو“۔

اس وقت تک شہر کے سبھی طبیب جمع ہوگئے تھے۔ ان میں ماہر جراح اثیر بن عمرو سکونی تھا اس نے زخم کا جائزہ لینے کے بعد کہا: ”اب ضربت سے جانبر ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ زہر آلود تلوار سے مغزِ سر بھی متاثر ہو چکا ہے اور جسم میں بھی زہر سرایت کرگیا ہے“۔

انیسویں اور بیسویں ماہِ رمضان کی رات انتہائی کرب و اضطراب کی حالت میں گزری اور جب بیسویں کی رات کا دو تہائی حصہ گزر گیا تو آپؑ کی حالت بہت دگرگوں ہوگئی۔ پیشانی پر موت کا پسینہ آ گیا۔ آپؑ نے کلمۂ شہادت وردِ زبان کیا اور روح اطہر عالمِ قدس کی طرف پرواز کرگئی۔

حسنین شریفینؑ نے غسل دیا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچے ہوئے کافور سے حنوط کیا گیا۔ سفید کپڑوں کا کفن پہنایا گیا اور آپؑ کی وصیت کے مطابق آپ کا جنازہ تدفین کے لیے کوفہ کی غربی سمت حیرہ کی طرف لے کر چل پڑے۔ جب سرزمین نجف پر پہنچے تو جنازہ زمین پر رکھ دیا گیا۔ امام حسنؑ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ سفید پہاڑیوں کے درمیان ایک جگہ سے مٹی ہٹائی گئی تو کھدی ہوئی قبر ملی۔ حسنین علیہم السلام، محمد حنفیہ اور عبداللہ بن جعفر قبر میں اُترے اور اس مقدس امانت کو سپردِ خاک کیا۔ پھر قبر کی سطح برابر

کردی گئی۔ اس آفتابِ علم و عمل کو گہن لگنے اور دنیا کے تیرہ و تاریک ہونے کے وقت عمر مبارک ۶۳ سال تھی۔

❁ ❁ ❁

نوٹ: نہروان اور شہادت کے بیان میں اخبارالطوال کے ساتھ ساتھ متعدد دیگر کتبِ تاریخ سے بھی استفادہ کیا گیا۔

صفین میں شجاعتِ عباس ابن علیؑ

دختر برقِ رنج ومحن بن کے تن ہر بدن میں اجل کی اگن گھول دے
لشکروں کا جگر چیر مستی میں آ، زلزلوں کی طرح گھن گھمن گھول دے
دشمنوں کے لہو کی ہر اِک موج میں اپنے ماتھے کی ہر اک شکن گھول دے
اپنے اعداء کے سر آسماں پر اُڑا، آبِ دجلہ میں اُن کا کفن گھول دے

دیکھ بزمِ شجاعت کا ہر تاجور تیرے نزدیک ہے اور یہ عباسؑ ہے
یوں لڑیں دشمنوں کو گماں تک نہ ہو یہ علیؑ لڑ رہا ہے کہ عباسؑ ہے

میمنہ میں اُتر ، میسرہ سے اُبھر قلبِ لشکر پہ بجلی گرا جھوم کر
دشمنانِ علیؑ کے پرخچے اُڑا، اُن کی لاشوں کو دوزخ کا مقسوم کر
بن کے زہرہ جل آج میداں میں چل میرے بابا کے نقشِ قدم چوم کر
اب نقابیں اُلٹ کر پلٹ دے صفیں ہر منافق کا شجرہ بھی معلوم کر

دیکھ سُستی نہ کر موت کی ہم سفر ہر طرف سے دعاؤں کی برسات ہے
تیری ہر ضرب پر آج خیبر شکن داد دینے کو آئے تو پھر بات ہے

سب زمینیں، شجر، بستیاں، ریگزار رقص کرتی ہوائیں سمندر ترے
آج سورج کی کرنوں کے سب قافلے اپنی اپنی قطاروں کے اندر ترے
تخت وتاج وعلم ،مہر ولوح وقلم ،غوث و ابدال وقطب وقلندر ترے
موت تیری کنیزوں کی جاروب کش آج محتاج ہیں سب سکندرے ترے

چھین لے دشمنوں کی یہ بینائیاں روزِ روشن میں نازل سیاہ رات کر
تیرے دشمن جہنم کا ایندھن بنیں، ان پہ چنگاریوں کی وہ برسات کر

سُن کسی کی نہ سُن ایک ہی دُھن کو بُن اور چُن چُن کے مغرور سر کاٹ دے
سنسناتی ہوئی سب سروں سے گزری وار سپہ پہ کر اور جگر کاٹ دے
نوک سے روک لے وقت کی گردشیں، دستِ شام وجودِ سحر کاٹ دے
آج جبرئیل بھی پَر بچھائے اگر تو رعایت نہ کر اس کے پَر کاٹ دے

کبریا کا غضب بن کے اتراہوں میں میرے چہرے پہ جذبات کا رنگ ہے
میرے قبضے میں نبضیں ہیں تقدیر کی میری تاریخ کی اولیں جنگ ہے

❁ ❁ ❁

علامہ مفتی جعفر حسین نے "سیرت امیرالمومنینؑ"، علامہ سید علی نقی نے "تاریخ اسلام" اور علامہ فروغ کاظمی نے "تفسیرِ اسلام" میں حضرت عباس کی جنگِ صفین میں شرکت کا ذکر نہیں کیا ہے البتہ حسنینؑ شریفینؑ محمد حنفیہ اور عبیداللہ بن جعفر کی شرکت کا ذکر موجود ہے۔

باب پنجم

شانِ ضربِ علیؑ

(تحقیقِ مزید، روایت ودرایت)

مشمولات

(ا)

- پیغمبر اکرمؐ کا حضرت علیؑ سے جنگ کے میدانوں میں خطاب
- علیؑ بسترِ نبیؐ پر
- علیؑ راکب دوشِ رسولؐ
- علیؑ کی ہجرت سے پہلے بت شکنی
- علیؑ قاتلِ لات وعزیٰ
- علیؑ جنگِ بدر میں
- علیؑ جنگِ اُحد میں
- علیؑ محافظِ رسولؐ
- علیؑ دربانِ رسولؐ
- علیؑ مفتخر الملائکہ
- علیؑ کی ایک ضربت پوری امت کے اعمال سے برتر ہے
- علیؑ فاتح فدک وخیبر
- علیؑ سردارِ عرب
- علیؑ زر بخشِ عالم
- علیؑ صلح حدیبیہ میں
- علیؑ فتح مکہ میں

(۲)

(۳)

- جنابِ امیرؑ نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑ دیا
- حارث دعنتر کے بعد مرحب سے مقابلہ
- ضربِ حیدری کی گونج
- حضرت علیؑ کی حیرت انگیز طاقت کے مظاہرے اور فتحِ خیبر
- علیؑ فتحِ فدک کے علم بردار

(۴)

- بیعت امیرالمومنینؑ، تخریب کاریاں، سازشیں اور فتنے تحقیقی و وضاحتی نکات
- جنگِ صفین
- لیلۃ الہریر
- جنگِ صفین کے دو ہیرو: ○ عمار یاسر ○ اویس قرنی
- فرات کی گواہی "علیؑ مومنوں کے امیر ہیں"
- نہروان
- خوارج کی کج فکری کے علاج کی کوشش
- تحکیم کو مان کر کفر کیا؟!
- خوارج کی مزید گمراہی
- شہادت؟

پیغمبر اکرمؐ کا حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کے میدانوں میں خطاب

علیؑ بسترِ نبیؐ پر

ابو رافع سے منقول ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علیؑ! خدا نے مجھ سے فرمایا ہے کہ ہجرت کروں اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ میرے بستر پر سو جاؤ۔ اگر قریش تمہیں دیکھیں گے تو وہ میرے نکل جانے سے آگاہ نہ ہوں گے۔

علیؑ راکبِ دوشِ رسولؐ

مستدرك الصحيحين میں ابومریم حضرت علی علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

"جس رات رسولؐ پاک نے فرمایا کہ میرے بستر پر سو جاؤ اور خود مکہ سے ہجرت فرما گئے" آپ مجھے بتانِ کعبہ کے قریب لے گئے اور فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ پھر رسولؐ اکرم میرے کاندھوں پر سوار ہوئے اور فرمایا: کھڑے ہو جاؤ۔ میں کھڑا ہو گیا۔ جب دیکھا کہ میں اُن کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا تو فرمایا: بیٹھ جاؤ میں بیٹھ گیا۔ پیغمبرؐ میرے کاندھوں سے اُترے اور میرے لیے بیٹھے اور فرمایا: اے علیؑ! تم میرے کاندھوں پر سوار ہو جاؤ۔ میں آپؐ کے کاندھوں پر سوار ہو گیا۔ رسولؐ خدا نے مجھے (اتنا) بلند کیا کہ اس وقت میں نے سوچا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کو ہاتھ لگا سکتا ہوں۔ پس میں کعبہ کی چھت

تک گیا۔ رسولِ خدا ایک طرف تشریف فرما ہوگئے۔ میں نے بڑے بڑے بتوں کو' جو تانبے کے بنے ہوئے تھے اور جن کی آہنی میخیں چھت کی پشت پر نصب تھیں' نیچے گرایا۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: تلاش کرو۔ میں تلاش کرتا رہا۔ پھر فرمایا: ہاں ہاں۔ پھر اس پر میرا ہاتھ پہنچا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: اس کو توڑ دو۔ میں نے توڑ دیا اور نیچے اتر آیا''۔

صاحب مستدرک فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

ہجرت سے پہلے علیؑ کی بت شکنی

روضہ اور فضائل کی کتب میں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

''ایک رات رسولِ خدا نے مجھے بلایا۔ اس وقت آنحضرتؐ، حضرت خدیجہؑ کے گھر میں تھے۔ جب میں آنحضرتؐ کے پاس گیا تو آپؐ نے فرمایا: اے علیؑ! میرے پیچھے آؤ۔ پس ہم چل پڑے اور ایک کے بعد دوسرے دروازے سے نکلتے ہوئے کعبہ تک پہنچ گئے۔ میں آنحضرتؐ کے پیچھے پیچھے تھا۔ اسوقت سب لوگ سوئے ہوئے تھے۔ رسولِ خدا نے مجھ سے فرمایا: اے علیؑ! میرے کاندھوں پر سوار ہو جاؤ۔ پس پیغمبرؐ جھکے اور میں حضرتؐ کے دوش پر سوار ہوا اور بتوں کو سرنگوں کر دیا۔ پھر ہم کعبہ سے باہر نکلے اور حضرت خدیجہؑ کے گھر پہنچے۔ پیغمبرؐ نے مجھ سے فرمایا: سب سے پہلے جس شخص نے بتوں کو توڑا وہ تمہارے جدِ امجد حضرت ابراہیمؑ تھے اور اے علیؑ! تم وہ آخری شخص ہو جس نے بتوں کو توڑا ہے''۔

دوسرے دن صبح کو مکہ کے لوگوں نے دیکھا کہ ان کے تمام بت سرنگوں ہیں تو انہوں نے کہا: یہ کام سوائے محمدؐ اور ان کے چچازاد کے کوئی نہیں کرسکتا۔ پھر اس کے بعد کعبہ میں کبھی بت نصب نہ ہوئے۔

علیؑ قاتلِ لات وعزیٰ

مِن جملہ گروہ علماء علامہ ابن حسنویہ موصلی اپنی کتاب بحرالمناقب میں یہ ذکر کرتے

ہیں کہ امیرالمومنینؑ نے فرمایا: تاریک اور اندھیری راتوں میں سے ایک رات رسولِ خدا نے مجھے بلوایا اور فرمایا: اپنی تلوار اٹھاؤ اور ابوقبیس پہاڑ پر پہنچو جس کو بھی اس پہاڑ پر دیکھو قتل کر دو۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ''میں چل پڑا' جب پہاڑ کے اُوپر پہنچا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا چہرہ سیاہ' بدشکل اور جس کی آنکھیں آگ کے دو ٹکڑوں کے مانند تھیں۔ اس کے دیکھنے سے مجھے تعجب ہوا۔ اس نے مجھ سے کہا: اے علیؑ! میرے نزدیک آؤ پس اس کے نزدیک گیا اور اپنی تلوار سے اُسے دو ٹکڑے کر دیا۔ اس وقت مکہ کے تمام گھروں سے رونے کی آوازیں سنائی دیں۔ میں واپس رسولِ پاک کے پاس پہنچا اور سارا ماجرا بیان کیا۔

آپؐ نے فرمایا: اے علیؑ! جانتے ہو تم نے کس کو قتل کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: خدا اور رسولؐ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: آپؐ نے لات وعزیٰ کو قتل کیا ہے' خدا کی قسم! آج کے بعد ان کی پرستش نہ ہوگی۔

علیؑ جنگِ بدر میں

ابوالبختری امام جعفر صادق علیہ السلام سے اور وہ اپنے آباء کے توسط سے مولا امیرالمومنینؑ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: جنگِ بدر سے پہلے ایک رات میں نے حضرت خضرؑ کو خواب میں دیکھا اور ان سے کہا: مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس سے دشمنوں پر فتح نصیب ہو''۔

انہوں نے فرمایا: کہہ دو یاھو یامن لاھو الا ھو۔ جب صبح ہوئی تو میں نے رسول اکرمؐ کو خواب سنایا۔ آپؐ نے فرمایا: اے علیؑ! آپ کو اسمِ اعظم بتایا گیا ہے۔ اس لیے جنگِ بدر میں میری زبان پر یہی ذکر جاری تھا۔

علیؑ جنگِ اُحد میں

شیخ عزالدین عبدالحمید بن ابی معتزلی بغدادی محدثین کا یہ قول نقل کرتے ہیں:
جب جنگِ اُحد میں رسولِؐ پاک زخمی ہوئے تو لوگوں نے کہا: "محمدؐ قتل ہو گئے ہیں"۔ اسی دوران میں پیغمبرؐ کے قتل کے ارادے سے آئے کچھ مشرکین نے آپ کو دیکھ لیا کہ آپ مقتولین میں گرے ہوئے ہیں' لیکن زندہ ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: "اس گروہ کو مجھ سے روک دو"۔ علیؑ نے حملہ کر کے ان کے سردار کو قتل کیا۔ پھر دوسرے گروہ نے حضرتؐ کے قتل کا قصد کیا۔ پیغمبرؐ نے آواز دی: "اے علیؑ! اس کو مجھ سے روکو"۔
علیؑ نے حملہ کیا اور ان کو تتر بتر کر دیا۔ ان کا سردار قتل ہوا۔ پس تیسرے گروہ نے حملہ کیا تو علیؑ نے دفاع کیا۔ اس کے بعد رسولِؐ پاک فرماتے تھے: جبرئیلؑ نے مجھ سے کہا ہے: "اے محمدؐ! علیؑ کا آپ کا دفاع کرنا' برابری و مواسات کے سبب ہے"۔ میں نے کہا: "وہ بھلا میرا کیسے دفاع نہ کرتے کہ وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں"۔ جبرئیلؑ نے کہا: "میں بھی آپؐ سے ہوں"۔

علیؑ محافظِ رسولؐ

حسن سے منقول ہے کہ میں نے عبداللہ ابن عباس سے سنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: اذ تصعدون ولا تلوون علی أحد والرسول یدعوکم کے متعلق فرماتے تھے کہ جنگِ اُحد میں لوگ رسولِؐ پاک کے اطراف سے دُور چلے گئے سوائے علی بن ابی طالبؑ اور چند انصار کے۔ تب پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:
"اے علیؑ! دیکھ رہے ہو لوگوں نے کیا کیا؟"

دربانِ رسولؐ

عبداللہ بن عباس کہتے ہیں: ایک دن رسولِؐ خدا نے علیؑ کو بلایا اور فرمایا: اے علیؑ!

دروازے پر کھڑے ہو جاؤ اور کسی کو اندر نہ آنے دو کیونکہ اللہ کے بعض فرشتوں نے خدا سے اجازت لی ہے کہ رات بھر میرے ساتھ گفتگو کریں۔

علیؑ مفتخر الملائکہ

علامہ دیلمی اپنی کتاب "الفردوس" میں اپنی سند مرفوعہ کے ساتھ جابر بن عبداللہ انصاری سے نقل کرتے ہیں کہ رسولِؐ خدا نے فرمایا:
"خدا ہر روز علی بن ابی طالبؑ کے ذریعے اپنے فرشتوں پر افتخار کرتا ہے حتیٰ کہ فرماتا ہے: اے علیؑ! واہ واہ تجھے مبارک ہو"۔

علیؑ کی ایک ضربت پوری اُمت کے اعمال سے برتر ہے

حذیفہ کہتا ہے پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "اے علیؑ! آپ کو مبارک ہو اگر آج آپ کے اس کام کو اُمت محمدؐ کے کاموں کے مقابل وزن کیا جائے تو آپ کا یہ کام اُمت کے اعمال پر برتری رکھتا ہے کیونکہ مشرکین کا ہر گھر عمرو کے قتل ہونے سے سست پڑ گیا اور مسلمانوں کے ہر گھر کو عمرو کے قتل ہونے سے عزت ملی"۔

علیؑ فاتح فدک وخیبر

مسند احمد بن حنبل میں ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ رسولِؐ خدا نے پرچم ہاتھ میں لے کر حرکت دی اور فرمایا: "کون اس کو لینے کا حق رکھتا ہے"۔
فلاں آیا اور کہا: مجھے دیں۔ رسولِؐ خدا نے اس سے فرمایا: "دُور ہو جاؤ"۔
دوسرا آیا رسولِؐ خدا نے اُسے بھی فرمایا: "دُور ہو جاؤ"۔
اس وقت رسولِؐ خدا نے فرمایا: "خدا کی قسم! جس نے (مجھ) محمدؐ کو عزت دی ہے میں یہ (علَم) اس کو دوں گا جو کبھی فرار نہ کرے گا۔ اے علیؑ! علَم لو!

علیؑ نے علم لیا اور گئے اور خدا نے خیبر وفدک کو علیؑ کے ہاتھوں فتح کرایا۔ علیؑ ان دونوں جگہوں کا دودھ اور گوشت اپنے ساتھ لائے۔

علیؑ سردارِ عرب

عبداللہ بن عثمان بصری نے میتب بن عبدالرحمٰن سے جو جنگِ قادسیہ میں موجود تھا نقل کیا ہے کہ میں حذیفہ کے قریب گیا۔ وہ مجھے رسولؐ پاک کے زمانے کے حالات بتا رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ جب جنگِ خیبر میں حضرت علیؑ حملہ کے لیے تیار ہوئے تو پیغمبرؐ نے فرمایا:

''اے علیؑ! میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں' قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے' تمہارے ساتھ کوئی ہے جو تمہاری امداد سے ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ یہ جبرئیلؑ ہے کہ تمہاری دائیں جانب ہے۔ اس کے ہاتھ میں تلوار ہے اگر وہ پہاڑوں پر مارے تو وہ تمام ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ تمہیں خوشنودئ خدا اور جنت کی مبارک ہو۔ اے علیؑ! تم عربوں کے سردار ہو اور میں فرزندانِ آدم کا سردار ہوں...... تا آخر۔

علیؑ زربخشِ عالم

حذیفہ یمانی سے نقل ہے کہ جعفر بن ابی طالبؑ حبشہ کی سرزمین سے واپس آئے تو پیغمبر اکرمؐ کے پاس پہنچے۔ حضورؐ اس وقت خیبر میں تھے۔ جعفر غالیہ اور ایک قطیفہ (زربفت) اپنے ساتھ لائے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''میں یہ قطیفہ اس کو دوں گا جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسول اس کو دوست رکھتے ہیں''۔

اس وقت صحابہ کرام نے قطیفہ کی طرف گردنیں اٹھائیں جبکہ پیغمبرؐ نے فرمایا: ''علیؑ کہاں ہیں؟'' عمارؓ اٹھے اور علیؑ کو آواز دی۔ جب علیؑ رسولؐ پاک کے پاس آئے تو آپؐ نے فرمایا: اے علیؑ! یہ قطیفہ آپ کا ہے۔ علیؑ نے اٹھا لیا۔ آپ انتظار میں تھے کہ مدینہ

جائیں۔ جب آپ مدینہ پہنچے تو بقیع آئے جہاں اس وقت مدینے کا بازار تھا۔ ایک زرگر کو فرمایا کہ اس قطیفہ کا تار تار علیحدہ کر دے۔ آپ نے ان زریں تاروں کو ہزار مثقال کے عوض بیچا اور یہ رقم مہاجرین و انصار میں تقسیم کر دی۔ جب گھر پہنچے تو سونے نام کی کوئی چیز آپؑ کے پاس نہ تھی۔ دوسرے دن پیغمبر اکرمؐ اور صحابہ کرام' جن میں حذیفہ اور عمار بھی تھے' نے پیغمبرؐ کو حضرت علیؑ سے کہتے سنا: اے علیؑ! آپؑ نے کل ہزار مثقال سونا لیا ہے آج میری اور میرے ان ساتھیوں کی یہاں دعوت کرو۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب علیؑ کے پاس نہ سونا تھا نہ چاندی تھی' یعنی وہ راہِ خدا میں تقسیم کر چکے تھے...... تا آخر۔

علیؑ صلح حدیبیہ میں

مسند احمد بن حنبل میں عبداللہ بن عباس سے نقل ہے کہ جب میں حروریہ کے پاس آیا تو انہوں نے کفارہ کیا۔ میں نے کہا: رسولؐ خدا نے حدیبیہ میں مشرکوں سے صلح کر لی ہے اور علیؑ سے فرمایا ہے: اے علیؑ! لکھو یہ صلح ہے محمد رسولؐ کی طرف سے۔ مشرکین نے کہا: اگر ہم پہلے مانتے کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں تو جنگ نہ کرتے۔ رسولؐ خدا نے علی سے فرمایا: اے علیؑ! رسولؐ خدا کے کلمے کو مٹا دو۔ خدا تو جانتا ہے کہ میں تمہارا رسول ہوں۔ اے علیؑ! مٹا دو اور یہ لکھو' یہ عہد صلح ہے محمد بن عبداللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ خدا کی قسم! رسولؐ خدا علیؑ سے بہتر تھے اور اپنے نام کو مٹوا دیا لیکن نام کو مٹانا نبوت کے سلب ہونے کا باعث نہ بنا''۔ آیا اب ٹھیک ہے۔ حروریہ نے کہا: ہاں۔

علیؑ فتحِ مکہ میں

ابی مریم مولا علیؑ سے نقل کرتے ہیں کہ جب رسولؐ خدا مسجد الحرام میں وارد ہوئے تو آپؐ نے ۳۶۰ بت دیکھے جو ایک دوسرے سے بندھے ہوئے تھے۔ پس امیر المومنینؑ کو حکم دیا کہ اے علیؑ! مجھے مٹھی بھر سنگریزے دو۔ امیر المومنینؑ نے سنگریزے دیے۔ حضورؐ

سنگریزے بتوں کو مارتے تھے اور یہ پڑھ رہے تھے: جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقًا ''حق آیا اور باطل گیا۔ باطل یقینی طور ختم ہوجانے والی چیز ہے''۔ تمام بت زمین پر گر گئے۔ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ ان بتوں کو مسجد سے باہر پھینک دو اور توڑ دو۔

علیؑ بت شکن

علامہ شیخ جلال الدین سیوطی نے ''انیس الجلیس'' میں نقل کیا ہے کہ جب رسول اکرمؐ نے مکہ کو فتح کیا اور خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو ۳۶۰ بت دیکھے جو دیوار کے اطراف میں بلندی پر نصب تھے۔ آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: لکڑیاں جمع کرو اور آگ روشن کر کے ان بتوں کو جلا دو۔ حضرت علیؑ اُٹھے اور آگ جلائی۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: اے علیؑ! اپنے پاؤں میرے بازوؤں پر رکھو اور بتوں کو دیوار سے اُتار کر آگ میں پھینک دو''۔ علی نے ایسا ہی عمل کیا اور تمام بتوں کو جلا دیا۔

علیؑ فلک رسا

ابوہریرہ سے منقول ہے کہ رسول اکرمؐ نے فتح مکہ کے موقع پر مولا علیؑ سے فرمایا: ''اے علیؑ! کیا ان بتوں کو کعبہ کے پاس نہیں دیکھ رہے؟'' علیؑ نے عرض کیا: ''کیوں نہیں اے پیغمبرؐ خدا!''

پیغمبرؐ خدا نے فرمایا: ''میں آپ کو اٹھاتا ہوں' ان کو نیچے اتارو۔ علیؑ نے فرمایا: ''میں آپ کو اٹھاتا ہوں''۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: ''اگر ربیعی اور مضر دونوں قبیلے کوشش کریں تو میرے جسم کے ایک حصّہ کو بھی بلند نہ کرسکیں گے لیکن اے علیؑ! آپ مجھے اٹھا سکتے ہیں''۔

راوی کہتا ہے رسولؐ پاک نے زمین کی بلندی سے اپنے دونوں ہاتھ علیؑ کی پنڈلیوں پر رکھے اور علیؑ کو بلند کیا' اتنا بلند کیا کہ حضرتؐ کی بغلوں کی سفیدی نظر آرہی تھی۔ حضورؐ نے پھر فرمایا: اے علیؑ! کیا دیکھ رہے ہو؟ علیؑ نے عرض کیا: میں دیکھتا ہوں کہ

خداوند عالم نے مجھے آپؐ کے ذریعے اتنی کرامت بخشی ہے کہ اگر چاہوں تو آسمان کو بھی ہاتھ لگا سکتا ہوں۔ پس پیغمبرؐ نے فرمایا: اے علیؑ! ان بتوں کو اٹھالو۔ علیؑ نے بتوں کو اٹھایا تو زمین پر گر پڑے اور مسکرائے۔ پیغمبرؐ نے پوچھا: اے علیؑ! مسکراتے کیوں ہو؟ فرمایا: میں کعبہ کی بلندی سے گرا ہوں لیکن کوئی صدمہ نہیں ہوا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: آپ کو تکلیف کیسے ہوسکتی تھی کہ محمدؐ نے آپ کو بلند کیا ہوا تھا اور جبرئیلؑ زمین پر لائے ہیں۔

علیؑ سفیر امن

مسمع بن عبدالملک نے جناب ابوعبداللہ سے نقل کیا ہے کہ امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ جب رسول اکرمؐ نے مجھے یمن روانہ کیا تو فرمانے لگے:

اے علیؑ! کسی سے جنگ نہ کرنا جب تک اس کو پہلے اسلام قبول کرنے کی دعوت نہ دے لو۔ خدا کی قسم! اگر خداوند ایک آدمی کو آپؐ کے ہاتھ پر ہدایت دے تو آپؐ کے لیے تمام دنیا کے حصول سے بہتر ہوگا۔

علیؑ قاضی و مبلغ اسلام

کنزالعمال میں ہے کہ یمن سے کچھ لوگ پیغمبر اکرمؐ کے پاس آئے اور کہا کوئی ایسا مبلغ ہمارے ساتھ بھیجئے جو ہمیں دین سکھائے اور ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرے۔ پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: یمن جاؤ اور ان کو دین سکھاؤ' احکام بتلاؤ اور ان کے درمیان کتابِ خدا پر مبنی فیصلے کرو۔ میں نے عرض کیا: حضورؐ! یمن کے لوگ تو اوباش (وحشی) ہیں' ممکن ہے میرے لیے کوئی مسئلہ کھڑا کردیں جس کی مجھے خبر ہی نہ ہو۔ تب پیغمبر علیہ السلام نے میرے سینے پر ہاتھ پھیر کر فرمایا: اب جاؤ کہ خدا تمہارے دل کو ہدایت پر رکھے گا اور زبان کو مضبوط بنا دے گا۔ چنانچہ آپ نے آج تک ایک لحظہ بھی دو

آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں جھجک محسوس نہ کی۔

علیؑ آبِ رسانِ لشکر

امیرالمومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ایک جنگ میں پانی ختم ہوگیا۔ رسولِ پاکؐ نے فرمایا: اے علیؑ! اس صخرہ پر جاؤ اور کہو میں پیغمبرؐ خدا کا فرستادہ تیری طرف آیا ہوں' اپنے آپ سے پانی جاری کر۔ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خالق ہے۔ جب میں نے رسول اکرمؐ کا پیغام اس پتھر کو دیا تو اس پر ایک اُونٹنی کے پستانوں کی شکل ظاہر ہوئی اور ہر اس پستان کی شکل سے پانی جاری ہوگیا۔ میں جلدی سے رسول اکرمؐ کے پاس آیا اور اس کی خبر دی۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا: یاعلیؑ! جاؤ وہ پانی پلاؤ (میرے ہمراہ) دیگر لشکری بھی آئے اور سب نے اپنے اپنے مشکیزوں کو پانی سے پُر کیا۔ اپنے چوپایوں کو بھی پانی پلایا' سب نے اس پانی سے وضو کیا اور پیتے بھی رہے۔

علیؑ اور معجزۂ آب

امیرالمومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک جنگ میں پانی ختم ہوگیا۔ پیغمبرؐ نے مجھ سے فرمایا کہ طشت میرے پاس لاؤ۔ میں لایا۔ پیغمبرؐ نے میرے ہاتھ کے ساتھ اپنا دایاں ہاتھ طشت میں رکھا اور فرمایا: جاری ہوجا۔ پس پانی ہماری انگلیوں کے درمیان سے جاری ہوگیا۔ (ان تمام روایات کا ماخذ ومنبع کتاب مدینۃ المعاجز ہے)

OOO

جنگِ بدر میں فرشتوں کا علیؑ کا ہم شکل ہوکر کفار سے جہاد

جنگِ بدر میں ابوالیسر نے چاہا کہ عباس کو گرفتار کرے لیکن نہ کرسکا تو ایک فرشتہ نے اس کی مدد کی اور عباسؓ اسیر ہوئے۔ شیخ مفیدؒ زہری سے روایت کرتے ہیں کہ جب جنابِ رسولِؐ خدا نے سنا کہ نوفل بن خویلد بھی جنگ میں آیا ہے تو دعا کی کہ پالنے والے! نوفل سے پناہ میں رکھ۔ جب قریش بھاگ گئے تو جنابِ امیرؑ نے اُس کو دیکھا کہ میدان میں حیران وسرگرداں ہے اور نہیں سمجھتا کہ کیا کرے۔ حضرتؑ نے اُس کو ایک ضربت لگائی جس سے اُس کا خود گر پڑا۔ پھر آپؑ نے تلوار ماری اور اُس کے پاؤں کو قطع کردیا۔ وہ زمین پر گرا اور آپؑ نے اس کا سر کلٹ لیا اور حضورؐ کی خدمت میں لائے۔ آپؐ اس وقت فرمارہے تھے کہ نوفل کی بھی کسی کو خبر ہے۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا: میں نے اُس کو قتل کردیا ہے۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا: اللہ اکبر! میں اُس خدا کی حمد کرتا ہوں جس نے میری دعا قبول فرمائی۔ ابن شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ جب ابوبصیر انصاری نے حضرت عباسؓ کو اسیر کیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں لائے تو عباس نے کہا: اس نے مجھے اسیر نہیں کیا ہے بلکہ مجھے میرے بھتیجے علیؑ نے اسیر کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا: میرے چچا سچ کہتے ہیں وہ ایک عظیم فرشتہ تھا جو علیؑ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا اور خدا نے جس قدر فرشتے میری مدد کے لیے بھیجے تھے سب علیؑ کی شکل وصورت میں بھیجے تھے تاکہ ان کی ہیبت دشمنوں کے دلوں میں زیادہ ہو۔

بسندِ دیگر ابوبصیر سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ عباس اور عقیل کو ایک شخص جو ابلق گھوڑے پر سوار تھا کھینچتا ہوا علی ابن ابی طالبؑ کے پاس لایا اور اُن کے سپرد کر دیا اور کہا: اپنے چچا اور بھائی کو لیجیے کیونکہ آپ ان کے زیادہ مستحق ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ وہ جبرئیلؑ تھے۔

روزِ بدر ہر زخمی مشرک مرتے ہوئے کہتا تھا مجھے علیؑ نے مارا ہے

حدیث معتبر میں حضرت صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ روزِ بدر جس زخمی مشرک سے پوچھا جاتا کہ تجھے کس نے مارا ہے تو وہ کہتا تھا: علی ابن ابی طالبؑ نے اور یہ کہتے ہی مر جاتا۔

روزِ بدر فرشتوں کا حضرت علیؑ کو سلام کرنا

خاصہ و عامہ کی اکثر معتبر کتب میں امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ اور ابن عباسؓ وغیرہم سے روایت ہے کہ جنگِ بدر کی رات آنحضرتؐ کے لشکر میں پانی کم ہو گیا۔ حضرتؐ نے فرمایا: کون ہے جو مشک لے جا کر پانی بھر لائے۔ کوئی تیار نہ ہوا کیونکہ رات بہت اندھیری تھی اور ہوا بہت سرد اور تیز چل رہی تھی۔ حضرت علیؑ نے ایک مشک اٹھائی اور چاہِ بدر پر پہنچے چونکہ ڈول موجود نہیں تھا لہٰذا خود کنویں میں اُترے مشک بھری اور واپس روانہ ہوئے۔ دورانِ راہ میں سامنے سے بہت سخت ہوا چلی جس سے راستہ چلنا دشوار ہو گیا۔ آپؑ بیٹھ گئے حتیٰ کہ ہوا گزر گئی۔ پھر اُٹھ کر چلے تو دوبارہ اُسی شدت کی ہوا چلی۔ آپؑ پھر بیٹھ گئے اور وہ بھی گزر گئی۔ تین مرتبہ اسی طرح ہوا۔ بروایتِ دیگر ہر مرتبہ مشک سے پانی بہہ جاتا تھا اور آپؑ پھر اُسے بھر کر لاتے تھے۔ جب آپؑ رسولؐ اللہ کی خدمت میں پہنچے تو حضورؐ نے پوچھا: یا علیؑ! اس قدر دیر کیوں کر ہوئی؟ آپؑ نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! تین مرتبہ نہایت سخت ہوا چلی جس کے ہول سے میں لرزہ براندام ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا:

جانتے ہو کہ یہ کیا تھا؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: پہلی بار جبرئیلؑ ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے اور تمہیں سلام کرتے ہوئے گزر گئے۔ دوسری مرتبہ میکائیل ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے اور ہر ایک نے تمہیں سلام کیا اور تیسری مرتبہ اسرافیلؑ ہزاروں فرشتوں کو ہمراہ لیے ہوئے تھے۔ اُن سب نے تمہیں سلام کیا اور وہ سب ہماری مدد کو آئے ہیں۔

اخبارِ معتبرہ میں ہے امام محمد باقر اور امام موسیٰ کاظم علیہما السلام سے روایت ہے کہ روزِ بدر فرشتے سفید عمامے باندھے ہوئے تھے۔ ان کے عمامے نشان والے تھے جن کا ایک گوشہ آگے اور ایک گوشہ پیچھے لٹک رہا تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے سر پر عمامہ باندھا اور دو گوشے ایک آگے اور ایک پیچھے لٹکا دیئے۔ جبرئیلؑ نے بھی ایسا ہی کیا اور رسولؐ خدا نے امیرالمومنینؑ کے سر پر بھی اسی طرح عمامہ باندھا اور فرمایا: خدا کی قسم! فرشتوں کے تاج ایسے ہی ہوتے ہیں۔

جنگِ بدر میں مدد کرنے والے فرشتوں کی تعداد نیز مقتولین میں نصف کو قتل کرنے والے علیؑ تھے

حدیث معتبر میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ بدر کے روز آنحضرتؐ کی مدد کرنے والے فرشتوں کی تعداد پانچ ہزار تھی۔ وہ زمین پر ہیں اور جب تک صاحب الامر کی مدد نہ کرلیں آسمان پر نہ جائیں گے ــــ جاننا چاہیے کہ جنگِ بدر میں حیدر کرار کی نصرت آثار تلوار سے کشتہ ہونے والوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ مخالفین کا کہنا ہے کہ کفار کے مقتولین پچاس تھے۔ ان میں سے بائیس حضرت علیؑ نے قتل کیے اور اکثر کا کہنا ہے کہ [illegible] قتل کیے۔ اور محمد ابن اسحاق نے مخالفین سے روایت کی ہے کہ حضرتؑ نے تمام صحابہ سے زیادہ (اکیلے نے) خود قتل کیے اور معتبر شیعہ روایت و سیر کے مطابق ستر کفار جنگِ بدر میں مارے گئے۔ ان میں سے پینتیس مشرکین تمام صحابہ اور فرشتوں کی تلواروں

سے واصلِ جہنم ہوئے اور بروایت شیخ مفیدؒ نصف سے زیادہ مولائے مومنینؑ کی شمشیرِ آبدار سے درکِ اسفل میں پہنچے۔

جنگِ اُحد میں دشمن کے علم بردار نے کہا: اے بہادروں کو مارنے والے (علیؑ)

جنگِ اُحد میں قریش کا علم بردار بنی عبدالدار کا ایک بہادر طلحہ بن ابی طلحہ تھا۔ اُس نے رسولِ خدا کو پکار کر کہا: اے محمدؐ! تمہیں گمان ہے کہ تم اپنی تلواروں سے ہمیں جہنم میں بھیج دو گے لیکن ہم اپنی تلواروں سے تمہیں بہشت کو روانہ کر دیں گے' لہٰذا تم میں سے جو بہشت میں جانا چاہے' آئے۔ یہ سن کر (بھی) کسی کو اس کے مقابلہ پر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر امیرالمومنینؑ (ہی) اُس کی طرف بڑھے اور رجز پڑھا:

اے طلحہ! اگر تم سب ایسے ہی ہو جیسا کہ بیان کرتے ہو تو تمہارے پاس گھوڑے ہیں اور ہمارے پاس (محض) تلواریں ہیں۔ (پھر بھی) مقابلہ پر آ کر کھڑا ہوتا کہ میں دیکھوں کہ ہم میں سے کون قتل ہوتا ہے اور کون اپنی بات کا دھنی ہے۔ بے شک تیرے مقابلے میں حملہ کرنے والا شیر کاٹنے والی تلوار کے ساتھ آیا ہے جس کی باڑھ کند نہیں ہوتی اور اُس کے مددگار خدا اور رسولؐ ہیں۔

طلحہ نے کہا: اے لڑکے تو کون ہے؟

آپؑ نے فرمایا: میں علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔

اُس نے کہا: اے قصم (یعنی بہادروں کو مارنے والے) میں نے جان لیا کہ تیرے سوا کوئی مجھ سے مقابلہ کی جرأت نہیں رکھتا۔ پھر اُس نے حضرت پر ایک وار کیا۔ جناب امیرؑ نے سپر پر روکا اور ایک ایسی تلوار ماری کہ اُس کی دونوں رانیں کٹ گئیں' وہ پیٹھ کے بل گر پڑا اور علم اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ جب حضرتؑ اُس کا سر کاٹنے کے لیے پہنچے تو اُس نے رحم کی التجا کی' آپؑ واپس چلے آئے۔ مسلمانوں نے پوچھا: اُس کا کام تمام کیوں نہ کر دیا۔ فرمایا: جو ضربت میں نے اسے لگائی ہے اُس سے وہ زندہ نہیں رہ

سکتا۔

جنگِ اُحد کی فتح کا سہرا امیرالمومنینؑ کے سر رہا

عامہ کے اکثر مؤرخین نے اقرار کیا ہے کہ مشرکین کے سربرآوردہ اشخاص اور سب سے زیادہ شجاعوں کو یومِ اُحد امیرالمومنینؑ نے واصلِ جہنم کیا۔ چنانچہ محمد بن اسحاق نے جو عامہ کے معتبر ترین مؤرخوں میں سے ہے' روایت کی ہے کہ علمدارِ قریش طلحہ بن طلحہ اور اُس کے بیٹے ابوسعید' اُس کے بھائی خالد بن طلحہ' عبداللہ حمید' حکم بن اخنس' ولید بن ابی حذیفہ' امیہ بن حذیفہ' ارطاۃ بن شرجیل' ہشام بن امیہ' عمرو بن عبداللہ جمحی' بشرابن مالک' بنی عبدالدار کے غلام صواب کو امیرالمومنینؑ نے قتل کیا اور فتح کا سہرا آپؑ ہی کے سر رہا۔ خداوندِ عالم نے صحابہ پر اُن کے بھاگنے کے سبب عتاب فرمایا اور حضرتؑ امیر کی اہلِ آسمان نے مدح کی۔

حضرت علیؑ کی شجاعت عمر بن خطاب کی زبانی

واثلہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں عمر بن خطاب کے ہمراہ جا رہا تھا۔ ناگاہ وہ مضطرب و بے قرار ہوئے یہاں تک کہ اُن کے دل کی دھڑکن سنائی دینے لگی جیسے کسی پر غشی طاری ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا: آپ کو کیا ہوا؟ وہ بولے شاید تم شیرِ بیشۂ شجاعت' معدنِ کرم و فتوت' باغیوں اور سرکشوں کے قاتل' دو تلواروں سے لڑنے والے (بہادر)' صاحبِ تدبیر علمدار کو نہیں دیکھتے جو اس طرف آ رہا ہے۔ میں نے نگاہ کی تو علی ابن ابی طالبؑ کو دیکھا۔ میں نے کہا: اے عمر! یہ تو علیؑ ہیں؟

انہوں نے کہا: میرے پاس آؤ تو میں تمہارے سامنے ان کی بہادری اور شجاعت کا شمہ بیان کروں۔ جناب رسولؐ خدا نے روزِ اُحد ہم سے بیعت لی کہ جہاد سے نہ بھاگیں گے اور ہم میں سے جو بھاگ جائے' گمراہ ہے اور جو مارا جائے گا شہید ہے۔ اور

پیغمبرؐ اس کے لیے بہشت کے ضامن ہوں گے۔ جب ہم لوگ میدان میں جنگ کے لیے کھڑے ہوئے تو دیکھا کہ قریش کے سو بہادر شجاع ہماری طرف بڑھے جن کے ہمراہ سو سو بہادر سپاہی تھے۔ انہوں نے حملہ کیا اور ہم کو شکست دے دی۔ ہم سب کے سب میدان سے بھاگے۔ اُس وقت ہم نے علیؑ کو دیکھا کہ اس طرح مشرکین پر حملہ کر رہے تھے جس طرح شیرِ ژیاں چیونٹیوں پر حملہ کرتا ہے اور آپ کو ان (دشمنوں) کی کثرت و شجاعت کی مطلق پروانہ تھی۔ جب انہوں نے ہمیں بھاگتے دیکھا تو کہا: تمہارے چہرے قبیح ہو جائیں اور منہ ٹکڑے ٹکڑے اور خاک آلودہ ہوں کہاں بھاگے جاتے ہو، جہنّم کی طرف دوڑ رہے ہو۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ہم واپس نہیں آتے تو ہم پر حملہ کیا۔ ایک لمبی تلوار اُن کے ہاتھ میں تھی جس سے موت ٹپک رہی تھی۔ پھر انہوں نے کہا: تم نے آنحضرتؐ سے نہ بھاگنے کی بیعت کی اور اس کو توڑ ڈالا، لہٰذا تم بہ نسبت مشرکین کے قتل کیے جانے کے زیادہ مستحق ہو۔ جب ہم نے ان کی آنکھوں کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ وہ روغنِ زیت کے دو پیالوں کی مانند، جن میں آگ روشن ہو، چمک رہی تھیں اور خون سے بھرے ہوئے دو قدحوں کی طرح شدتِ غضب سے سرخ تھیں۔ ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ ایک ہی حملہ میں ہم کو ہلاک کر دیں گے۔ آخر بھاگنے والوں میں سے میں اُن کے پاس گیا اور کہا: اے ابوالحسن! میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ ہم کو چھوڑ دیجیے۔ کیونکہ اہلِ عرب کا دستور یہ ہے کہ کبھی بھاگتے ہیں اور کبھی حملہ کرتے ہیں تو بھاگنے کی ذلت کو مٹا دیتے ہیں۔ پھر گویا علیؑ نے ہماری عاجزی پر رحم کیا اور ہمیں چھوڑ دیا اور کافروں پر حملہ کیا۔ آج تک وہ خوف میرے دل سے دُور نہیں ہوا، میں جب کبھی انہیں دیکھتا ہوں یونہی خوفزدہ ہو جاتا ہوں۔
(حیات القلوب)

روزِ اُحد شجاعتِ امیرؑ اور جبرئیلؑ سونے کی کرسی پر مدح خوانِ امیر

کلینی نے بسند موثق حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب مسلمان

جنگِ اُحد سے بھاگے تو آنحضرتؐ کو شدید غصہ آیا اور جب حضرتؐ کو غصہ آتا تھا تو جبین سے پسینہ مروارید کی طرح ٹپکنے لگتا تھا۔ غرض حضرتؐ نے اُس وقت دیکھا تو علیؑ کو اپنے پہلو میں پایا اور غصہ میں فرمایا: کیوں نہ تم بھی انہی لوگوں کے ساتھ بھاگ گئے؟

جنابِ امیرؑ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں آپؐ سے جدا نہیں ہو سکتا اور ہر امر میں آپؐ کی پیروی لازم سمجھتا ہوں۔

حضورؐ نے فرمایا: اچھا ان لوگوں کو مجھ سے دُور کرو۔ امیرالمومنینؑ نے تلوار کھینچی اور شیر کی طرح کافروں کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور ان کو قتل کرنے لگے۔ اس وقت حضورؐ نے جبرئیلؑ کو دیکھا جو زمین و آسمان کے درمیان سونے کی کرسی پر بیٹھے ندا دے رہے تھے: لاسیف الا ذوالفقار ولافتی الا علی (علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ ابن بابویہ کی روایت میں پہلی بات ابودجانہ کے ساتھ ہوئی، امیرالمومنینؑ سے نہیں اور وہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ ابودجانہ بھی اس وقت حضرت علیؑ کے ساتھ حضورؐ کے پاس ہی رہے)۔

جنگِ اُحد سے واپسی اور جنابِ امیرؑ کی مدح

جب (اُحد سے) مدینہ واپسی ہوئی تو حضرت امیرالمومنینؑ علَم کو مشرکین کے خون سے رنگین کیے ہوئے سیدِ عرب و عجم کے آگے آگے چلے اور ابودجانہ ان کے پیچھے پیچھے تھے جب رسولؐ اللہ مدینہ طیبہ میں پہنچے تو عورتوں کی آوازیں سنیں جو حضرتؐ کی مصیبت پر رو رہی تھیں۔ لوگوں نے جب علَم نصرت شیم کو مشاہدہ کیا تو مرد و زن سیدالانبیاءؐ کے استقبال کے لیے دوڑے اور بھاگنے والے مجرمین معذرت کرنے لگے۔

حضرتؐ نے فرمایا: ''لوگو! تم نے مجھے تنہا چھوڑ دیا اور اپنی جانوں کی حفاظت کی، اور علیؑ نے میری مدد و نصرت کی لہٰذا جس نے اس کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور دنیا و آخرت میں مجھ سے دُور ہو گیا''۔

غزوۂ حمرالاسد کے لیے جنابِ امیرؑ کا شوق اور جذبہ

سید ابن طاؤس نے روایت کی ہے کہ جب امیرالمومنین علی علیہ السلام اُحد سے واپس ہوئے تو آپؑ کے جسمِ اقدس پر ۸۰ زخم آئے تھے جن میں بتیاں بھری جاتی تھیں۔ رسولِؐ خدا آپؑ کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ جنابِ امیرؑ ایک کھال پر لیٹے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے آپ کو دیکھا تو رونے لگے اور فرمایا: ''جو شخص راہِ خدا میں ایسی تکلیف اٹھاتا ہے خدا پر لازم ہے کہ اس کو بے انتہا ثواب کرامت فرمائے''۔

یہ سن کر جنابِ امیرؑ بھی رو پڑے اور عرض کیا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں نے آپؐ کی طرف سے منہ نہیں موڑا اور نہ بھاگا لیکن غم یہ ہے کہ کاش شہادت حاصل ہوتی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: ان شاء اللہ تمہیں شہادت بھی نصیب ہوگی۔ پھر فرمایا کہ ابوسفیان نے میرے پاس پیغام بھیجا ہے اور دھمکی دی ہے کہ اب ہمارا اور تمہارا مقابلہ حمرالاسد میں ہوگا۔ جنابِ امیرؑ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں میں حاضر ہوں اور سب سے پہلے اس جنگ کے لیے آمادہ ہوں۔ اگرچہ (تکلیف و ناتوانی کے سبب) لوگ میرا ہاتھ پکڑ کر لے چلیں۔ اُس وقت خداوندِ عالم نے امیرالمومنینؑ کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی:

> ''ایسے بہت سے پیغمبر گزرے ہیں جن کے ساتھ بہتیرے اللہ والوں نے جہاد کیا اور ان پر خدا کی راہ میں مصیبت پڑی تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ بزدلی دکھائی اور نہ (دشمن کے سامنے) گڑگڑائے اور خدا تو ثابت قدم رہنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔
> (سورۂ آلِ عمران' آیت ۱۴۶)

خندق میں عمرو کے قتل پر رسولِؐ خدا کا علیؑ کی مدح کرنا

روایتِ معتبرہ میں مذکور ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: ''روزِ خندق علیؑ کی ضربت

قیامت تک کے جن وانس کی عبادت سے بہتر ہے''۔

اور ابوبکر عیاش سے روایت ہے کہ علیؑ نے ایک ایسی ضربت لگائی جس سے زیادہ قوی اور غالب تر ضربت نہیں ہوسکتی اور وہ ضربت عمرو کے سر پر تھی اور ایسی ضربت کھائی جس سے نحس ترین ضربت نہیں ہوسکتی اور وہ ضربت ابن ملجم علیہ اللعن کی تھی۔

عمرو بن عبدود کا ایک نقطۂ خون ہمیشہ کے لیے ذوالفقارِ علیؑ میں

قطب الدین راوندی نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب امیرالمومنین علی علیہ السلام نے عمرو بن عبدود کو قتل کیا تو اپنی تلوار امام حسنؑ کو دے کر فرمایا کہ اس کو اپنی والدہ کو دے دو کہ دھو دیں۔ جب خود بیت الشرف میں تشریف لائے اور چاہا کہ تلوار کو نیام میں رکھیں (غور سے دیکھا) تو خون کا ایک نقطہ اس میں باقی تھا۔ کہا شاید فاطمہؑ نے اس کو دھویا نہیں۔ کہا گیا دھویا تو ہے۔ فرمایا: پھر یہ نقطۂ خوں کیوں ہے؟ جنابِ رسولِؐ خدا نے فرمایا: ذوالفقار ہی سے پوچھ لو وہ خود بتائے گی۔ جناب امیرالمومنینؑ نے ذوالفقار کو حرکت دی اور فرمایا: شاید فاطمہؑ طاہرہ نے اس نجس و ناپاک خون کو تجھ سے نہیں دھویا۔ ذوالفقار بقدرتِ خداوندِ جبار گویا ہوئی کہ معصومۂ عالم نے (مجھے) دھویا ہے لیکن چونکہ آپ نے مجھ سے کسی ایسے کو قتل نہیں کیا کہ جسے عمرو بن عبدود سے زیادہ فرشتے دشمن رکھتے ہوں' لہٰذا خداوندِ عالم نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس کے اس نقطۂ خون کو میں پیوں کیونکہ میرا حصّہ ہے۔ اب جب کبھی آپ مجھ کو نیام سے نکالیں گے اور فرشتوں کی نظر اس قطرہ پر پڑے گی وہ آپ پر صلوٰۃ بھیجیں گے۔ (علامہ مجلسی نے حیات القلوب میں یہ روایت درج کرنے کے بعد اس کی صحت میں کوئی تردد نہیں کیا بلکہ وضاحت فرمائی ہے کہ امام حسنؑ نے رُتبۂ امامت کے اعتبار سے دو یا تین سال کی عمر میں تلوار بی بی فاطمہ زہراءؑ کو دی اور انجام پہنچایا)۔

ایک خوفناک وادی میں جنابِ امیرؑ کا جنات سے جنگ کرنا

شیخ مفیدؒ اور طبرسی وغیرہم نے روایت کی ہے کہ جب نبی معظمؐ غزوۂ بنی مصطلق کے لیے تشریف لے گئے تو ایک خوفناک وادی میں قیام فرمایا۔ جب رات آخر ہوئی تو جبرئیلؑ نازل ہوئے اور بیان کیا کہ اس وادی میں کافر جنات کا ایک گروہ چھپا ہوا ہے اور آپؐ کے اصحاب کے ساتھ شروفساد کا ارادہ رکھتا ہے۔ آنحضورؐ نے امیرالمومنینؑ کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ اس وادی میں جا کر خدا کے دشمن جنات کو دفع کریں۔ اُس وقت سے جو خدا نے اُن کے ساتھ مخصوص فرمائی ہے اور سو افراد کو آپؑ کے ساتھ بھیجا اور اُن سے فرمایا کہ علیؑ کے ساتھ رہو اور وہ جو حکم دیں ان کی اطاعت کرنا۔ غرض جب امیرالمومنینؑ روانہ ہوئے اور اس وادی کے نزدیک پہنچے تو اُن سو آدمیوں سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھہرو جب تک میں نہ کہوں یہاں سے حرکت نہ کرنا اور خود تنہا اُس وادی کی طرف چلے اور اس کے کنارے پر پہنچ کر خدا سے پناہ طلب کی اور اللہ کے اسمائے اعظم زبان پر جاری کیے۔ پھر اپنے ساتھیوں کو اشارہ سے بلایا اور ایک تیر کی مسافت پر اشارہ سے کھڑے ہونے کے لیے فرمایا اور خود وادی میں داخل ہوئے۔ اچانک ایک آندھی آئی جس سے قریب تھا کہ خوف کے سبب سے وہ سب اشخاص منہ کے بل گر پڑیں اُن کے قدم لرز رہے تھے۔ امیرالمومنینؑ نے نعرہ بلند کیا کہ میں علی ابن ابی طالبؑ ہوں رسولؐ خدا کا وصی اور اُن کا چچازاد بھائی۔ اگر چاہتے ہو کہ خدا کی قدرت کا مشاہدہ کرو تو مقابلہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ ساتھ ہی ایک سیاہ فام گروہ ظاہر ہوا زنگیوں کے مانند جن کے ہاتھوں میں آگ کے شعلے تھے اور تمام وادی اُن سے بھر گئی۔ حضرتؑ نے کوئی پروا نہ کی۔ آپؑ آیاتِ قرآنی تلاوت فرما رہے تھے اور اپنی تلوار داہنے اور بائیں چلا رہے تھے۔ آخر وہ گروہ کالے دھوئیں کے مانند ہو کر زائل ہونے لگا۔ پھر حضرتؑ نے تکبیر کہی اور وادی سے اُوپر آئے اور اپنے ساتھیوں کے پاس کھڑے ہو گئے۔ اب لوگوں نے کہا: یا علیؑ ! آپ نے کیا کیا۔

خوف کی وجہ سے نزدیک تھا کہ ہم ہلاک ہو گئے ہوتے۔ حضرتؑ نے فرمایا: خدا کے بزرگ ناموں کے ذریعے میں نے انہیں شکست دی۔ اُن سب نے بھاگ کر آنحضرتؐ کے پاس پناہ لی ہے۔ اگر وہ کھڑے رہتے تو میں سب کو ہلاک کر دیتا۔ جب آپؑ وہاں سے واپس آئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا: یا علیؑ ! تمہاری شمشیر سے جو اجنہ بچ گئے تھے میرے پاس آئے اور تمہاری تلوار کے خوف سے مسلمان ہو گئے۔ (حیات القلوب مجلسی)

غزوۂ حدیبیہ اور حضرت علیؑ

غزوۂ حدیبیہ جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہوا کیونکہ جنگ کے بجائے صلح نامہ تحریر کیا گیا اور اُس کے محرر حضرت علیؑ ٹھہرے کے تفصیلی واقعات موقع نہ ہونے کے سبب درج نہیں کیے جا سکتے مگر اسی صلح کے موقع پر ایک مکار اور مفسدہ پرداز گروہ مشرکین کی حضورؐ کی خدمت میں آمد اور حضورؐ کے انہیں حضرت علیؑ کو بھیج کر گردنیں اُڑا دینے کی روایت کا ذکر نہایت ضروری محسوس ہو رہا ہے۔

شیخ طبرسیؒ قطب راوندی اور شیخ مفید وغیرہم علمائے شیعہ اور صاحب جامع الاصول اور اکثر محدثین عامہ نے روایت کی ہے کہ صلح حدیبیہ میں سہل بن عمر مشرکین کے ایک گروہ کے ساتھ آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ ہمارے لڑکوں بھائیوں اور غلاموں کی ایک جماعت آپؐ کے پاس آئی ہے جن کو دین کی کچھ خبر نہیں اور وہ مال نیز کھیتوں کی نگرانی اور حفاظت سے جان چرا کر بھاگے ہیں ان کو ہمیں واپس کر دیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے لوگو! ایسی باتوں سے باز آ جاؤ ورنہ میں تمہاری طرف ایسے شخص کو بھیج دوں گا جو تمہاری گردنیں اڑا دے گا۔ جس کے دل کے ایمان کا خدا امتحان کر چکا ہے۔ یہ سن کر صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا: یارسولؐ اللہ! کیا وہ شخص ابوبکر ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ اُس نے کہا: کیا وہ عمر ہیں؟ فرمایا: نہیں۔ تو اُس نے پوچھا پھر وہ کون ہے؟ حضرتؐ نے فرمایا: وہ ہے جو میری نعلین درست کر رہا ہے۔ سب دوڑے یہ

دیکھنے کے لیے کہ وہ کون صاحب ہیں۔ جا کر دیکھا تو وہ علیؑ ابن ابی طالب تھے جو حضرتؐ کی نعلین میں پیوند لگا رہے تھے جس کا بند ٹوٹ گیا تھا۔ جامع الاصول کی روایت میں ہے کہ حضرات ابوبکر وعمر نے پوچھا: وہ کون ہے یا رسولؐ اللہ! تو آپؐ نے فرمایا: وہ جو میری نعلین سی رہا ہے۔

جنگِ حنین میں خود رسولؐ اللہ اور حضرت عباسؓ کا علیؑ کو پکارنا

جنابِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازِ صبح سے فارغ ہو کر سوار ہوئے۔ وادیٔ حنین میں پستی اور بلندی بہت تھی۔ بنوسلیم حضرتؐ کے لشکر کا مقدمہ تھے۔ غرض لشکر ہوازن نے یکبارگی ہر طرف سے حملہ کیا۔ بنی سلیم بھاگے اور ان کے پیچھے جو لوگ تھے وہ بھی بھاگے سوائے امیرالمومنینؑ کے جن کے ہمراہ تھوڑے سے صحابہ بھی تھے۔ بھاگنے والے آنحضرتؐ کے سامنے بھاگ رہے تھے اور مطلق پروا نہ کرتے تھے۔ جنابِ عباسؓ سرورِ دوعالمؐ کے خچر کی لگام داہنی طرف سے پکڑے ہوئے تھے اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب بائیں طرف سے۔ حضرتؐ ندا دے رہے تھے کہ اے گروہِ انصار! کہاں بھاگے جا رہے ہو مگر کوئی سنتا نہ تھا' نہ واپس آتا تھا اور نسیبہ ناریہ کی بیٹی بھاگنے والوں کے منہ پر خاک پھینکتی اور کہتی تھی کہ خدا اور رسولؐ سے کیوں بھاگتے ہو۔ یہاں تک کہ عمر نسیبہ کے سامنے سے گزرے۔ نسیبہ نے کہا: یہ کیا بزدلی ہے۔ وہ بولے خدا کا حکم یہی ہے۔ پھر حضرتؐ اپنے خچر کو دوڑا کر امیرالمومنینؑ کے قریب آئے' دیکھا کہ تلوار کھینچے ہوئے مصروفِ جنگ ہیں اور علَم آپؑ کے ہاتھ میں ہے۔ جنابِ عباسؓ چونکہ بلند قامت اور بلند آواز تھے حضرتؐ نے اُن سے فرمایا کہ اس ٹیلے پر چڑھ کر بھاگنے والوں کو بلاؤ۔ یہ سن کر عباس اُوپر گئے اور بلند آواز سے ندا دی کہ اے اصحابِ سورۂ بقرہ اور اے اصحابِ بیعتِ شجرہ کہاں بھاگ گئے ہو' رسولؐ خدا یہاں ہیں...... اُدھر انصار نے عباسؓ کی آواز سنی تو واپس آ گئے اور اپنی تلواروں کے نیام توڑ ڈالے اور لبیک کہتے ہوئے حضرتؐ کی طرف

آئے مگر خجالت کے سبب حضرتؐ کے پاس نہ آئے اور امیرالمومنینؑ کے پاس آ کر اُن سے ملحق ہو گئے۔ جنابِ رسولؐ خدا نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جنابِ عباسؓ نے کہا: یہ انصار ہیں۔

جنگِ حنین میں فرشتوں کا کفار کو قتل کرنا

حضورؐ نے فرمایا: اس وقت جنگ کی بھٹی روشن کیے فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لیے نازل ہوئے اور ہوازن بھاگنے لگے۔ وہ ہر طرف دوڑ رہے تھے۔ لوگ فرشتوں کے ہتھیاروں کی آوازیں ہوا میں سن رہے تھے مگر کسی کو دیکھتے نہ تھے۔ مختصر یہ کہ آنحضرتؐ مسلمانوں پر غالب ہوئے اور اُن کے مال اور زن و فرزند غنیمت میں حاصل ہوئے۔ سورۂ توبہ پارہ نمبر ۱۰' آیت ۲۵ بھی اس مدد کے نازل ہونے پر گواہی ہے۔ روایت کے مطابق ۸۰ موقعوں پر مسلمانوں کے لیے آسمان سے مدد نازل ہوئی۔

(مذکورہ بالا تمام روایات کا ماخذ و منبع علامہ مجلسی کی ضخیم کتاب حیات القلوب ہے)

○○○

(۳)

بے بنیاد روایات کا مختصر درایتی جائزہ

پیغمبرِ اسلام کی اہلِ مکہ سے ہونے والی پہلی خون ریز جنگ غزوۂ بدر تھی۔ ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ خود مسلمان مؤرخوں نے یہ لکھا کہ ابوسفیان ایک بڑا تجارتی قافلہ لے کر شام گیا ہوا تھا۔ اسے خبر ملی کہ مسلمان اس کے قافلے پر حملہ کردیں گے اور سامان لوٹ لیں گے۔ اس کی اطلاع اس نے مکہ میں روانہ کردی جس پر مکہ سے قافلہ کی حفاظت کے لیے فوج روانہ ہوئی۔ چونکہ مدینہ' مکہ اور شام کے عین وسط میں واقع تھا۔ ادھر سے مدینہ کی طرف تجارتی قافلہ آ رہا تھا اور ادھر سے ابوجہل کی سرکردگی میں حفاظتی فوج آ رہی تھی۔ پیغمبرِ اسلام کو یہ اطلاع ہوئی تو آپ اپنے ساتھیوں کو لے کر قافلہ پر حملہ کے ارادہ سے باہر نکلے مگر قافلہ کسی اور راستے سے نکل گیا اور مسلمانوں کا مقابلہ اس فوج سے ہوگیا۔ اس طرح معرکۂ بدر پیش آیا۔

اگر جنگِ بدر کا یہی سبب تھا تو جنگ کی ذمہ داری رسول اکرمؐ پر عائد ہوتی ہے حالانکہ قرآنی آیت اس روایت کو غلط ثابت کر رہی ہے۔ اگر صورتِ حال یہی ہوتی تو قرآن بھلا کیونکر کہتا کہ اجازت دی جارہی ہے اُن لوگوں کو جن سے جنگ کی جارہی ہے' اور اگر ان حالات میں یہ آیۂ قرآنی اُترتی تو دنیائے شرک و کفر پکار اُٹھتی کہ یہ کیا خلافِ صداقت بات ہے؟ ہمارے قافلہ کو لوٹ کر خود ابتدائے جنگ کر رہے ہو اور اُلٹا کہتے ہو کہ ہم سے جنگ کی جارہی ہے۔

ہم حضرت علیؑ کے جنگی کارناموں اور جہادی خدمات کے بارے میں چند وضاحتی نکات کا اندراج یہاں ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ چند ایسے معلوماتی کوائف بھی درج کر رہے ہیں جن کا ذکر گزشتہ ابواب میں نہیں ہوسکا تاکہ غزوات و سرایا اور حضرت علیؑ کے عہدِ حکومت اور شہادت تک ہونے والی جنگوں کے حقائق تک مزید رسائی حاصل کی جاسکے۔

(۱) اور (۲) کے تحت درج کی گئیں احادیث اور روایات بھی اسی سلسلے کی بنیادی کڑیاں تھیں جن کے اسرار و رموز سے استفادہ جہادِ علیؑ کے مقام و منزلت کو سمجھنے میں خوب معاون ہوا۔ البتہ اخبار و روایات میں معمولی اور جزوی اختلاف و تفاوت بھی پایا جاتا ہے جس کو دُور کرنے کے لیے مستند' موثق' معتبر اور مشہور و متواتر اخبار اور روایات کو اپنانا چاہیے۔ مثلاً جنگِ خندق میں حضرت علیؑ کے عمرو بن عبدود کو قتل کرنے کے بارے میں متعدد اور متواتر روایت زبان زدِ عوام ہے جبکہ حضرتؑ کے عمرو کو مکر و فریب سے قتل کرکے حضور نبی اکرمؐ کو جنگ میں مکر کا جواز بتانے کی روایت بھی موجود ہے۔ اُسے نظرانداز کر دینا ہی اصول درایت کے مطابق ہے۔

عامہ اور خاصہ کی متفق علیہ روایات کے علاوہ مختلف روایات بھی موجود ہیں اُن میں سے ہر ایک کا اطلاق و نفاذ روای کے مسلک و مذہب کے حوالے سے ہوگا۔ البتہ کہیں ذاتی رائے اور خیال آرائی ہو تو اُسے متعلقہ علمائے کرام کا کہنا ہے کہ قرآن کی یہ آیت صرف تعبدی پہلو ہی نہیں رکھتی بلکہ تاریخی حیثیت کی بھی حامل ہے جس کے سامنے نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم محققین بھی سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہیں۔ چنانچہ روایات کی تطبیق بالقرآن نہایت ضروری ہے۔

اگر ہم جنگِ بدر کے سامان پر غور کریں تو لشکرِ اسلام میں تلواریں بھی نہ تھیں اور سوار ہونے کے لیے گھوڑے بھی نہ تھے۔ کوئی صاحبِ عقل و شعور جس کے پاس یہ سازوسامان بھی نہ ہو' جنگ کا آغاز بھلا کیسے کرسکتا ہے؟

دراصل یہ سب سلاطینِ بنی اُمیہ کے جذبات کا لحاظ رکھنے والے مؤرخین کے چھوڑے ہوئے شاخسانے ہیں تاکہ لشکرِ کفر کی طرف سے سب سے پہلے میدان میں اُترنے والے بنی اُمیہ کے ممتاز افراد کی شرک و باطل کی خاطر دی گئی قربانیوں پر پردہ پوشی کی جاسکے اور اُن کے جرم کو امکانی حد تک کم کیا جاسکے۔ چنانچہ طبری وغیرہ نے یہاں تک لکھ دیا کہ (معاویہ بن ابی سفیان کے نانا) عتبہ بن ربیعہ نے تو جنگِ بدر کو ٹالنے کی بہت کوشش کی مگر ابوجہل جنگ پر تلا ہوا تھا اور یہ اس کی شرارت تھی کہ جنگ ہو کر رہی۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ سب مسلمانوں کے تاج وتخت پر ۷۰-۸۰ برس تک بنی اُمیہ اور پھر اسی قبیلہ کی دوسری شاخ کے افراد کے براجمان رہنے کے سبب ہوا۔ ادھر بنی امیہ کے کرتوتوں کو تحفظ دیا گیا اور اُدھر بنی ہاشم اور خصوصاً علیؑ و اولادِ علیؑ کے کارناموں کو چھپایا گیا، لہٰذا ہم مسلک کے کھاتے میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ اس کے علاوہ ذاتی اور انفرادی افہام میں ابہام بھی ہوسکتا ہے لہٰذا قیاس سے قطعاً گریز کرنا چاہیے اور اجماعِ علماء کو اہمیت دینی چاہیے۔

اسلامی جنگوں خصوصاً جہادِ علیؑ کے چیدہ چیدہ معلوماتی وضاحتی نکات

- بدر ایک کنویں کا نام تھا جو قبیلہ غفار کے بدر نامی ایک شخص کی ملکیت تھا (اعلام الوریٰ)۔ جنگِ بدر کے اسیروں میں مشرکین کا بہت بڑا خطیب سہیل بن عمر بھی شامل تھا۔ یہ بھی فدیہ لے کر رہا کردیا گیا۔ اُسے رہائی دی جانے کے وقت حضرت عمر نے ایک نادر منصوبہ سوچا کہ رسولِؐ خدا سے عرض کیا مجھے اتنی اجازت عطا کیجیے کہ میں اس کے نیچے والے دو دانت اُکھاڑ لوں۔ رسولِؐ خدا نے فرمایا: مثلہ کرنا یعنی کسی حصۂ جسم کو جدا کرنا جائز نہیں ہے۔ میں نبی ہوتے ہوئے بھی اگر اس کا کوئی جز و قطع کروں تو اللہ میرے بھی اعضاء کو قطع کرے گا۔ اس کے بعد فرمایا: ممکن ہے کہ اس کی قوتِ تقریر کبھی حق کی حمایت میں صرف ہو۔ (طبری، ج ۲، ص ۲۸۹)

- غزوۂ بدر کے ہیرو (اسد اللہ الغالب) علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔
- ھل وجدتم ما وعدکم ربکم (سیرۃ النبیؐ جلد اوّل، ص ۲۵۷)
- پیغمبر نے سخت ترین کافر افراد کے ارواح کا بعد از موت باخبر ہونا ظاہر فرمایا۔ اس کے بعد کیا تعجب خیز نہیں ہے، مسلمانوں میں سے ایسی جماعت کا نظریہ جو خود رسولؐ خدا یا دیگر اولیاء و مقربین کو بھی پکارنے یا ان سے تخاطب کرنے کو بیکار اور بے معنی سمجھتے ہیں۔ (تاریخ اسلام، علامہ سید علی نقی، ج ۲، ص ۲۰۹)
- جنابِ ابوطالبؑ کے سب سے بڑے فرزند طالب کو بھی مشرکین زبردستی اپنے ساتھ لے گئے تھے مگر وہ عین معرکۂ جنگ سے اس طرح غائب ہوئے کہ نہ قیدیوں میں پائے گئے اور نہ مقتولوں میں اور نہ ہی اپنے گھر مکہ واپس پہنچے گویا اُن کا کچھ پتہ نہ چلا۔ (طبری، ج ۲، ص ۲۷۶)
- پیغمبر اکرمؐ انصار کی ہمت افزائی کے لیے خود انصار کے علَم کے نیچے تشریف فرما ہوئے۔ (اعلام الوریٰ)
- عبدالحق محدث دہلوی کا کہنا ہے جنگِ بدر میں حضورؐ نے تین علَم مرتب فرمائے۔
- علَم برداروں کے قتل اور حضرت علیؑ اور ابودجانہ انصاری کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ پری وش نازنینیں جو اپنے سُریلے رجزوں سے سپاہیوں کے دل اُبھار رہی تھیں وہ بھی بدحواسی کے ساتھ ہٹیں اور مطلع صاف ہوگیا۔ (سیرۃ النبی ص ۲۷۶)
- جنگِ اُحد کے مختلف دور سامنے آتے ہیں۔ پہلا دور وہ ہوگا جس میں اکثریت کے قدم اُٹھ گئے مگر علی ابن ابی طالبؑ کے ساتھ ابودجانہ انصاری اور حضرت حمزہ اور شاید ڈیڑھ دو سو مجاہدین ابھی مصروفِ پیکار تھے جس کی قطعی دلیل شہدائے اُحد کی تعداد ہے جو متفق علیہ حیثیت رکھتی ہے یعنی ستر آدمی مسلمانوں میں سے شہید ہوئے۔ اگر یہ مانا جائے کہ پورے اسلامی لشکر نے فرار کیا تو آخر یہ مجاہدین کیونکر

قتل ہوئے۔ ماننا پڑتا ہے کہ ایک معتد بہ تعداد ایسی تھی جو معروف جہاد رہی اور اُن کی دیکھا دیکھی بہت سے لوگ ابھی نتیجہ کے انتظار میں تذبذب کے عالم میں ہوں گے اور یہ وہ دور تھا جس میں براہِ راست پیغمبرؐ خدا پر حملے نہیں ہو رہے ہوں گے اور نہ آپؐ کے جسم مبارک کے زخمی ہونے کی نوبت آئی ہوگی۔ اس کے بعد دوسرا دور وہ ہوگا جب جانباز مجاہدین کی شہادت کی وجہ سے رفتہ رفتہ ان کی تعداد تیزی کے ساتھ کم ہوتی گئی ہوگی۔ اس طرح وہ منزل آئی کہ اب پیغمبر کے پاس اتنے سپاہی نہ رہ گئے جن کی وجہ سے آپ حملوں سے محفوظ رہ سکیں' اس وقت ایک موقع وہ آیا ہوگا کہ جب مردان میدان میں آپ کے بالکل قریب ابودجانہ انصاری تھے اور اب اُن کو بجائے دشمنوں سے بڑھ بڑھ کے جنگ کرنے کے یہی صورت جانثاری کی نظر آئی کہ وہ رسولؐ خدا کے سامنے سپر بن کر کھڑے ہو جائیں جس کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ پھر ابودجانہ کی شہادت کے بعد وہ وقت آیا ہوگا کہ جب اُم عمارہ کو اس کی ضرورت پڑی ہوگی کہ وہ پیغمبرؐ کی سپر بن کر دشمنوں کا دفعیہ کریں مگر ظاہر ہے کہ ایک خاتون کا بس کثیر التعداد دشمنوں سے کہاں چل سکتا تھا۔ ادھر میدانِ جہاد میں ایک حضرت علی ابن ابی طالبؑ رہ گئے تھے جن کے کارنامۂ وفاداری کا ابھی ذکر آئے گا۔ (تاریخ اسلام' علامہ علی نقی' ص ۲۴۹)

- علمائے شیعہ کسی حصۂ جسم کی کمی کو خلافِ شانِ رسول سمجھتے ہیں اور شیعہ روایت یہ ہے کہ کوئی دانت شکستہ نہیں ہوا تھا بلکہ چہرۂ مبارک زخمی ہوا تھا۔ (اعلام الوریٰ)
- ایک آواز سنی (گئی) کہ غیبی کہنے والا کہہ رہا تھا: لافتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار۔ غالبًا نادعلیا مظہر العجائب کا واقعہ بھی اسی سال اور اسی جنگ میں ہوا ہے۔ مگر کتب احادیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ الی صل آں جناب (حضرت علیؑ) نے مقابلہ اور جنگ اور دلیری اور بہادری کا ایسا حق ادا کیا جس سے بالاتر تصور میں نہیں آسکتا۔ (تاریخ اسلام' علامہ علی نقی' ص ۲۵۹)

- قیس بن سعد بن عبادہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت علی مرتضیٰؑ سے سنا خود آپؑ نے فرمایا کہ غزوۂ اُحد کے دن سولہ زخم مجھ کو لگے جن میں سے چار زخم ایسے تھے کہ ان سے میں زمین پر گر گیا تھا۔ (شاہ عبدالحق محدث دہلوی' مدارج النبوہ)
- حضرت علیؑ کے کئی دفعہ زمین پر گرنے اور جبرئیلؑ کے اٹھانے کی روایات حیات القلوب علامہ مجلسی میں بھی ہے اور علامہ علی نقی بھی فرماتے ہیں کہ ہزاروں کے لشکر سے تنِ تنہا جنگ میں فطری طور پر آپ کو خود زخمی بھی ہونا چاہیے تھا۔ (تاریخ اسلام' ص ۲۵۹)
- مؤرخین جمہور کا کہنا ہے کہ ابوسفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر کہا: لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم "عزیٰ ہمارا مددگار اور تمہیں عزیٰ نصیب نہیں"۔

حضورؐ نے حضرت عمر سے فرمایا: جواب دو: اَللّٰه مولانا ولا مولیٰ لکم "اللہ ہمارا سرپرست ہے اور تمہارا کوئی سرپرست نہیں۔ (شیعہ کتب میں ایسی کوئی روایت نہیں ہے)۔ (بحوالہ طبری' جلد ۳' صفحہ ۲۱)

- جنگِ اُحد میں مخریق نامی یہودی نے حضرت محمدؐ کی حمایت کی اور قتل ہو گیا۔ وہ بعد قتل اپنا مال حضرت محمدؐ کو دینے کی وصیت کر چکا تھا۔ (ملخصًا طبری)

غزوۂ بدر الموعد اور حضرت علیؑ کی علَم داری

جنگِ اُحد میں مشرکین کی طرف سے یہ اعلان ہوا تھا کہ اب آئندہ سال بدر کے مقام پر ہم سے تم سے پھر مقابلہ ہوگا اس کو رسالتؐ نے بھی منظور فرما لیا تھا۔ چنانچہ اس قرارداد کے مطابق بروایتے یکم ذیقعدہ کو ہجرت سے ۴۵ مہینے کے بعد (المغازی الواقدی' ص ۳۸۴) اور دوسری روایت کے لحاظ سے ماہِ شعبان ہی میں (اعلام الوریٰ) رسولؐ خدا نے علَم لشکر حضرت علیؑ کو دیا (مدارج النبوی' مطبوعہ لکھنؤ' ج ۲' ص ۲۰۸) اور لشکرِ اسلام

کے ساتھ نکل کر بدر کے مقام پر ایک ہفتہ قیام فرمایا۔

ادھر سے ابوسفیان بھی اہلِ مکہ کا لشکر لے کر مدینہ سے نکلا۔ غالباً اس کا یہ خیال تھا کہ جنگِ اُحد کی ہولناکی کے بعد اب مسلمان باہر آنے کی ہمت ہی نہیں کریں گے اور ہم مفت میں ایک فتح اور حاصل کرلیں گے مگر جب اسے مخبروں سے اطلاعیں ملیں کہ پیغمبرِ اسلام مسلمانوں کی فوج کو ساتھ لیے جنگ کے لیے تیار ہیں تو وہ مقام ظہران تک پہنچ کر ارادہ بدل گیا اور فوج کو لے کر واپس چلا گیا۔ (اسے غزوۂ بدر الکبریٰ نہ سمجھ لیا جائے وہ جنگِ بدر سے بھی پہلے ہو چکا تھا)۔ (تاریخ اسلام علامہ علی نقی، ص ۲۸۱)

سورۂ احزاب میں مسلمانوں کی صورت حال کی عکاسی اور کارنامۂ علیؑ

"وہ عالم یاد کرو جب دشمن تمہارے اوپر سے آئے اور تمہارے نیچے کی جانب سے اور تمہاری آنکھیں پھر گئیں اور دل منہ کو آگئے تھے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کی بدگمانیاں کر رہے تھے۔ یہ موقع مسلمانوں کے لیے بڑا آزمائشی تھا اور وہ سخت زلزلہ سے تہ و بالا ہو رہے تھے (آیت ۹،۱۰)

مستند مؤرخین کے بیانات کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنگِ خندق باعتبار اپنی روداد کے صرف ایک فرد یعنی حضرت علیؑ کے کارنامے کا نام ہے۔ حتیٰ کہ کے۔اے حمید (بیرسٹرایٹ لا) جس صاحب نے تاریخ اس انداز سے لکھی ہے کہ حضرت علیؑ کا کوئی کارنامہ نمایاں نہ ہونے پائے، انہیں بھی ضمیر کے دباؤ سے آپ کا نام تو لینا پڑا ہی ہے۔ (تاریخ اسلام، ص ۲۹۳)

عمرو بن عبدود کے خوف سے مسلمانوں کا رسولِ خدا کو سونے سے جگا دینا

راتوں کو تیراندازی کے جو معرکے ہوتے تھے ان میں بھی اس (عمرو) کا نام آیا ہے کہ اکثر وہ خندق کے پاس آکر اپنے حوصلۂ نبرد آزمائی کا مظاہرہ کرتا تھا اور خندق کے

بیچ میں حائل ہونے کے باوجود جب وہ خندق کے پاس آجاتا تو مسلمانوں میں تلاطم پڑ جاتا تھا کہ عمرو بن عبدود آگیا ہے اور اکثر رسولِ خدا کو سوتے سے جگا دیا جاتا تھا اور آپؐ کو مسلمانوں کی ڈھارس کے لیے بلاوجہ شبِ تار میں خندق کے پاس تشریف لانے کی زحمت گوارا کرنا پڑتی تھی۔ (المغازی الواقدی)

معرکۂ خندق اکیلے علیؑ کا کارنامہ ہے

تمام مؤرخین نے لکھا ہے کہ جنگِ بدر میں مشرکینِ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کا خاتمہ ہوگیا اور اُحد میں ان کے علم برداروں کا کام تمام ہوا۔ اب مکہ کے مشرکین کے پاس صرف ایک سورما باقی تھا جس سے امیدیں لگائے ہوئے تھے۔ وہ تھا عمرو بن عبدود (عامری) بن ابی قیس جو قریش کی بنی عامر نامی شاخ سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ بدر کے معرکہ میں بھی موجود تھا لیکن اس دن جنگ میں بہت زخمی ہوگیا تھا لہٰذا اُحد میں بھی شریک نہ ہوسکا۔ اب خندق میں بڑے جوش و خروش کے ساتھ شریک ہوا اور اس نے اپنے سر پر ایک نشان لگا رکھا تھا تاکہ امتیازی شان نمایاں رہے۔ (حضرت علیؑ نے اُسے فی النار والسقر کردیا۔ دیگر بہادر عکرمہ، ضرار، ہبیرہ، نوفل وغیرہ بھی معرکۂ خندق میں اُسی سے وابستہ تھے)۔ (طبری، طبع مصر ۱۹۴۱ء، ج ۲، ص ۷۵۲)

احبس انہ عمرو

جب جنگِ خندق میں حضرت علیؑ نے فرمایا: انا یارسول اللہ، میں اس (عمرو) سے مقابلہ کروں گا تو رسولِ خدا دوسرے مسلمانوں کو بھی موقع دینا چاہتے تھے اور پھر آپ کو معلوم تھا کہ عمرو بن عبدود کی نسبت "جہاں دیدہ" اور "تجربہ کار" اصحاب کے کیا تاثرات ہیں اور کیسے کیسے مشاہدات دہرائے جارہے ہیں جس سے تمام فوجِ اسلام کے لیے وہ ایک بہت بڑا "ہوّا" بن گیا تھا۔ ہوسکتا تھا کسی کو یہ تصور ہوتا کہ علیؑ چونکہ کمسن ہیں یہ عمرو بن

عبدود کی شخصیت سے واقف نہیں ہیں اور انہوں نے جوانی کے الھڑ پن میں جیسے بے سمجھے یہ بات کہہ دی۔ ان تمام حالی تصورات اور امکانی خیالات کے پیشِ نظر پیغمبرؐ خدا نے بڑے معنی خیز انداز میں فرمایا: احبس انه عمر (جانتے بھی ہو؟) وہ عمرو ہے۔ (تاریخ اسلام ص ۳۰۰)

جنگ کے لیے علیؑ کو اسلحہ پہنا کر رسولؐ دعا کرتے ہیں

جب رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو اجازت دی تو اپنی تلوار ذوالفقار انہیں عطا فرمائی اور اپنی خاص زرہ ان کے زیب تن کی اور اپنا عمامہ ان کے سر پر باندھا اور کہا: پروردگارا! اس کے خلاف اس کی مدد فرما اور ایک روایت میں ہے کہ حضرتؐ نے اپنا عمامہ آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا: اے خدا تو نے عبیدہ کو مجھ سے بدر کے دن لے لیا اور حمزہ کو اُحد کے دن۔ اب یہ علیؑ ہے جو میرا بھائی اور میرے چچا کا فرزند ہے تو اب تو مجھے اکیلا نہ چھوڑ اگرچہ تو بہترین ذات ہے جو سب کے بعد باقی رہنے والی ہے۔

رسولؐ خدا کا اس آیت کو پڑھنا کہ لا تذرنی فرداً وانت خیرالوارثین یہ بتلاتا ہے کہ پیغمبرؐ انہیں مثل اپنی اولاد کے سمجھتے تھے اور یہ بھی کہ آپ تنہا مددگارِ عالمِ امکان میں اب اس ذات کو جانتے تھے۔ (تاریخ اسلام ص ۳۰۲)

کافر علیؑ کی شکل میں موت دیکھتا ہے

ضرار بن خطاب اور ہبیرہ بن وہب نے مل کر حضرت علیؑ پر حملہ کر دیا۔ آپ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے تو ضرار نے غور سے آپ کے چہرے کو دیکھا اور ایک دم فرار کیا۔ بعد میں سبب پوچھا گیا تو اس نے کہا: علیؑ کی صورت دیکھتے ہی یہ محسوس ہوا کہ موت کی شکل مجھے نظر آ رہی ہے۔ دوسرا اس کا ساتھی ہبیرہ لکارا رہا اتنا کہ تلوار اس کے جسم تک پہنچی۔ اب اپنی زرہ اُتار کر اس نے پھینک دی اور خود بھاگ نکلا۔ حضرت علیؑ نے اپنے

اصول کے مطابق کسی بھاگ نکلنے والے کا پیچھا نہیں کیا (اس روایت سے یہ نتیجہ بھی برآمد ہوتا ہے کہ جو علیؑ کسی بھاگنے والے دشمن کا پیچھا نہیں کرتا وہ کسی کو مکر اور دھوکے سے قتل کرنے کا کیسے سوچ سکتا ہے۔ مؤلف)۔ (تاریخ اسلام ص ۳۰۸)

ضرار کا حضرت ثانی پر احسان

ضرار بن خطاب جب بھاگا جا رہا تھا تو حضرت ثانی نے اس کا پیچھا کیا (پہلے تو ضرار اور شدت سے بھاگا ہوگا مگر پھر اسے یاد آیا ہوگا کہ علیؑ عام طور پر بھاگنے والوں کا پیچھا نہیں کرتے۔ یہ ہو نہ ہو کوئی اور ہے۔ بس سوچتے ہی ضرار پلٹ پڑا اور ثانی پر نیزہ کے ساتھ حملہ کیا۔ پھر ہاتھ روک لیا اور کہا: اے فلاں! یہ احسان اس وقت تمہارے ساتھ کر رہا ہوں، شکرگزار رہنا اور یہ ایسا احسان ہے جس کا معاوضہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ بس اسے یاد رکھنا۔ (تاریخ خمیس، جلد ا ص ۴۸۷)

ابوسفیان کا نعرۂ فرار

سخت آندھی پر ابوسفیان اپنی سواری کے قریب آیا اور پکارا: النجا النجا یعنی بھاگ کر اپنی جان بچاؤ، جان بچاؤ۔ یہی عینیہ بن حصین نے کہا اور یہی آواز حارث بن عوف کی تھی اور بس اس کے بعد جتنی فوجیں تھیں سب واپس ہو گئیں اور حذیفہ نے ان سب کی اطلاع آ کر پیغمبر اکرمؐ کو دی۔ (ملخصاً اعلام الوریٰ)

صلح حدیبیہ ایمان اور صبر کا امتحان تھی۔ (علامہ سید علی نقی اعلی اللہ مقامہٗ)

غزوۂ خیبر

سن سات ہجری کے آغاز میں اسلام کی یہ مہتم بالشان مہم سر ہوئی جس کے بعد یہود کی طاقت جزیرۃ العرب میں بالکل ختم ہوگئی۔

بعض تاریخوں میں درج ہے کہ حضرت پیغمبرؐ خدا وسط محرم میں غزوۂ خیبر کے لیے نکلے (جمادی الاول اور ذوالحجہ بھی درج ہے)۔ (تاریخ ابوالفدا' ج ا' ص ۱۴۷)

خیبر ایک عبرانی لفظ ہے جس کا ماخذ لفظ خبرد ہے جو قلعوں کے معنی میں ہے۔ (اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ' ج ا' ص ۱۵۰)

خیبر پر حملہ ایک تادیبی مہم یعنی پولیس ایکشن

مشرکین کا ساتھ دینے والے کوئی اور نہ تھے۔ وہی مدینہ کے باشندہ قبائل تھے جنہوں نے پیغمبرؐ خدا کی حکومت کو سیاسی طور پر تسلیم کیا تھا یعنی انہوں نے اقتدارِ اسلامی کے زیرسایہ بحیثیت رعایا رہنا تسلیم کیا تھا۔ انہی قبائل میں سے جنہوں نے اس معاہدہ کے بعد مختلف اوقات میں مشرکین کے ساتھ سازباز کیا' کچھ جلاوطن کیے گئے۔ وہ خیبر گئے اور کچھ بھاگ کر گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کوئی بیرونی جماعت نہ تھی جس سے مقابلہ کو بین الاقوامی موجود اصطلاحات کی رو سے جنگ کے نام سے تعبیر کیا جائے بلکہ یہ اپنے ہی قلمرو حکومت کے اندر کے وہ افراد تھے جو وفاداری کے تقاضوں پر پورے نہیں اُترے اور انہوں نے مخالف جماعتوں کے ساتھ سازباز کیا اور اب ان کی نوبت یہ پہنچی کہ انہوں نے کئی قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا کر ان سے خفیہ معاہدہ کیا کہ اگر وہ مدینہ فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہمیشہ کے لیے خیبر کی نصف پیداوار اپنے حلیفوں کو دیا کریں گے"۔

تو اب ان کے خلاف جو "مہم" وقوع میں آئے اسے "تادیبی مہم" کی حیثیت حاصل ہوگی جسے موجودہ زمانہ میں "پولیس ایکشن" کہتے ہیں۔ (تاریخ اسلام' علامہ علی نقی' ص ۳۶۲-۳۶۳)

خیبر میں نبیؐ و علیؑ دونوں علیل تھے

اس جنگ میں حضور نبی کریمؐ کو دردِ شقیقہ کی تکلیف تھی اور حضرت علی شدید آشوب

چشم میں مبتلا تھے جو ہر جنگ میں پیش پیش رہتے تھے۔ وہ شروع ہی سے اس جنگ میں نہیں آسکے تھے۔ (ملخصاً تاریخ خمیس' جلد ۲' ص ۴۳)

غزوۂ خیبر اور متعصب مؤرخوں کی علیؑ دشمنی

بعض متعصب مؤرخین نے متداول اور مستند تواریخ کو نظرانداز کر کے بیان واقعات کی خانہ پُری کی ہے اور حقیقت کے اظہار سے کترائے ہیں مثلاً "قلعہ نطاۃ پر فوج کشی میں" پے درپے حملوں سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوا تو اس قلعہ کا کوئی آخری نتیجہ سامنے آئے بغیر سرکارؐ نے حضرت علیؑ کو ایک دوسرے قلعہ یعنی ناعم پر حملہ کے لیے ہدایات دے دیں حالانکہ یہ قلعہ اس پوری یہودی ریاست (ریاست در ریاست) کا محفوظ کرنے والا باب تھا اس لیے اس قلعہ قموص پر خیبر کا اطلاق ہوتا تھا۔ (ملخصاً تاریخ اسلام' علامہ علی نقی' ص ۳۶۵)

علامہ علی نقی کا عطائے علَم پر تبصرہ

"کل اسے (علَم) دوں گا' اس کل کے حال میں مستقبل کی امید افزا خوش خبری کے ساتھ ماضی پر تاریخی بھی ہے اور اللہ اور رسولؐ کو دوست رکھنے کے جملہ میں ثبات قدم اور فتح وظفر کے اس راز کا اظہار بھی ہے کہ یہ باتیں اللہ اور رسولؐ اور دوسرے لفظوں میں اس مشن کے ساتھ جو خدا اور رسول کا نصب العین ہے یعنی دین حق کے ساتھ سچی الفت اور عشق ہی سے پیدا ہوتی ہیں اور جب تک دل کے اندر یہ چیز نہ ہو اس وقت تک کتنے ہی بلند بانگ دعوے کیے جائیں نہ خطرات کے برداشت کی قوت پیدا ہوتی ہے' نہ قدموں میں ثبات آتا ہے اور پھر مددِ الٰہی بھی شاملِ حال نہیں ہوتی۔

اور بندہ کی یہ صفت شوق و جذب کی جب ہوتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ اور رسولؐ اسے دوست رکھتے ہیں' اسے عمومی طور پر ایک وصف ذات کی حیثیت سے بھی

دیکھا جاسکتا ہے اور عین اس موقع کی خصوصیت سے بھی جس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ اس سے پہلے جن کے سپرد یہ علمداری کا منصب ہوا وہ مخلوق کی پسند تھی اور خالق اور اُس کے رسول کی پسند کے مطابق نہ تھا۔ اس کے رسولؐ کی مرضی کے بغیر اپنی پسند سے کام لے کر یہ زک اُٹھائی تو اب آئندہ تو کبھی اس سے زیادہ وسیع دائرہ میں خدا اور رسولؐ کی مرضی کو نظر انداز کر کے خود رائی سے کام نہ لینا چاہیے۔ (تاریخ اسلام ص ۳۷۰)

خیبر میں حصولِ علم کے لیے ہر شخص خود کو نمایاں کرتا ہے

''مہاجرین وانصار سب اپنی گردنیں لمبی کر کر کے نگراں ہوئے۔ اس کے بعد کوئی بھی شخص جس کا پیغمبرِ خدا کے یہاں کوئی مقام ہوسکتا تھا ایسا نہ تھا جو یہ امید رکھتا ہو کہ وہی آج علَم دار ہوگا۔ (تاریخ ابوالفدا' جلد ا' ص ۱۴۰)

صبح خیبر کا منظر

صبح ہوئی تو رسولؐ اللہ کے پاس تمام لوگ جمع ہوئے۔ سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے کہ میں بالکل آپ کی آنکھوں کے سامنے بیٹھا پھر گھٹنے کے بل اُونچا ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر سیدھا کھڑا ہوگیا اس امید میں کہ حضرت مجھے بلا لیں مگر آپ نے فرمایا کہ علیؑ کو میرے پاس لاؤ۔ یہ سننا تھا کہ سب لوگ چاروں طرف سے چیخنے لگے کہ انہیں تو آشوبِ چشم ہے (اور وہ بھی) ایسا کہ اپنے پاؤں تلے کی زمین نہیں دیکھ سکتے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو بھی ہو کسی کو ان کے پاس بھیجو اور انہیں بلاؤ۔ (اعلام الوریٰ)

رسولؐ خود علیؑ کو اسلحہ جنگ سے آراستہ کرتے ہیں

مؤرخ دیار بکری نے لکھا ہے کہ علیؑ شفایاب ہوگئے (حضورؐ کے لعابِ دہن سے) تو رسولؐ نے اپنی فولادی زرہ ان کے زیب تن فرمائی اور ذوالفقار ان کی کمر میں لگائی اور پھر علَم عطا فرمایا۔ (تاریخ خمیس' ج ۲' ص ۴۹)

اسلامی جنگوں کا معیار

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: پہلے پُر امن طریقہ پر جا کر ان کی حدود میں ٹھہرو پھر انہیں دعوتِ اسلام دو اور انہیں بتاؤ کہ ان پر اللہ کی طرف سے کیا فریضہ عائد ہے۔ بخدا تمہارے ذریعہ سے کسی ایک کی ہدایت ہوجائے یہ ہر قیمتی شے سے تمہارے لئے زیادہ قیمت رکھنے والی چیز ہے۔ (زادالمعاد نصف اوّل' ص ۳۸۴)

اس سے اسلامی فتح کا معیار ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں نصب العین کسی ملک پر قبضہ کرنا نہیں ہے بلکہ خلقِ خدا کو پُر امن طریقہ پر راہِ راست کی طرف دعوت دینا ہے۔ اگر وہ خونریزی پر آمادہ نہ ہوجایا کریں تو جنگ کا سوال ہی نہیں جنگ تو اس لیے ہوئی کہ انہوں نے دعوتِ اصلاح کا مقابلہ ہتھیاروں سے کرنا چاہا تو مجبوراً ان کے دفعیہ کے لیے ہتھیار ہاتھ میں اٹھائے گئے۔ (تاریخ اسلام' علامہ علی نقی' ص ۳۷۹-۳۸۰)

حضرت علیؑ کی پیش قدمی کا انداز

علامہ طبرسی نے لکھا ہے کہ علَم پانے کے بعد حضرت علیؑ دوڑتے ہوئے میدان کی طرف روانہ ہوئے۔ (اعلام الوریٰ)۔ اس دوڑنے کی سی کیفیت کا بیان سیرت ہشام (جلد ۲' ص ۱۸۷' طبع مصر) اور تاریخ خمیس (ج ۲' ص ۴۹' طبع مصر) وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

جابر کا بیان ہے کہ آپ اتنے جلدی روانہ ہوگئے کہ ہمیں ہتھیار لگانا مشکل ہوگئے اور سعد بن ابی وقاص نے پکار کر کہا:

اے ابوالحسنؑ! ذرا ٹھہریئے کہ اور لوگ پہنچ جائیں۔ ایک جگہ جابر کا بیان یہ ملتا ہے کہ لوگ کہہ رہے تھے: یا علیؑ! رحم کیجیے یعنی اتنی جلدی نہ کیجیے۔ (سیرت ابن ہشام' ج ۲' ص ۱۸۷)

جنابِ امیرؑ نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑ دیا

ممکن ہے یہ اشارہ ہو اس بات کا کہ آج میدان میں آنے والا بغیر قلعہ فتح کیے واپس جانے والا نہیں ہے۔ ان تیوروں ہی سے قلعہ والوں میں ہلچل مچ گئی۔ (تاریخ اسلام علامہ علی نقی، ص ۳۸)

حارث و عنتر کے بعد مرحب سے مقابلہ

حارث مرحب کا چھوٹا بھائی تھا۔ یہود نے اُسے ہی مقابلے کے لیے کافی سمجھا۔ پھر جب حارث اور ایک نامی پہلوان عنتر کام آ گئے تو مجبوراً مرحب لعین مقابلے میں اُترا۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں:

"مرحب نے سبقت کر کے چاہا کہ حضرت علیؑ کے سر پر تلوار لگائے مگر جنابِ امیر نے سبقت کر کے ذوالفقار اس غدار ملعون کے سر پر ایسی ماری کہ اس کے خود اور دستار حلق تک اور ایک روایت کے مطابق اس کی رانوں تک اور ایک روایت کے مطابق اس کے گھوڑے کی زین تک پہنچ گئی اور دو ٹکڑے کر دیئے۔ (مدارج النبوۃ، مطبوعہ نولکشور، ج ۲، ص ۲۲۵)

ضربِ حیدری کی گونج

حضرت علیؑ نے اس کے سر پر تلوار لگائی یہاں تک کہ تلوار کاٹتی ہوئی اس کے دانتوں تک پہنچی اور اہلِ لشکر نے اس ضرب کی آواز کو سنا۔ دیار بکری نے معالم التنزیل کے حوالے سے لکھا ہے:

"مرحب نے چاہا کہ حضرت علیؑ پر ضرب لگائے مگر آپ نے سبقت کر کے اپنی تلوار ذوالفقار اس کے سر پر بلند کی۔ مرحب نے سپر سے روکا تو تلوار سپر پر پڑی اور اسے کاٹ دیا اور پتھر کو کاٹا اور خود کو اور دو عماموں کو اور اس کے سر کو شگافتہ کیا، یہاں تک کہ تلوار اس کے دانتوں میں پہنچ گئی۔ مگر افسوس کہ علامہ طبرسی نے یہ لکھا کہ حضرتؑ نے تلوار اُس

کے پاؤں پر لگائی۔ علامہ علی نقی کے مطابق: معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح نے یہ مقام کسی ماخذ کو سامنے رکھ کر تحریر نہیں کیا بلکہ بس اپنے ذہن یا یاد پر اعتماد کر کے لکھ دیا ہے...... اسے خطائے بزرگاں میں محسوب کرنا چاہیے۔

حضرت علیؑ کی حیرت انگیز طاقت کے مظاہرے اور فتح خیبر

مؤرخین نے بلاتفریق فرقہ درج کیا ہے کہ ایک یہودی کی ضرب سے حضرتؑ کی سپر چھوٹ کر گر گئی۔ یہودی اسے لے کر بھاگ گیا۔ آپؑ نے غضبناک ہو کر ایک قلعہ کے آہنی دروازے کو اُکھاڑ کر ہاتھ میں بطور سپر لے لیا اور جنگ میں مصروف ہو گئے۔ (مدارج النبوی، ج ۲، ص ۳۲)

دوسری روایت کے مطابق اختتام جنگ تک دروازہ ہاتھ میں لیے رہے اور مکمل فتح حاصل ہونے کے بعد اس دروازہ کو ہاتھ سے پھینکا۔ پھر آٹھ آدمیوں نے مل کر اسے پلٹنے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوئے۔ (ابن ہشام، جلد ۲، ص ۱۸۷ وغیرہ)

علامہ طبرسی کے سہو پر اعتراض کرنے والے علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ نے نہ جانے حیات القلوب علامہ مجلسیؒ کی اُن روایات کا ذکر تاریخ اسلام میں کیوں نہیں کیا جن کے مطابق ۴۰ افراد (اور بروایتے ستر افراد) نے دروازہ اٹھایا تو نہ اُٹھا سکے اور جب پھینکا تو چالیس گز دُور جا گرا۔ شاید انہوں نے محض متفق علیہ روایات ہی کو درج کرنا بہتر جانا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ اسلام صفحہ ۳۴۸۔

تاریخ یعقوبی ابن واضح کاتب عباسی مطبوعہ نجف ج ۲، ص ۴۶ پر ہے: "یہ دروازہ پتھر کا تھا جو چار گز لمبا اور دو گز چوڑا تھا اور ایک گز بلندی پر نصب تھا۔ آپ نے اسے اکھاڑ کر پس پشت پھینک دیا اور قلعہ میں داخل ہو گئے"۔

علامہ علی نقی تاریخ اسلام (ص ۳۸۴) پر رقمطراز ہیں: "اب ابن خلدون کے طریقۂ تحلیل و تجزیہ سے کوئی منقولات سے ہٹ کر خالص عقلی اصول پر روایات سے نتیجہ

نکالنے کی کوشش کرے تو بھی اسے اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ کوئی ایسا غیر معمولی مظاہرہ جرأت و ہمت اور شجاعت کا اس میدانِ خیبر میں حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے وقوع میں آیا تھا جس کی وجہ سے اس قسم کی روایتیں زبان زد خلائق ہو گئیں ورنہ آخر خود حضرت علیؑ کے لیے خیبر کی مہم کے علاوہ کسی اور معرکہ میں اس طرح کی باتیں کیوں راویوں کی زبان پر نہیں آئیں اور حضرت علیؑ کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے آخر کبھی بھی اس طرح کی چیزیں کیوں کسی بھی راوی نے جو ان کا عقیدت مند بھی ہو کیوں بیان نہیں کیں؟ پھر یہ کہ تاریخیں نہ دیالم کے زیر اثر تحریر ہوئیں نہ فاطمی سلاطینِ مصر کے زیر سایہ نہ صفوی یا قاچاری شاہانِ ایران کے دور کی پیداوار ہیں بلکہ تاریخیں آخر زمانہ بنی امیہ سے لے کر بنی عباس کے عہد کی ہیں یا بنی امیہ کے بعد والے مغربی قلمرو مملکت میں تحریر ہوئیں۔ جہاں شیعی اثرات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل حقیقت اتنا وزن رکھتی تھی کہ اسے ماحول اور سرزمین کا کوئی دباؤ مغلوب نہ کرسکا۔ (تاریخ اسلام، ص ۳۸۴-۳۸۵)

علیؑ فتحِ فدک میں علم بردار

گذشتہ ابواب میں جہاں ہم نے چھوٹے موٹے غیر اہم غزوات و سرایا کا ذکر درج نہیں کیا (ہمارے خصوصی موضوع کے متعلق مواد میسر نہ تھا) وہاں فتح فدک کو اس لیے چھوڑ دیا کہ اسے اللہ نے پیغمبر اکرمؐ کو سن ۷ ہجری میں بر بنائے صلح بطور فے عطا فرمایا تھا اور اس پر کوئی جنگ نہ ہوئی تی اس لیے یہ پیغمبر اکرمؐ کا خالص حق تھا۔ زہری نے لکھا ہے کہ خیبر کے (بقیۃ السیف) یہود نے قلعہ بند ہو کر رسولؐ خدا سے جان کی امان چاہی اور شہر چھوڑ دینے کا وعدہ کیا اور پیغمبرؐ نے اُن کی درخواست منظور کرلی۔ فدک والوں کو یہ خبر ملی تو انہوں نے بھی یہی درخواست پیش کی جسے حضوؐر نے قبول کرلیا۔ اس لیے فدک سرکار دو عالمؐ کی خالص ملکیت قرار پایا کیونکہ اس پر فوج کشی نہ ہوئی تھی۔ (شرح ابن ابی محمد، ج ۴، ص ۷۸، طبع مصر)

یہی قرآن پاک کی آیت مجیدہ سے مستفاد ہے نیز مفسر رازی اور صاحب سیرۃ الحلبیہ ابن ہشام نے بھی لکھا ہے۔ البتہ علمائے تشیع کی متفقہ روایت سے استفادہ ہوا کہ بے شک بات یہی تھی اور فدک مال فے تھا جو بغیر لڑائی کے حاصل کیا گیا مگر آپؐ نے فدک کی طرف پیش قدمی کا ارادہ ضرور فرمایا تھا اور اس کے لیے ایک علم بھی مرتب فرمایا تھا۔ (اعلام الوریٰ، ص ۱۰۸-۱۰۹، طبع ایران)

علامہ طوسی تحریر فرماتے ہیں: ''جب رسولؐ اللہ خیبر کی مہم سے فارغ ہوئے، آپؐ نے ایک علم مرتب فرمایا۔ پھر کہا کون اٹھتا ہے کہ اسے اپنے استحقاق کی بنا پر ہاتھ میں لے اور آپ کا مقصد یہ تھا کہ وہ اُسے فدک کے علاقہ کی طرف روانہ فرمائیں۔ بعض علم لینے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا: تم ہٹ جاؤ۔ پھر سعد کھڑے ہوئے، آپؐ نے انہیں بھی ہٹا دیا، پھر خود فرمایا کہ علیؑ تم کھڑے ہو اور اسے لو۔ چنانچہ انہوں نے لیا۔ حضوؐر نے انہیں فدک کی طرف روانہ فرما دیا تو آپؐ نے ان سب سے صلح کی شرط پر کہ انہیں جان کی امان دی جائے گی، چھوڑ دیا۔ اس طرح فدک کے علاقوں کی جائیداد خاص رسولؐ اللہ کی ہوئی۔ اس پر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ خدائے متعال کا یہ حکم ہے کہ آپ ذی القربیٰ کو اس کا حق دے دیجیے۔ حضوؐر نے فرمایا: اے جبرئیلؑ! ذی القربیٰ کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے؟ کہا: فاطمہ!

حاصل مطالعہ اور نتیجۂ فکر یہ ہے کہ اگر فدک میں لڑائی ہوتی تو اُس کے علم بردار اور فاتح بھی حضرت علیؑ ہی ہوتے۔

(تمام روایت و درایت کا ماخذ و منبع تاریخ اسلام ہے)

○○○

(۴)

بیعت امیرالمومنینؑ، تخریب کاریاں، سازشیں اور فتنے

حضرت عثمان نے ۷۰ برس کی عمر میں یکم محرم ۲۴ ہجری کو حکومت سنبھالی۔ اُن کا عہدِ حکومت امویوں کے لیے تو خوشگوار تھا مگر عام مسلمان اس میں محرومیوں کا شکار ہوئے۔ عوام سختیوں میں جکڑ دیے گئے۔ بزرگ صحابہ پر مظالم توڑے گئے مثلاً عبداللہ ابن مسعودؓ کی پسلیاں توڑی گئیں، عمار ابن یاسرؓ کو زدوکوب کیا گیا، ابوذر غفاریؓ جلاوطن کر دیے گئے۔ خودسر عمال کے جبر و استبداد اور ظلم و استیصال نے رعایا کو کچل کر رکھ دیا۔ اس طرزِ عمل پر آوازیں بلند ہوئیں، عوام کے جذبات بھڑک اُٹھے اور غم و غصّے کی لہر دوڑ گئی۔ اصحابِ شوریٰ میں حضرت علی علیہ السلام تو اُن سے شاکی تھے ہی، طلحہ و زبیر بھی علانیہ ان کے خلاف ہو گئے اور عبدالرحمٰن ابن عوف جو سیرتِ شیخین کو زینہ بنا کر انہیں خلافت کے بامِ بلند پر لے گئے تھے، اس حد تک بگڑے کہ ہمیشہ اپنے کیے پر پچھتاتے رہے اور آخر حیات میں حضرت عثمان سے بات چیت کے روادار نہ ہوئے۔ چنانچہ ابن عبدربہ رقم طراز ہیں:

''عبدالرحمٰن کی بیماری کی حالت میں حضرت عثمان اُن کی عیادت کے لیے آئے تو عبدالرحمٰن نے انھیں دیکھ کر اپنا منہ دیوار کی طرف کر لیا''۔ (عقد الفرید، ج ۳، ص ۷۹)

آخر ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو اس تمام ناراضگی کے نتیجہ میں حضرت عثمان اپنے گھر کے اندر قتل کر دیے گئے۔

مسلمان غلط قیادت کو آزما چکے اور شدید نتائج بھگت چکے تو اُن کی آنکھیں کھلیں

اور احساس پیدا ہوا کہ حکومت و قیادت کسی ایسے شخص کے ہاتھوں میں ہونی چاہیے جو عوامی فلاح اور اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے۔ چنانچہ خواص و عوام کی نظریں حضرت علیؑ پر پڑیں۔ شاید حضرت عثمان طبعی موت مرتے تو خلافت نے سقیفہ و شوریٰ کے بدولت جو رُخ اختیار کیا تھا اس کو مدنظر رکھتے ہوئے خلافت کا اپنے اصل و حقیقی مرکز کی طرف پلٹنا ممکن نہ ہوتا۔

رسولِ کریمؐ کی رحلت کے بعد امیرالمومنینؑ نے ایک طویل عرصہ بے غرضی اور بے نفسی کے ساتھ گزارا اور ایسی اعتدال پسندی اور اصول پرستی کا مظاہرہ کیا کہ جو دلوں کو متاثر کیے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ موجود انتشار اور بدامنی کے حالات میں امن و سلامتی کے قیام کی واحد ضمانت حضرت علیؑ نظر آئے۔ چنانچہ مہاجرین اور انصار کے نمایاں افراد مسجد نبوی میں جمع ہوئے اور بالاتفاق رائے فیصلہ کیا کہ حضرت علیؑ سے خلافت کی درخواست کی جائے۔ اس کے بعد ایک وفد جس میں طلحہ و زبیر بھی شامل تھے حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زمامِ حکومت سنبھالنے کی گزارش کی مگر آپؑ نے فرمایا:

''میں تمہارے معاملات میں دخیل ہونا نہیں چاہتا جسے چاہو اپنا امیر منتخب کر لو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو''۔ (سیرت امیرالمومنینؑ، مفتی جعفر حسین، ص ۳۹۴)

لوگوں نے کہا: ''ہم آپ سے زیادہ کسی کو خلافت کا حق دار نہیں سمجھتے اور نہ سابقہ خدمات کے لحاظ سے آپ سے کوئی مقدم ہے اور نہ کوئی رسولؐ اللہ سے قرابت میں آپ سے قریب تر ہے''۔ (تاریخ کامل، ج ۳، ص ۹۸)

آپؑ نے پھر بھی انکار کیا مگر لوگ اصرار کر کر کے آپ کو آمادہ کرتے رہے اور جب دیکھا کہ حضرت کسی طرح اس (ظاہری) خلافت کو قبول کرنے پر تیار نہیں تو گڑگڑا کر کہنے لگے:

''ہم آپ کو اللہ کا واسطہ دیتے ہیں، آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس عالم میں ہیں، کیا آپ اسلام کی حالت اور فتنوں کو اُبھرتے ہوئے دیکھ نہیں رہے، کیا آپ اللہ سے بھی نہیں ڈرتے''۔ (تاریخ کامل، ج ۳، ص ۹۹)

جب جنابِ امیرؑ نے دیکھا کہ اصرار حد سے بڑھ گیا ہے اور حالات لاکھ نامساعد سہی مگر اتمامِ حجت کے بعد ادائے فرض سے پہلوتہی نہیں کی جاسکتی تو آپؑ نے فرمایا:

"مجھے منظور ہے مگر اس بات کو جان لو کہ یہ منظوری اس صورت میں ہے کہ میں تمہیں اس راہ پر چلاؤں جسے میں بہتر سمجھوں"۔

چنانچہ ۲۵ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو عمومی بیعت کا اہتمام کیا گیا۔ آپؑ بیت الشرف سے مسجد نبوی پہنچے اور منبر رسولؐ پر جائے رسولؐ پر تشریف فرما ہوئے' بیعت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ سب سے پہلے طلحہ و زبیر نے بیعت کی اور پھر دوسرے لوگوں نے۔

گویا وصیِ رسولؐ نے خلافت کو زینت بخشی اور صحیح اسلامی طرزِ جہانبانی قائم کیا جس میں عمال کا معیارِ تقرر قابلِ رشک تھا اور عمال کا محاسبہ قابلِ دید۔ محکمہ قضا مؤثر ہوا' بنیادی انسانی حقوق کو تحفظ ملا' معاشی نظام مضبوط ہوا۔ بیت المال' نظامِ زکوٰۃ' نظامِ جزیہ' کاروبری طبقہ کی نگرانی' یتیموں' بیواؤں اور ناداروں پر شفقت' غلاموں' قیدیوں اور ذمیوں سے حُسنِ سلوک وغیرہ سبھی کچھ مثالی تھا مگر عہدِ عثمانی میں گلچھرے اڑانے والوں کو یہ سب پسند نہ آیا اور انہوں نے تخریبی کارروائیاں شروع کر دیں' سازشوں کے جال بچھا دیئے گئے اور فتنوں پر فتنے اٹھنے لگے۔ بیعت کرنے والے خود مکرنے لگے' یہی ناکثین (بیعت توڑنے والوں) نے اپنا اقتدار قائم کرنے کے لیے جنگِ جمل کا باعث بنے۔ اُدھر حضرت عثمان کے عزیز اور اُن کے نوازے ہوئے حاکمِ شام معاویہ ابن ابوسفیان نے سقوطِ شام کا سوچا اور شام کو اپنی شہنشاہی میں بدلنا چاہا۔ ان قاسطین (ظالموں اور سرکشوں) نے جنگِ صفین کی ہولناکی کی لا کھڑی کی اور پھر ساتھ رہنے والوں میں سے مارقین (منافقون) نے نہروان کا سامان کیا۔ اس موضوع پر مختلف عناوین کے تحت چند تحقیقات اور وضاحتیں حسب ذیل ہیں:

تحقیقی و وضاحتی نکات

جنگِ جمل

جمل تاریخ اسلام کی وہ ہلاکت خیز جنگ ہے جو امیرالمومنینؑ کے عہدِ حکومت کے اوائل میں خونِ عثمان کے نام پر لڑی گئی۔ اس جنگ کے نتائج و عواقب اور تفریق بین المسلمین کی ذمہ داری بڑی حد تک حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر پر عائد ہوتی ہے۔ خونِ عثمان کا قصاص لینے کے لیے اُٹھ کھڑے ہونے والے یہ لوگ اُن کی زندگی میں اُن کے سخت مخالف تھے اور لوگوں کو اُن کے خلاف بھڑکاتے تھے۔ حضرت عائشہ رسولؐ اللہ کے نعلین اور پیراہن مبارک کو حضرت عثمان کے سامنے رکھ کر برملا کہا کرتی تھیں کہ ابھی یہ چیزیں کہنہ بھی نہیں ہونے پائیں کہ تم نے رسولؐ خدا کے دین اور اُن کے سنن و احکام کو سرے سے بدل کر رکھ دیا ہے۔

اس دور میں حضرت عائشہ نے حضور کے جسمِ مطہر سے مس ہونے والے آثار دکھا دکھا کر لوگوں کو بھڑکایا اور انہوں نے قصرِ خلافت کے گرد گھیرا ڈال لیا تو مروان' عبدالرحمٰن ابن عتاب اور زید بن ثابت کے روکنے کے باوجود حضرت عثمان کو محاصرہ میں چھوڑ کر مکہ روانہ ہوگئیں اور دورانِ سفر بھی لوگوں کو برانگیختہ کرتی رہیں۔ تاریخ طبری' تاریخ یعقوبی اور دیگر تواریخ ان باتوں سے بھری پڑی ہیں۔

امیر حج کے طور پر مکہ جاتے ہوئے ابن عباس سے کہا: تمہیں اللہ کا واسطہ دیتی ہوں کہ تم لوگوں کو اس (عثمان) کی مدد سے روکو اور لوگوں کو شک و شبہہ میں ڈالو۔ (طبری' ج ۳' ص ۴۳۴)

حضرت عثمان اور حضرت عائشہ کے درمیان نفرت کی خلیج حائل تھی اور انہوں نے وہ وظیفہ جو انہیں حضرت عمر دیا کرتے تھے' کم کر دیا تھا۔ (یعقوبی' ج ۲' ص ۱۳۲)

اصحابِ نبیؐ میں طلحہ سے بڑھ کر حضرت عثمان سے سخت گیر کوئی نہ تھا۔ (انساب الاشراف، ج ۱، ص ۱۱۴)

حضرت عثمان نے کہا: خدایا مجھے طلحہ ابن عبداللہ کے شر سے بچائے رکھ اسی نے لوگوں کو میرے خلاف بھڑکایا ہے اور میرے گرد گھیراؤ ڈلوایا ہے۔ (طبری، ج ۳، ص ۴۱۱)

زبیر جن کے گھر میں حضرت عائشہ کی ہمشیرہ اسماتھیں، محاصرہ کے دنوں میں لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنے گئے: عثمان کو قتل کرو، اس نے تمہارا دین ہی بدل ڈالا ہے۔ (شرح ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۴۰۴)

جب طلحہ ابن عبیداللہ مارے گئے تو اُن کے ترکہ میں پوری پوری کھال کے بنے ہوئے تین سو تھیلے ملے جن میں سونا اور چاندی بھری ہوئی تھی۔ (عقد الفرید، ص ۱۵۴)

زبیر بن عوام بھی اپنے دوٗر میں امیر الامراء اور عظیم سرمایہ دار تھے چنانچہ ذہبی نے تحریر کیا ہے: ان کے ہاں ایک ہزار غلام تھے جو انہیں خراج ادا کرتے تھے۔ (تاریخ اسلام، ج ۲، ص ۱۵۴)۔ ان کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو گیارہ گیارہ لاکھ ملا جو آٹھویں حصّہ کی ایک چوتھائی تھا۔ (عقد الفرید، ج ۳، ص ۱۰۴)

چنانچہ حضرت عثمان کا ہوا خواہ گروہ ان دونوں کو قتلِ عثمان کے سلسلہ میں نمایاں کردار ادا کرنے کی وجہ سے مسندِ خلافت پر نہ دیکھ سکتا تھا۔ جب ام المومنین حضرت عائشہ کو معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ کی بیعت ہوگئی ہے تو بے ساختہ اُن کی زبان سے نکلا:

"اگر علیؑ کی بیعت ہوگئی ہے تو کاش یہ آسمان زمین پر پھٹ جائے، اب مجھے مکہ واپس جانے دو"۔ (تاریخ کامل، ج ۳، ص ۱۰۵)

جبکہ جنگِ جمل پر جاتے ہوئے ایک اور زوجۂ رسول ام المومنین حضرت ام سلمہ نے اپنے فرزند عمر ابن ابی سلمہ کو حضرتؑ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا:

"میں اسے آپ کے سپرد کرتی ہوں، یہ مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے، یہ تمام معرکوں میں آپ کے ہم رکاب رہے گا یہاں تک کہ خداوند عالم وہ فیصلہ کرے جو وہ کرنے

والا ہے۔ اگر رسولؐ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہوتی تو میں آپ کے ہمراہ جاتی جس طرح عائشہ، طلحہ و زبیر کے ساتھ نکل کھڑی ہوئی ہیں"۔ (انساب الاشراف، ج ۶، ص ۴۳۰)

حضرت علیؑ کا زبیر پر اتمامِ حجت: اے زبیر! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نے رسولؐ خدا کو یہ کہتے نہیں سنا: "تم مجھ سے جنگ کرو گے اور میرے حق میں ظالم ہوگے"۔ (تاریخ اسلام، ذہبی، ج ۲، ص ۱۵۱)

طلحہ پر حجت تمام کرتے ہوئے فرمایا: "اے طلحہ! تم رسولؐ اللہ کی بیوی کو جنگ و قتال کے لیے لے آئے ہو اور اپنی بیوی کو گھر کے اندر پردہ میں چھوڑ آئے ہو"۔ (طبری، ج ۳، ص ۵۲۰)

حضرت علیؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! طلحہ و زبیر اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں حق پر ہوں اور وہ باطل پر ہیں۔ (استیعاب، ج، ص ۲۱۴)۔

جنگِ صفین

وہ جنگِ جمل تھی کہ نبوت کا تھا انکار
میں پوچھتا رہتا ہوں مسلمانوں سے اکثر
صفین کے میدان میں ٹکر ہوئی کن کی
معلوم کیا میں نے یہ انجانوں سے اکثر

امیر شام نے حضرت علیؑ کے قاصد سے کہا: "تم علی کو لکھو کہ وہ شام کا علاقہ میرے نام کر دیں پھر میں بیعت کرلوں گا"۔ (تاریخ اسلام ذہبی، ج ۲، ص ۱۶۸)

جب عمرو عاص نے اپنے دو بیٹوں عبداللہ اور محمد سے معاویہ کے بلانے اور محاذ جنگ پر جانے یا نہ جانے کے سلسلے میں مشورہ کیا تو دونوں کے مثبت اور منفی دو مختلف جواب سن کر کہا:

"اے عبداللہ تم نے وہ بات کہی جو میرے لیے آخرت کے لحاظ سے بہتر ہے اور

جس سے میرا دین بھی سلامت رہتا ہے اور اے محمد! تم نے وہ بات کہی ہے جو میرے لیے دنیوی اعتبار سے بہتر ہے اور عقبیٰ کے اعتبار سے تباہ کن"۔ (اخبار الطوال' ص ۱۴۱)

عمرو نے معاویہ سے کہا: "کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ مصر کے بدلے عمرو کو خرید لو"۔ (اخبار الطوال' ص ۱۵۸)

جب معاویہ ابن ابوسفیان اور عمرو عاص نے شام میں موجود حضرت عبادہ بن صامت کو اپنا ہم خیال بنانا چاہا تو اُنہوں نے کہا: غزوۂ تبوک میں رسولؐ خدا نے تم دونوں کو ایک ساتھ چلتے اور باتیں کرتے دیکھا تو فرمایا تھا:

"جب ان دونوں کو یکجا بیٹھے دیکھو تو انہیں جدا جدا کردو۔ اس لیے کہ یہ دونوں کبھی بھلائی کے کام کے لیے جمع نہیں ہوں گے"۔ (عقد الفرید' ج ۳' ص ۱۱۷)

جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کے ہمراہ اسی بدر کے مجاہدین اور دو سو پچاس بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے صحابہ تھے۔ (مستدرک حاکم' ج ۳' ص ۱۰۴)

جب حضرت علیؑ کے لشکر پر پانی بند کر دیا گیا اور حضرت علیؑ نے صعصعہ ابن صوحان کے ہاتھ معاویہ کو پیغام بھیجا تو اُس نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا تو عبداللہ بن ابی سرح نے کہا:

رات تک ان پر پانی بند رہنے دو۔ جب یہ پانی حاصل کرنے میں ناکام ہو جائیں گے تو واپس چلے جائیں گے اور یہ پلٹنا ان کی شکست و ہزیمت ہوگا۔ ان پر پانی بند کردو۔ خدا انہیں قیامت کے دن پیاسا رکھے۔ (تاریخ کامل' ج ۳' ص ۱۴۵)

حضرت علیؑ نے حبیب ابن مسلمہ فہری کی بکواس کے جواب میں فرمایا: "تو سواروں اور پیادوں کو لشکرِ جرار کو لے کر بھی مجھ پر ٹوٹ پڑے تو میں تیری حقیقت کو کچھ نہیں سمجھتا"۔

جب حضرت علیؑ کے ایک بہادر ہاشم کے ہمراہ قبیلۂ اسلم کے حفاظ کی ایک جماعت بھی شہید ہوگئی تو آپ شہداء کے لاشوں پر آئے اور دو شعر پڑھے:

ترجمہ اشعارِ علیؑ:

"خدا اس اسلمی جماعت کو جزائے خیر دے جو روشن چہروں والے اور ہاشم کے گرد و پیش لڑتے ہوئے مارے گئے ہیں۔ اس جماعت میں بریدہ عبداللہ اور مالک کے دونوں بیٹے عروہ اور معقل شامل ہیں۔ یہ وہ تھے جن کا شمار شرفائے عرب میں ہوتا تھا"۔

قبیلۂ ربیعہ و ہمدان کے جواں مرد خون کے سیلاب بہاتے' صفوں کو روندتے اور لاشوں کو کچلتے آگے بڑھتے رہے۔ امیرالمومنینؑ نے اُن کی پیش قدمی کو سراہتے ہوئے فرمایا: "انھیں آگے بڑھائے لیے جا رہے تھے سعید ابن قیس جو معزز اور قومی وقار کے پاسبان ہیں اور شریف انسان عزت و آبرو کی حفاظت کیا ہی کرتا ہے"۔

امیرالمومنینؑ نے جب قرآن کے سایہ میں مکروفریب کے جال بچھتے دیکھتے تو فرمایا:

"اے خدا کے بندو! تم حق و صداقت کی جس روش پر چل رہے ہو اس پر چلتے رہو اور اپنے دشمن سے جنگ جاری رکھو۔ معاویہ ہو یا عمروؔ ابن ابی معیط ہو یا حبیب ابن مسلمہ' ابن ابی سرح ہو یا ضحاک' یہ لوگ نہ دین والے ہیں اور نہ قرآن پر عمل کرنے والے۔ میں تم لوگوں سے زیادہ ان لوگوں کو جانتا پہچانتا ہوں۔ بچپن اور جوانی دونوں میں میرا ان کا ساتھ رہ چکا ہے۔ یہ بچپن میں بھی بُرے اور جوانی میں بھی بُرے تھے۔ خدا کی قسم! انھوں نے قرآن' مکروفریب کی بنا پر اپنی کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لیے اٹھایا ہے"۔ (تاریخ کامل' ج ۳' ص ۱۶۱)

عمرو ابن عاص نے اپنی دنیا طلبی اور امارتِ مصر کے حصول کا واشگاف اعتراف کرتے ہوئے امیرِ شام سے کہا:

"خدا کی قسم! اگرچہ ہم تمہارے ساتھ ہو کر خونِ عثمان کے قصاص کے سلسلہ میں جنگ کر رہے ہیں مگر دل کے انکار جو ہے سو ہے۔ جب کہ تم اس شخص سے برسرِ پیکار ہو

جس کی سبقت، فضیلت اور رسولؐ اللہ سے قرابت کا تمہیں علم ہے لیکن ہم تو فقط اس دنیا کے در پے ہیں۔ (تاریخ کامل، ج ۳، ص ۱۴۱)

قرآن مجید میں قانونِ قصاص کے بارے میں ارشاد ہے:

"جو شخص مظلوم قتل کر دیا جائے ہم نے بے شک اس کے ولی کو حقِ قصاص دیا ہے مگر قتل میں مقررہ حدود سے تجاوز نہ کرے"۔

معاویہ حضرت عثمان کے ابن عم تھے مگر اُن (حضرت عثمان) کے بیٹوں کے ہوتے ہوئے وہ کسی قاعدہ و قانون سے ان کے ولی نہ تھے۔ یہ مطالبۂ قصاص صرف انکارِ بیعت کا ایک بہانہ تھا تاکہ اس طرح حضرتؑ پر دباؤ ڈال کر امارتِ شام کی دستاویز حاصل کر لیں۔ (سیرت امیرالمومنینؑ، مفتی جعفر حسین، ص ۶۰۵)

مسعودی نے تحریر کیا ہے: وہ (اہلِ شام) معاویہ کے یہاں تک مطیع و فرمانبردار تھے کہ انہوں نے صفین کی طرف جاتے ہوئے بدھ کے دن نمازِ جمعہ پڑھا دی۔ (مروج الذہب، ج ۲، ص ۷۲)

امیرالمومنینؑ کے لشکر میں ایسے افراد بھی شامل تھے جو کسی مصلحت یا قبائلی دباؤ کے زیرِ اثر شریکِ جنگ تو ہو گئے مگر نہ ان کے خیالات میں ہم آہنگی تھی اور نہ اطاعت و انقیاد کا جذبہ اور پھر اشعث ابن قیس اور خالد ابن معمر جیسے لوگ معاویہ کے ہاتھ بکے ہوئے تھے انہیں قرآن کی آڑ میں شورش انگیزی کا موقع مل گیا۔ (سیرت امیرالمومنینؑ، ص ۶۰۸)

تعجب ہے کہ حضرت علیؑ اور عمار یاسر کے قاتلوں کو مجتہدِ خطی تجویز کر کے انہیں مستحق اجر و ثواب قرار دیا جاتا ہے اور حضرت عثمان کے قاتلین و محاصرین کو ابن حزم اور ان کے ہم مسلک افراد صحابیت کی تمام قدروں کو نظرانداز کر کے باغی، ظالم فاسق، کاذب، ملعون وغیرہ کے لفظوں سے یاد کرتے ہیں اور ان کے لیے خطائے اجتہادی کا ادنیٰ احتمال بھی گوارا نہیں کیا جاتا حالانکہ ان میں افاضل صحابہ، اکابر مجتہدین اور صلحائے اُمت شامل تھے۔

لیلۃ الہریر

جنگ کے میدان میں بنی ہمدان و بنی ربیعہ کے جواں مردوں کے حملے تمام تر قوتوں کے ساتھ جاری تھے۔ میمنہ اور میسرہ عبداللہ اور مالکِ اشتر کے قبضہ میں تھا کہ دن سمٹنے لگا اور وہ بلاخیز رات نمودار ہوئی جو تاریخ میں لیلۃ الہریر کے نام سے مشہور ہے۔ امیرالمومنینؑ کے باطل شکن نعروں سے ایک طرف تو ہمت و شجاعت کی لہریں دوڑ رہی تھیں اور دوسری طرف مخالفین کے دل دہل رہے تھے۔ جنگ کا یہ حال تھا کہ نیزوں کی اَنیاں ٹوٹ چکی تھیں اور تیراندازوں کے ترکش خالی ہو چکے تھے۔ صرف تلواروں کے سروں پر پڑنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اور کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے۔ یہاں تک کہ صبح ہوتے ہوئے مقتولین کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی۔ شامیوں پر شکست کے آثار ظاہر ہو چکے تھے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے ہی والے تھے کہ عمرو عاص کی تجویز پر معاویہ کی طرف سے اچانک پانچ سو قرآن نیزوں پر بلند کر دیئے گئے اور جنگ کا سارا نقشہ بدل گیا۔ خون برساتی ہوئی تلواریں تھم گئیں، فریب کاری و مکاری کامیاب ہو گئی اور باطل کے اقتدار کا راستہ ہموار ہو گیا (باب چہارم میں اس رات کا سرسری ذکر ہوا ہے چنانچہ یہاں تفسیر اسلام سے استفادہ کیا گیا ہے)۔

یہ جنگ یکم صفر ۳۷ھ سے شروع ہو کر ۱۰ صفر ۳۷ھ تک ختم ہو گئی البتہ میدانِ صفین میں فوجوں کا قیام ۱۱۰ دن رہا اور نوے معرکے پیش آئے۔ امیرالمومنینؑ کے لشکر سے ۲۵ ہزار افراد شریک ہوئے جن میں اسّی اصحابِ بدر اور تریسٹھ بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے صحابہ بھی شامل ہیں۔ معاویہ کے لشکر سے ۴۵ ہزار آدمی مارے گئے جن میں سے ۹۰۰ آدمی صرف حضرت علیؑ کی تلوار سے قتل ہوئے۔

جنگِ صفین کے دو ہیرو

عمار یاسرؓ

اخبار الطوال سے ماخوذ باب چہارم میں جنگِ صفین کے ہیرو حضرت عمار بن یاسر کی شہادت کو مطرح نہیں کیا گیا اور یہی معاملہ اس جنگ کے دوسرے ہیرو حضرت اویس قرنی کا ہے جن کا تذکرہ بھی یہاں شامل کیا جا رہا ہے۔

جب حضرت عمارؓ کے شربتِ شہادت نوش کرنے کا دن آیا تو عین اس وقت کہ جب جنگ کا تنور گرم تھا، عمار امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میدانِ کارزار میں جانے کی اجازت طلب کی۔ حضرتؑ نے ذرا تامل کیا تو عمارؓ نے دوبارہ درخواست کی۔ حضرتؑ نے فرمایا: توقف کرو۔ عمارؓ نے عرض کیا: یہی وہ روز ہے جس کی میرے حبیب محمد مصطفیٰؐ نے خبر دی ہے اور وعدۂ شہادت فرمایا ہے۔ اجازت دیں تاکہ میں آپؑ کی نصرت میں جان قربان کروں۔ یہ سن کر حضرت علیؑ آبدیدہ ہو گئے اور گھوڑے سے اُتر کر عمارؓ کو سینے سے لگا لیا۔ نیز فرمایا:

"اے ابویقظان! خدائے متعال تمہیں جزائے خیر دے تم بہتر دوست اور برادر تھے"۔

عمارؓ نے کہا: میں نے آنحضرتؐ سے حنین کے روز سنا کہ آپؐ نے فرمایا: "میرے بعد فتنے اور فساد برپا ہوں گے اے عمارؓ! تم اس وقت علیؑ کے ساتھ رہنا کیونکہ علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ ہے۔"

اس کے بعد عمار الوداع ہوئے اور میدان میں آئے تو اپنا سر آسمان کی طرف بلند کر کے کہا: "خدایا! تو خوب جانتا ہے کہ میں ہر حال میں تیرا مطیع اور فرمانبردار ہوں۔ اگر مجھے علم ہو کہ تیری رضا اس میں ہے کہ چلتے دریا میں غرق ہو جاؤں یا جلتی آگ میں گر کر

مر جاؤں تو میں ایسا کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔ پروردگار! اگر تو دوست رکھے تو میں اپنا شکم نوکِ سناں پر رکھوں اور زور دوں حتیٰ کہ وہ میری پشت سے نکل جائے۔ خدایا! جہاں تک مجھے علم ہے آج ان منافقوں کے ساتھ جنگ سے بڑھ کر کوئی عمل تیری رضا کا باعث نہیں۔ یہ مناجات پڑھ کر مصروفِ جنگ ہوئے۔ حتیٰ کہ اٹھارہ شامیوں کو واصلِ جہنم کیا۔ آخر کار ابن جو ہر ملعون نے آپ کے سینۂ مبارک پر ایک برچھی ماری۔ آپ یہ ضرب کھا کر لوٹے اور پانی طلب کیا۔ کچھ پانی ملایا ہوا دودھ لایا گیا۔ عمار نے دیکھ کر کہا: اللہ اکبر، صدق رسول اللہ۔ رسولِؐ خدا نے سچ فرمایا کہ عمارؓ تمہارا آخری رزق دودھ ہو گا۔ عمارؓ نے دودھ پیا لیکن وہ زخم کے راستے خارج ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

حضرت عمارؓ کے بارے میں رسولِؐ خدا کے دو اہم فرمان ہیں جن سے حضرت علیؑ کی حقانیت اور امیر شام اور اس کے ساتھیوں کا باطل ہونا ثابت ہے۔

① حق عمارؓ کے ساتھ گردش کرتا ہے، جس طرف کہ وہ گردش کرے۔

② روایت ہے کہ رسولِؐ خدا نے عمارؓ کی شہادت کی خبر دی اور فرمایا: اے عمار! عنقریب تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔

یہ بھی منقول ہے کہ جب مدینہ میں مسجدِ نبوی تعمیر ہو رہی تھی تو سارے صحابہ ایک ایک پتھر اٹھا کر لا رہے تھے لیکن عمار دو دو پتھر اُٹھا کر لا رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ابویقظان اس قدر مشقت کیوں اُٹھا رہے ہو؟

عمار نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں دوست رکھتا ہوں کہ اس مسجد میں زیادہ سے زیادہ کام کروں تاکہ زیادہ ثواب کا مستحق قرار پاؤں۔

آنحضرتؐ نے کمالِ شفقت سے عمار کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور گرد جھاڑتے ہوئے فرمایا: "عمار اہلِ جنت میں سے ہے اور ایک باغی گروہ اسے قتل کرے گا۔ عمار ان کو جنت کی طرف دعوت دے گا اور وہ دوزخ کی طرف بلائیں گے"۔

حضرت عمار یاسر کی شہادت کے بعد لشکرِ شام میں اس حدیث کا چرچا ہوا تو قریب تھا کہ شورش برپا ہوجائے۔ چنانچہ عمرو عاص معاویہ کے پاس آیا اور کہا: ایھا الامیر! عمار کے قتل نے لوگوں میں اضطراب پیدا کردیا ہے۔ معاویہ نے کہا: عمار کو ہم نے تو قتل نہیں کیا اس کا اصل قاتل وہ ہے جو اسے یہاں لے کر آیا ہے۔ وہ اسے یہاں لے کر نہ آتا تو یہ شہید نہ ہوتا۔ جب امام دوسرؑا نے اس تاویل کو سنا تو فرمایا: بنابریں حضرت حمزہ کے قاتل رسولؐ خدا تھے کیونکہ وہ انہیں جنگِ اُحد میں لے گئے تھے۔

حضرت اویس قرنیؓ

اویس قرنی بھی فوج معاویہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ حبیب السیر میں ہے کہ اویس فرات کے کنارے وضو فرما رہے تھے کہ امیرالمومنینؑ کے لشکر کے طبل کی آواز سنائی دی۔ کسی نے بتایا کہ شاہِ ولایتؑ معاویہ کے ساتھ جنگ کے لیے جا رہے ہیں۔ اویسؒ اٹھے اور کہا: کوئی عبادت اتباعِ علیؑ سے افضل نہیں ہے۔ چنانچہ بارگاہ امامت میں حاضر ہوکر ہم رکاب ہوئے۔

مروی ہے کہ بروزِ جنگ اویس ربیعہ قبیلہ کے پیادوں میں شامل تھے ان کے پاس دو تلواریں اور چند نیزے تھے نیز سنگریزوں کا ایک توبرہ تھا۔ اویس حضرت علیؑ کے پاس آئے' الوداع کہا اور مصروفِ رزم ہوگئے' لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش فرمایا تو حضرت علیؑ نے خود ان کا جنازہ پڑھا اور دفن فرمایا۔

فرات کی گواہی، علیؑ مومنوں کے امیر ہیں

بحارالانوار میں ہے کہ جب امیرالمومنینؑ جنگِ صفین سے فارغ ہوئے تو دریائے فرات کے کنارے پہنچے اور فرمایا: اے وادی (فرات) گواہی دے کہ میں کون ہوں؟ دریائے فرات میں ایک عظیم تلاطم پیدا ہوا اور اس کی موجیں شگافتہ ہوئیں۔ لوگ دیکھ رہے

تھے کہ آواز آئی:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ سوا اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور علیؑ مومنوں کے امیر اور تمام مخلوق پر حجتِ خدا ہیں''۔

OOO

نہروان

خوارج کی کج فکری کے علاج کی کوشش

امیرالمومنینؑ نے خوارج کی نافرمانی اور سرکشی کے باوجود اُن پر کسی قسم کی سختی نہ کی کیونکہ آپ انسانی افتادِ طبیعت کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ایک باغی و سرکش جماعت کی کج فکری و کج ذہنی میں سختی اور تشدد سے اضافہ تو ہوسکتا ہے مگر اس کی ذہنی وفکری اصلاح نہیں ہوسکتی۔

البتہ جب نرمی وملاطفت سے کام نہ نکلے اور سرکش جماعت کی کج ذہنی امنِ عامہ میں خلل کا باعث بننے لگے تو پھر سختی اور تشدد کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے انہیں افہام وتفہیم اور دلیل و برہان کے طریقہ سے' خود اُن کے ہاں جا کر راہِ راست پر لانے کا فیصلہ فرمایا۔ نیز اپنے جانے سے پہلے ابن عباس کو اُن کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ تم وہاں میرا انتظار کرنا اور میرے آنے سے پہلے ان سے اختلافی موضوع پر کوئی بات چیت نہ کرنا...... (ممکن ہے کہ خوارج اُن کے جواب سے مطمئن نہ ہوں اور ان کے طرزِ گفتگو سے بھڑک اُٹھیں)۔ (ملخصا سیرت امیرالمومنینؑ، ص ۶۱۴)

تحکیم کو مان کر کفر کیسا؟

حضرتؑ نے فرمایا کہ میں تحکیم کو مان کر کافر کیسے ہوگیا جبکہ خداوندِ عالم نے حکم قرار دینے کی اجازت دی ہے چنانچہ زن ومرد کے اختلاف کے باب میں ارشاد ہے:

''اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان تفرقہ کا اندیشہ ہو تو ایک ثالث مرد کے کنبہ میں سے اور ایک ثالث عورت کے کنبہ میں سے مقرر کرو'' تو کیا اللہ کے نزدیک اُمت کے اختلاف و افتراق کی اہمیت میاں بیوی کے تفرقہ سے بھی کم ہے؟ (سیرت امیرالمومنینؑ، ص ۶۱۵)

خوارج کی مزید گمراہی

خوارج نے اپنے نعرہ کا استخراج آیت قرآنی ان الحکم الا للہ سے کیا ہے جو ابتداء میں صرف تحکیم کی مخالفت میں بلند ہوا اور پھر اس آیت کے ظاہر پر نظر کرتے ہوئے ان لوگوں نے یہ نظریہ قائم کرلیا کہ حکومت بھی اللہ کے لیے ہے اور بیعت بھی اللہ کے لیے' اس کے علاوہ کوئی حاکم وفرمانروا نہیں ہوسکتا اور اس طرح یہ نعرہ ایک جدید نظریۂ حکومت کی بنیاد پا گیا۔ حکومت الٰہیہ کے معنی ابطالِ امارت کے نہیں ہیں بلکہ حکومت الٰہیہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے احکام کا نفاذ الٰہی نمائندوں کے ذریعہ ہو اور ان نمائندوں کے مقابلہ میں کسی کو رائے زنی اور قیاس آرائی کا حق حاصل نہ ہو۔ (سیرت امیرالمومنینؑ، ص ۶۲۱)

خوارج کے محاربٗ شامیوں کے جارحانہ حملےٗ بسر ابن ارطاۃ کی تباہ کاریاں وغیرہ کے ایسے عناوین کو فی الحال زیر بحث نہیں لایا جا رہا کیونکہ طوالت کا خدشہ ہے۔

شہادت سے متعلق

امام حسنؑ نے چاہا کہ مسجد تک آپ کے ساتھ جائیں مگر آپؑ نے منع فرما دیا۔ فرزندانِ رسول محرابِ مسجد میں مٹی اٹھا کر فرقِ مبارک پر ڈالتے اور اس آیت کی تلاوت فرماتے جاتے تھے:

(ترجمہ) ''ہم نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور زمین کی طرف پلٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ نکالیں گے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے کہا کہ پہلے لوگوں میں شقی ترین مردم کون ہے؟ کہا: اُونٹنی کو پے کرنے والا۔ فرمایا: بعد والوں میں زیادہ شقی کون ہے؟ کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: وہ تمہارا قاتل ہے۔ ناقۂ صالح حضرت صالح کا معجزہ تھا اور علی ابن ابی طالبؑ پیغمبر اسلام کا معجزہ تھے۔

● قبر کے مخفی رکھنے کی مصلحت یہ تھی کہ خوارج اور اموی حکمران اس وحشیانہ طرزعمل کا اعادہ نہ کرسکیں جس کا مظاہرہ اُحد میں شہداء کے اعضاء و جوارح کاٹنے کی صورت میں ہو چکا تھا۔

● امام صادق علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو قبر مطہر کے محل وقوع سے مطلع کیا۔ (سیرت امیرالمومنینؑ، ص ۶۸۵)

● ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ ابوالغنائم محمد ابن علی کہا کرتے تھے: کوفہ میں تین سو صحابہ نے وفات پائی مگر امیرالمومنین کی قبر کے علاوہ کسی کی قبر کا پتہ نہیں ہے اور حضرتؑ کی قبر وہی ہے جس کی لوگ اب زیارت کرتے ہیں۔ (شرح ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۴۵)

ooo

(۵)

✺ بعض محققین کے مطابق علیؑ نے ۸۷ غزوات میں اسلام کی تاریخ رقم کی اور توحید و رسالت کے پیغام یعنی اسلام کی بھرپور امداد کی۔ اس امداد کا وعدہ علیؑ دعوت ذوالعشیرہ پر ہی فرما چکے تھے۔ جب رسولؐ اسلام نے مدد مانگی تھی تو علیؑ نے اپنی کمزور پنڈلیوں کے دور (یعنی بچپن) میں کہا تھا: میں آپؐ کی مدد کروں گا۔ رسولؐ اللہ کو اگرچہ اللہ پر کامل بھروسہ تھا مگر امداد اپنے عشیرہ سے طلب کی۔ صرف علیؑ نے آوازِ رسولؐ پر لبیک کہا۔ یوں حقیقی اسلام کی تاریخ میں یاعلیؑ مدد کے نعرے کو فروغ ملا اور نامِ علیؑ اسلام کی حفاظت و استقامت کا ضامن قرار پایا۔

✺ حضرت علیؑ نے سب سے پہلے چھوٹے پتھروں اور کھجور کی گٹھلیوں سے رسولؐ اسلام کا تحفظ کیا۔ زبور کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت داؤدؑ بھی تلوار سے نہیں گوپھن سے لڑتے تھے اور اسی گوپھن سے پوری پوری جنگیں لڑی ہیں۔ یعنی غلیل میں پتھر کا ڈھیلا رکھا اور کھینچ کے مارا۔ علیؑ کا نشانہ بچپن میں بھی کبھی خطا نہیں ہوا۔ مکہ کے کافروں کے بچے رسولؐ خدا کو پتھر مارتے تو علیؑ جوابی حملہ کر کے رسولؐ خدا کا تحفظ کرتے۔ اگر کفار کے بچے بھاگتے تو پتھر مارتے اور اگر گرفت میں آجاتے تو دو دو کو پکڑ کر ٹکرا دیتے۔

✺ بدر سے حنین تک دس سال بنتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے ان دس سالوں میں دین کو بچانے کے لیے ۸۷ لڑائیاں لڑیں۔ بدر سے حنین تک علی ۲۳ برس سے ۳۲ برس کے ہوگئے۔ پھر پچیس سال تک مسلسل جنگ نہیں کی اور ۵۹ سے ۶۳ برس کی عمر میں پھر

تین لڑائیاں لڑیں‘ دین کو دکھانے اور حق کو ظاہر کرنے کے لیے۔ صفین مسلسل ایک سال جاری رہی اور صرف لیلۃ الہریر ہی میں ۷ لڑائیاں ہوئیں۔

* کچھ محققین نے لکھا ہے کہ ہریر کتے کے بھونکنے کو کہتے ہیں خصوصاً جب سردی کے خوف سے کتے مل کر بھونکتے ہیں گویا لیلۃ الہریر میں کتے بھونک رہے تھے۔ اس رات حضرت علیؑ نے دونوں ہاتھوں سے تلوار چلائی اور اس طرح لڑے کہ جب حملہ کرتے تو دشمن کا لشکر شیرِ خدا کے خوف سے کتوں کی طرح بھونکتا تھا۔
* علیؑ نے کبھی کسی پر پہلے حملہ نہیں کیا کیونکہ پہلے حملہ کرنے والا جارح ہوتا ہے اور اسی پہل پر حق اور باطل کی پہچان ہوتی ہے۔ یعنی باطل ہمیشہ جنگ میں پہل کرتا ہے اور حق باطل سے دفاع کے لیے اُس کا منہ توڑ جواب دیتا ہے۔
* جس نے سب سے پہلے کفار کے مقابلے کے لیے تلوار اٹھائی وہ علیؑ تھے۔ (متفق علیہ)
* علیؑ نے ہر قسم کا جہاد کیا۔ جہاد بالسیف بھی کیا‘ جہاد بالمال بھی کیا‘ جہاد بالنفس بھی کیا‘ جہاد بالقلم بھی کیا‘ جہاد باللّسان بھی کیا۔ غرض کہ کوئی جہاد فی سبیل اللہ ایسا نہیں جو علیؑ ولی نے نہ کیا ہو۔
* علیؑ مولا نے جہاں اصولِ جنگ سکھائے وہاں اندازِ جنگ بھی بتائے۔ آپؑ کے تین قسم کے وار بہت مشہور ہیں: طول کا وار‘ عرض کا وار اور سیفی کا وار یعنی طول میں دو برابر حصے کر دیتے تھے دشمن کے‘ یا پھر پسلیوں سے کاٹتے کہ دشمن کا اُوپر کا حصہ زمین پر آ گرے اور دھڑ نچلا حصہ زمین پر رہ جائے اور لطف یہ کہ دونوں حصے برابر ہوتے۔ عرض کے اس وار کو قد کا وار بھی کہتے تھے اور تیسرا سیفی کا وار جو پسلیوں پر ترچھا پڑتا۔
* حضرت علیؑ کی ماں اسد کی بیٹی تھیں اور ایک بہادر خاندان سے تھیں‘ اسی لیے تو مرحب سے کہا تھا کہ میری ماں نے میرا نام حیدرؑ رکھا ہے۔ گویا علی اشجع الطرفین بھی

تھے۔

* جنگِ بدر میں عتبہ بھی اونٹ پر سوار ہو کر آیا تھا۔ وہ اونٹ سے اُترا تو جلال میں آ کر ابوجہل کی گھوڑی کے چاروں پاؤں بھی ایک وار میں کاٹ دیئے کہ آج پیدل لڑنے کا موقع ہے۔ عتبہ کے مقابل حمزہ اور اس کے بیٹے ولید کے مقابل علیؑ اُترے۔ ولید نے جس ہاتھ سے شیرِ خدا پر حملہ کیا تھا آپؑ نے جوابی حملہ کر کے اُسی ہاتھ کو کاٹا جو فضا میں اُچھلتا ہوا خود حضرتؑ پر آ گرا اس زور سے گرا کہ فرمایا مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ مجھ پر پہاڑ آ گرا ہے۔ دراصل جس طاقت سے علیؑ نے وار کیا تھا یہ اُسی کا ردِعمل تھا نہ کہ ولید کے ہاتھ کی طاقت۔
* مقتول کی بہن نے کہا کہ میں بھائی کو نہیں روؤں گی کیونکہ جس نے میرے بھائی کو قتل کیے وہ لیلۃ البلد تھا یعنی علیؑ کو مقتول کی بہن عرب کا چاند کہہ کر پکارتی ہے کیونکہ علیؑ بااصول اور شریف النفس جنگ جو تھے۔
* علیؑ یقیناً وہ واحد انسان ہیں کہ جنہوں نے بے انتہا تلوار چلائی مگر اس طرزِ انصاف سے کہ آج تک کوئی دشمن بھی یہ دعویٰ نہ کر سکا کہ علیؑ ظالم ہے۔ محض جمل ہی کو لیجیے۔ ۳۵ ہزار سجدہ گزاروں اور قرآن کے حافظوں کو قتل کر کے تلوار نیام میں ڈالی۔ علیؑ نے اگرچہ حافظوں‘ قاریوں اور صحابیوں کو قتل فرمایا تو بجائے عتاب کے مسلمانوں نے علیؑ کے چہرے میں کرامت دیکھی اور کہتے علی کرم اللہ وجہہٗ۔ کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی علیؑ نے ظلم کے خلاف تلوار کھینچی تو اپنے آپ کو بچانے کے لیے نہیں بلکہ کلمہ پڑھنے والوں کو بچانے کے لیے۔ علیؑ اس اصول سے لڑے کہ اتنی جنگیں لڑ کر بھی امن کے پیامبر کہلائے۔
* اسلام کے میدانِ جنگ کو بنانے اور سجانے والے علیؑ تھے اور علیؑ ہی اس کے مؤرخ بھی تھے۔
* علیؑ کے ہر وار پر اللہ فخر و مباہات کرتا ہے‘ جبرئیلؑ نے رسول اکرمؐ سے کہا۔

- فقرہ ریڑھ کی ہڈی کے ایک مہرے کو کہتے ہیں جس کی جمع فقار ہے۔ چنانچہ پوری ریڑھ کی ہڈی کو فقار کہتے ہیں' ریڑھ کی ہڈی کے بغیر جس طرح انسان چل پھر نہیں سکتا اُسی طرح ذوالفقار کے بغیر اسلام چل نہیں سکتا تھا لیکن ذوالفقار کو حیدر کرّار اُٹھا سکتے ہیں یا پھر اُن کے معصوم چشم و چراغ۔ اگر فقرہ بمعنی جملہ لیا جائے تو فقار جملات ہوئے اور ذوالفقار فقروں کی تکرار کرنے والی ہے یعنی نہ رکنے والے۔ ذوالفقار دو زبانوں والی تھی مراد یہ ہے دونوں طرف سے برابر کاٹ کرتی تھی اور منہ کھولے دشمنانِ خدا و رسول کو نگلنے کے لیے بے چین رہتی تھی۔ ذوالفقار کو خداوند جبار نے ستر معجزے عطا کر رکھے تھے اور جو جو معجزہ عصائے موسیٰؑ کے لیے تھا وہ وہ ذوالفقارِ علیؑ کے لیے بھی تھا۔ ذوالفقار میدان میں گھٹتی بھی تھی بڑھتی بھی تھی۔ سات گز تک اس کا وار پڑتا تھا۔ ذوالفقار باتیں بھی کرتی تھیں۔ دشمنانِ علیؑ کو چن چن کر مارتی تھی اور جن کی ساتویں پشت سے بھی کسی مومن نے پیدا ہونا تھا اُنہیں چھوڑتی چلی جاتی تھی۔ جب ایک درخت سے کاٹے گئے عصائے موسیٰؑ میں کئی معجزے ہوسکتے ہیں تو آسمان سے اُترنے والی ذوالفقار میں یہ معجزے بھلا کیوں کر نہیں ہوسکتے؟
- علیؑ کی تلوار سے جبرئیلؑ کے تین پَر کٹ جانے پر معترض ہونے والوں کے جواب میں کہ ایک معصوم کی تلوار سے دوسرے معصوم کے پَر کیسے کٹ گئے؟ خطیب اعظم مولانا سبطِ حسن لکھنوی اپنے لطیف اندازِ خطابت میں فرمایا کرتے تھے: پَر کٹے پر نہیں کٹے۔ مثال کے طور پر فرماتے: حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کے گلے پر چھری پھیری' نشان پڑا مگر گلا نہ کٹا بلکہ مینڈھا قربان ہوا پڑا تھا۔
- بعض محققین کے مطابق جنگِ خندق میں علیؑ گھوڑے پر سوار اس لیے نہ ہوئے کہ عبدود اپنے گھوڑے کے پاؤں کاٹے گا تو یہ عمل دیکھ کر میرے گھوڑے کا دل نہ پسیجے۔ علیؑ تو رہوار کو بھی تکلیف میں نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

- جنگِ خندق میں جب علی علیہ السلام نے دشمن کا سر رسولِ معظم کے پاؤں میں لا کر پھینکا تو حضوؐر نے علیؑ کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ اُدھر دو بزرگ دوڑتے ہوئے آئے اور علیؑ کے بوسے لینے لگے۔

OOO